آتش فشاں

(ناول)

مترجم

محمد اظہر حیات

انگریزی: اننت گوپال شیوڑے

ناشر

الفاظ پبلی کیشن، ناگپور

www.urduchannel.in

ISBN 978-81-924458-5-4

©جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ

ناول کا نام	:	آتش فشاں
مترجم	:	(ڈاکٹر) محمد اظہر حیات
انگریزی میں ناول کا نام	:	The Volcano
انگریزی ناول کے مصنف	:	اننت گوپال شیوڑے
اردو میں کمپوزنگ	:	محمد نفیس
سرورق	:	انوارالحق پٹیل
مطبع	:	پٹیل پرنٹنگ پریس، روئی گنج کامٹی
ناشر	:	الفاظ پبلیکشن ناگپور
تعداد	:	۵۰۰
ضخامت	:	292 صفحات
قیمت	:	۲۲۵ روپئے
سال اشاعت	:	2017
مترجم کا پتہ	:	حیات منزل، 9-A، راٹھور لے آؤٹ اننت نگر، ناگپور ۱۳ (مہاراشٹر اسٹیٹ) موبائل نمبر: 9823704714

AATISH FISHAAN (Novel)

By: **Dr. MOHAMMAD AZHAR HAYAT**

Hayat Manzil 9-A Rathor Layout, Anantnagar

Nagpur 440013 (M.S)

Price: 225/-

www.urduchannel.in

ان تمام معروف و غیر معروف شہیدوں کے نام
جنھوں نے مادر وطن کی آزادی کی خاطر تکالیف اٹھائیں
اور شہید ہوئے۔ جن کے ایثار و قربانیوں کی بنیاد پر
ہی ہندوستان کی آزادی کا سنہرہ مندر قائم و دائم ہے

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

کچھ اننت گوپال شیوڑے کے بارے میں

"آتش فشاں" انگریزی ناول The Volcano کا اردو ترجمہ ہے۔ دراصل اس ناول کا ہندی سے انگریزی ترجمہ خود مصنف اننت گوپال شیوڑے نے کیا تھا۔ ہندی میں اس کا نام جو الا مکھی تھا۔ اننت گوپال شیوڑے کا شمار مجاہد آزادی میں ہوتا تھا۔ وہ قید و بند کی صعوبتوں سے گذر چکے تھے۔ انہیں اس راہ کی تمام دشواریوں کا ذاتی تجربہ تھا۔

۱۹۴۲ء میں انہیں تین برس جیل میں گذارنے پڑے جہاں انہیں مہاتما گاندھی کے دست راس سنت ونوبا بھاوے کی قربت میں رہنے کی سعادت ملی۔ ونوبا بھاوے کی شخصیت اور ان کے حالات سے شیوڑے حد درجہ متاثر ہوئے۔ غالباً اس موضوع پر ناول لکھنے کی ترغیب انہیں ونوبا بھاوے سے ہی ملی۔ ناول کا خاکہ شیوڑے نے جیل میں ہی ترتیب دیا تھا۔ جیل سے بری ہونے کے بعد انھوں نے اسے مکمل کیا۔

شیوڑے ہندی کے معروف فکشن رائٹر بھی تھے۔ انھوں نے ۹/ ناول اور کئی کہانیاں لکھیں۔ ۱۹۵۵ء میں ان کے ناول "مرگجل" کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔

۱۹۵۷ء میں جوالا مکھی جس کا انگریزی ترجمہ 'The Volcano' تھا اس کو بھی اترپردیش گورنمنٹ نے انعام سے نوازا تھا۔ اسی دور میں نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا نے اس ناول کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کروایا تھا۔ شیوڑے کی کئی تخلیقات کا ترجمہ گجراتی، ملیالم، کنڑ، تیلگو، سندھی اور مراٹھی میں ہو چکا ہے۔

ہندی زبان وادب کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۶۱۔۱۹۶۰ء میں شیوڑے کو آل انڈیا مہاتما گاندھی ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔

www.urduchannel.in

شیوڑے ہندوستانی تہذیب وروایت کے علمبردار تھے لیکن نئی روشنی سے بھی انہیں گریز نہیں تھا۔ وہ ناگپور سے ایک انگریزی روزنامہ ''دی ناگپور ٹائمز'' کے چیف ایڈیٹر تھے جو ایک زمانے میں اتنا مقبول تھا کہ کوئی اس کا ثانی نہیں تھا۔

اننت گوپال شیوڑے کے بڑے بھائی کی اہلیہ شریمتی اندومتی شیوڑے بھی مراٹھی کی اچھی ادیبہ تھیں۔ انھوں نے غالب کی زندگی پر مراٹھی میں ایک ناول لکھا تھا جو مراٹھی حلقوں میں خاصا مقبول ہوا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مراٹھی میں مرزا غالب پر ناول لکھنے کے لیے اندومتی شیوڑے نے برادر محترم جناب محمد قمر حیات صاحب سے اردو سیکھی۔ محنت ولگن ایسی تھی کہ بہت کم عرصے میں انھوں نے اردو روانی سے پڑھنے کی استطاعت حاصل کرلی جس کی وجہ سے وہ غالب پر ناول لکھ سکیں۔

www.urduchannel.in

اپنی بات

۱۱ر جنوری ۲۰۱۶ء کو ایک سڑک حادثے میں میرا بایاں پیر فریکچر ہو گیا۔ ڈاکٹرز نے مجھے ڈیڑھ ماہ کا پلستر باندھ کر آرام کا مشورہ دیا۔ رشتہ دار، دوست احباب اور خیر خواہ بزرگ حضرات عیادت کو آتے، گھنٹوں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ وقت یوں ہی گذر رہا تھا معًا خیال آیا۔ کہ ”گھر میں وقت گذارنے کے بجائے کچھ کام کیا جائے۔“ تبھی ذہن میں یہ بھی خیال آیا کہ ۱۹۷۴ء میں بی اے فائنل میں انگریزی میں The Volcano نامی ناول پڑھا تھا جس کے مصنف ہندی انگریزی کے معروف ادیب جناب اننت گوپال شیوڑے تھے۔ اس وقت ارادہ کیا تھا کہ اس ناول کا اردو ترجمہ ضرور کروں گا۔ مگر پڑھائی مکمل کرنے کے بعد روزگار کے جھمیلے میں پڑ گیا اور اس کے بعد شادی اور بچوں کی ذمہ داریوں نے یکسوئی کے ساتھ کوئی کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ لیکن ناول کو میں نے اپنی نجی کتابوں میں رکھ دیا تھا۔ جوں ہی پیر کے حادثے کی وجہ سے گھر میں بیٹھنا نصیب ہوا تو پھر سے اس ناول کے اردو ترجمے کا خیال دامن گیر ہوا۔ چنانچہ The Volcano کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ترجمہ بھی کرنے لگا۔ ابھی محض تیس صفحات ہی ترجمہ کر پایا تھا کہ گھر میں گر گیا اس بار بائیں ہاتھ پر مصیبت ٹوٹی۔ ڈاکٹر نے اس پر بھی پلستر باندھ دیا اور مزید ڈیڑھ ماہ کے آرام کا مشورہ دیا۔ اب میں محض بستر کا آدمی بن کر رہ گیا تھا۔ لیکن ترجمہ کے لیے دماغ اور بایاں ہاتھ تو کام میں ہی تھے سو یہ کام نہیں رکا۔ زمانۂ طالب علمی کا پڑھا ہوا ناول عمر کے اس حصّے میں کچھ زیادہ ہی لطف دے رہا تھا۔ پڑھتا تھا اور اسے اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتا تھا۔ کبھی کبھار میں ترجمہ کے کچھ اقتباسات اپنی اہلیہ کو سناتا تو وہ بھی اپنی پسند کا اظہار کرتی جس سے یقیناً تقویت ملتی اور یکسوئی پیدا ہوتی۔ آہستہ آہستہ صحت یاب

www.urduchannel.in

بھی ہو رہا تھا اور اللہ کے فضل و کرم سے ۳۰/ اپریل کو اس لائق ہو گیا کہ بغیر کسی سہارے کے سیڑھیاں چڑھنے اترنے لگا۔ کالج گھر اور سماجی کاموں میں معمول کے مطابق مصروف ہو گیا۔ ترجمے کا کام پھر التوا میں پڑ گیا۔ اہلیہ نے یاد دلایا اور کہا وقت نکال کر اسے مکمل کر ڈالئے۔ ”یہ ترجمہ نہیں طبع زاد محسوس ہو رہا ہے“۔ یہ جملہ مجھے حوصلہ دے گیا۔ پھر یکسوئی کے ساتھ اسے مکمل کرنے کی ٹھان لی۔ نتیجتاً فروری کے مہینے میں جو کام شروع کیا تھا وہ جولائی کے مہینے میں تکمیل کو پہنچا۔ حالانکہ ترجمہ مختلف اوقات میں کیا گیا ہے تاہم کہیں بھی تسلسل یا زبان و بیان کی یکسانیت مجروح نہ ہو اس بات کا خیال رکھا ہے۔ مجھے اپنے استاد محترم مرحوم ڈاکٹر منشاء الرحمن خاں منشاء یاد آ گئے، انہوں نے میری تصنیف ’لبیک‘ پر یہ کہہ کر داد دی تھی کہ ”میاں لبیک تم نے نہیں لکھی بلکہ اللہ نے تم سے لکھوا دی“۔ ٹھیک اسی طرح ترجمہ کا یہ کام اللہ نے مجھ سے لے لیا۔

کہا جاتا ہے کہ ترجمہ نگاری کے لیے زبانوں پر عبور حاصل ہونا ضروری ہے لیکن میں بلا تکلف اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ انگریزی تو کیا اردو ہی مجھے ڈھنگ کی نہیں آتی۔ چونکہ ناول کی پوری کہانی ۱۹۴۲ء کے دوران آزادی کی جدوجہد اور ہندوستانی معاشرے اور ماحول پر مبنی ہے اس لیے انگریزی میں ہونے کے باوجود مجھے انگریزی سے اردو ترجمہ میں کوئی خاص دقت محسوس نہیں ہوئی۔ لفظی ترجمہ سے میں نے اجتناب کرتے ہوئے بامحاورہ زبان استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس طرح سلیس اور رواں دواں انگریزی میں ناول لکھا گیا ہے اسی لہجے اور اسلوب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ میں اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا یہ فیصلہ آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔

برادر محترم جناب محمد خضر حیات صاحب نے میری درخواست پر پورے ناول پر نظر ثانی فرمائی اور نہ صرف پسندیدگی کا اظہار فرمایا بلکہ زبان و بیان کی نوک پلک درست کرنے کی زحمت

www.urduchannel.in

اٹھائی۔ میں صمیم قلب سے بھائی جان کا شکر گزار ہوں۔ ماہنامہ الفاظ ہند کے مدیر ریحان کوثر نے مسودے پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا نیز طباعت کی ذمہ داری قبول کی۔ اسی طرح ماہنامہ قرطاس کے مدیر پروفیسر اشتیاق کامل نے میری کاوش کو نہ صرف بنظر احسن دیکھا بلکہ بعض اچھے مشوروں سے نوازا اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔

عزیزم پروفیسر ڈاکٹر ریشما تزئین صدر شعبۂ اردو ایل اے ڈی کالج ناگپور نے ازاراہ حق شاگردی میرا شناس نامہ ترتیب دیا اور اسے شامل کتاب کرنے پر اصرار کیا اس قدر دانی اور خلوص و محبت کا میں قائل ہوں اور ان کے لیے دل سے دعا گو ہوں۔

پٹیل پرنٹنگ پریس کے مالک جناب انوارالحق پٹیل بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ناول کو انہماک سے اور وقت کا خیال کرتے ہوئے شائع کیا۔ جزاک اللہ

میری بیٹی حمیرہ جبین اپنے شوہر محمد پرویز کے ہمراہ جدہ سعودی عربیہ میں مقیم ہے وہ میری علمی وادبی مصروفیات اور صحت کے متعلق ہمیشہ فکر مند رہتی ہے۔ اس ناول کی تکمیل پر جس طرح اس نے خوشی کا اظہار کیا اس سے دل خوش ہوا اور بے ساختہ دل سے دعائیں نکلیں۔ میری بہت ہی پیاری پوتی ثانیہ الماس، بہو عزیزم عظمیٰ تحسین، بیٹا عزیزی محمد ارشد حیات اور چھوٹا بیٹا عزیزی محمد شاہد حیات کی موجودگی سے گھر جنت نشان بنا رہتا ہے، اس کے لیے میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یہی خوش گوار ماحول میری ادبی، علمی اور تعلیمی کاوشوں کے لیے ممد و مددگار ثابت ہوتا ہے اللہ سب کو خوش و خرّم رکھے۔ جزاک اللہ فی الدارین

احقر

محمد اظہر حیات

ناگپور

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

باب (۱)

آج ابھئے کمار کا دل خوشی سے بلّیوں اچھل رہا تھا۔ وہ خوش کیوں نہ ہوتا آج اس کی شادی ہونے والی تھی۔ وہ لڑکی اس کی شریک حیات بننے والی تھی جسے وہ عرصے سے اپنے من آنگن میں بسائے ہوئے تھا۔ اس سے وہ ٹوٹ کر پیار کرتا تھا۔

ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ لگتا تھا کہ شاید یہ شادی نہیں ہو سکے گی۔ اس کی محبت میں بے شمار رکاوٹیں آرہی تھیں۔ خاص طور سے لڑکی کے چاچا اس کی شادی کی راہ میں سب سے بڑا روڑا بنے ہوئے تھے۔ چاچا برٹش حکومت کے صدر دفتر میں مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بھتیجی ایسے شخص سے بیاہی جائے جو انقلابی نظریات کا حامل ہو۔ ابھئے کمار ناگپور یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد فلسفہ میں پی ایچ ڈی کر رہا تھا۔ ابھئے کمار ہاتھ کا بُنا ہوا کھدّر کا کپڑا پہنتا اور خود کو گاندھی کے نظریات کا حامی ظاہر کرتا تھا۔ ایسا لڑکا مجسٹریٹ چاچا کو کیوں کر پسند آتا۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا داماد اعلیٰ ذات اور کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھنے والا ہو جو ان کے جیسے متمول اور معزز خاندان کو زیب دیتا ہو۔

وجیا ایک بھولی بھالی لڑکی تھی۔ وہ اپنے چاچا کے خیالات و نظریات سے بالکل انجان تھی۔ جب وہ صرف ایک برس کی تھی تو اس کے والد اسے چھوڑ کر سورگ سدھار گئے۔ ماں کی محبت کے سایے میں ابھی پرائمری اسکول تک ہی پہنچی تھی کہ ماں بھی اسے تنہا چھوڑ کر پرلوک سدھار گئی۔ ایسے حالات میں اس کے چاچا اس کے لئے فرشتہ سے کم نہ تھے۔ انہوں نے ہی اس کی نگہداشت کی اور اسے بیٹی کی طرح پالا۔ اسکول اور کالج کی تعلیم بھی انہوں نے بڑے اہتمام سے مکمل کرائی۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی بھتیجی کو اچھا رشتہ آئے گا تو اس کی شادی کر دی

www.urduchannel.in

جائے گی۔ ان کے مطابق بھتیجی کا شوہر آفِشیل کلاس کا ہونا چاہئے۔ اسسٹنٹ کمشنر سے کم درجے کا تو بالکل نہ ہو جو کمشنر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہو گا۔ اس صورت میں دونوں کی زندگی خوش گوار اور باعزت گذر جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر اپنی بھتیجی وجیا کو ایسے افسروں سے ملواتے تھے جن کا تقرر ابھی ابھی ہوا ہے تاکہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرلیں اور یہ پسند شادی کے بندھن میں بدل جائے۔

وجیا کے مجسٹریٹ چاچا کا خیال تھا کہ صحیح معنوں میں ایسا ہو جائے تو گویا انہوں نے اپنا فرض نبھا دیا اور وہ وعدہ پورا کر دکھایا جو انھوں نے اپنے بھائی سے ان کے بستر مرگ پر کیا تھا۔

وجیا کی سوچ بالکل مختلف تھی۔ وہ اپنے چاچا کی دل سے عزت کرتی اور انھیں اپنا محسن مانتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ کیا ہوا ہوتا اگر چاچا اسے اسکول اور کالج میں نہ پڑھاتے اور اپنے گھر میں اپنی بیوی کا خدمت گار بنا کر رکھتے اور جب وہ جوان ہوتی تو اس کی شادی کسی غریب کلرک سے کر دیتے جو زندگی بھر مقروض رہتا اور اس کے قرض کو اتارتے اتارتے ہی اس کی زندگی گذر جاتی۔ لیکن اس کے باوجود چاچا کی یہ خواہش کہ کسی گورنمنٹ افسر سے اس کی شادی ہو، منظور نہیں تھی۔ اس کے نزدیک شادی گڈا گڈی کا کھیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ اس کی پرورش عیش و آرام والے ماحول میں ہوئی تھی۔ پھر بھی اسے اس بات کا احساس تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی ہے جس کے سر سے ماں باپ کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا تھا۔ اس میں اس کا کیا قصور تھا کہ قدرت نے اس کے ساتھ ایسا مذاق کیا۔ اکثر وہ یہ سوچ کر مغموم ہو جاتی۔ اس کی اس محرومی نے اسے کچھ زیادہ حساس اور جذباتی بنا دیا تھا اور کچھ حد تک ضدی بھی۔ شاید یہ خصوصیت اسے اپنی ماں سے ورثے میں ملی تھی۔

وہ ابھئے کمار سے محبت کرتی تھی اور اس کے علاوہ وہ کسی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی

www.urduchannel.in

تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ابھئے ہی اس کا اچھا جیون ساتھی ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ اس کے سہارے زندگی کی لڑائی تنہا لڑ سکتی ہے۔ خواہ اسے اس کے لئے ساری دنیا سے جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ چاچا نے دیکھا کہ وجیا اپنے فیصلے پر اٹل ہے تو وہ بھی بادلِ ناخواستہ نیم رضامند ہوگئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وجیا ضدی اور ہٹ دھرم لڑکی ہے۔ اس کے فیصلے کو بدلنا ناممکن ہے لہٰذا انہوں نے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

وجیا مارس کالج میں سینئیر اسٹوڈنٹ تھی وہ محنتی اور سنجیدہ لڑکی تھی۔ معمولی شکل و صورت والی جسے پاؤڈر اور میک اپ سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس لیے اس کے ساتھی بھی اس کی طرف کم ہی توجہ دیا کرتے تھے۔ اسے صرف لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ اس کی بعض کہانیاں اور نظمیں مقامی رسالوں میں شائع بھی ہوتی تھیں۔ اس کا مطالعہ گہرا تھا خاص طور پر اسے ادب سے دلچسپی تھی۔ وہ کلاس کے بعد اکثر ایک دو گھنٹہ یونیورسٹی لائبریری میں ضرور گذارتی تھی۔

اس کی اس عادت نے اس کی زندگی میں نیا موڑ لا دیا۔ وہ پہلے پہل ابھئے کمار سے اسی لائبریری میں ملی تھی۔ ابھئے چونکہ ایک ریسرچ اسکالر تھا اس لیے وہ اکثر لائبریری میں وقت گذارتا اور کتابوں سے نوٹس حاصل کرتا۔ جب وجیا نے ابھئے کو دیکھا تو اسے اس کے اندر ایک منفرد سنجیدگی نظر آئی اور ابھئے کو بھی وجیا کی کتابوں سے دلچسپی کی عادت نے متاثر کیا۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے سے متعارف ہوئے پھر قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے۔

عام طور پر لڑکیاں پڑھائی میں دلچسپی اسی وقت لیتی ہیں جب امتحان سر پر آتے ہیں۔ ورنہ روزانہ خالی وقتوں میں وہ لائبریری کی بجائے کھیل کے میدان کو ترجیح دیتی ہیں۔ بعض لڑکیاں تو کالج ایجوکیشن کو اچھے رشتہ کی تلاش کا اچھا ذریعہ مانتی ہیں۔ اسی نظریے سے وہ اپنے

www.urduchannel.in

ساتھیوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ عام طور پر سنیچر کے دن کلاس چھوڑ کر دوستوں کے ساتھ فلم دیکھنے یا سیر سپاٹے پر نکل جاتی ہیں۔ بہت کم لڑکیاں کالج میں ایڈمیشن لیتے وقت زندگی کا کوئی مقصد اور ٹارگیٹ رکھتی ہیں اور اس کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔

لیکن وجیا بالکل الگ قسم کی لڑکی تھی۔ اس کے چہرے مہرے میں ایسی کوئی خاص کشش بھی نہیں تھی۔ وہ نہ زیادہ لمبی تھی نہ ہی بہت چھوٹے قد کی۔ اس کا رنگ روپ بھی بس واجبی تھا۔ لیکن اس کی جھیل سی خواب آور آنکھیں اور ریشمی لمبے گھنے بال اس کی شخصیت کو بالکل منفرد اور پروقار بناتے تھے۔ عام طور پر وہ سادہ سفید ساڑی پہنتی جس پر معمولی رنگ کا بلاؤز ہوتا جو اس کی پاکیزہ شخصیت کو بہت زیب دیتا تھا۔ کالج کے لڑکے جو عموماً دوسری لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے تھے انھوں نے بھی وجیا کے ساتھ کبھی ایسی جرأت نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ اس سے فاصلے سے ہی بات کرتے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ گویا وجیا کے باطن کی طرح اس کا ظاہر بھی پاک صاف تھا۔ خاموش مزاجی اور سنجیدگی اس کی پہچان بن گئی تھی۔

ابھئے کمار، وجیا کی ان ہی خوبیوں پر فریفتہ ہوگیا۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں بہت جلد دوست بن گئے اور یہ دوستی دیکھتے ہی دیکھتے ایسی پروان چڑھی کہ محبت میں تبدیل ہوگئی۔ دونوں اکثر خوابوں کے جہان میں اپنی دائمی خوشیوں کو تلاش کرنے لگتے۔ ایک برس بھی نہ بیتا تھا کہ دونوں نے عہد و پیمان بھی کر لیے کہ اگر شادی کریں گے تو ایک دوسرے سے ورنہ یونہی کنوارے رہ کر زندگی کے دن گذار دیں گے۔ یہ خیال وجیا کو اس لیے بھی آتا تھا کہ وہ اپنے چاچا کے مزاج اور پسند کو خوب سمجھتی تھی۔ اس لیے وہ سوچتی تھی کہ شاید ہی چاچا اس جوڑ کو پسند کی نظر سے دیکھیں اور شادی کی اجازت دیں۔ اسے تو یہ ڈر بھی ستاتا تھا کہ کہیں چاچا یہ حکم صادر نہ کر دیں کہ تم ابھئے کو بھول جاؤ کیونکہ اس کی ذات برابری کی نہیں ہے۔ اس وقت وجیا سوچ میں

www.urduchannel.in

پڑجاتی کہ ایسے وقت میں وہ کیا کرے گی؟ شاید وہ اپنے چاچا اور ان کے خاندان کو چھوڑ دے گی پھر کبھی وہ سوچتی، نہیں! وہ چاچا کا دل نہیں توڑ سکتی کیونکہ ان کی وجہ سے ہی تو آج وہ کسی لائق بن سکی ہے ان کے احسانات کا قرض اس طرح چکایا نہیں جاسکتا۔ پھر وہ یہ بھی خیال کرتی کہ حالات موافق ہونے تک ہم انتظار کریں گے اور چاچا کو راضی کر کے ہی دم لیں گے۔

ان باتوں کی بھنک چاچا کو ہوئی تو انہوں نے بہت شدت سے اس کی مخالفت نہیں کی۔ انہوں نے صرف اس رشتے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کے لیے کوئی خاص دلیل یا وجہ بھی نہیں بتائی پھر بہت جلد اپنی رضامندی بھی ظاہر کر دی۔ شاید چاچی نے انہیں راضی کیا ہو۔ اور کہا ہو کہ آخر وجیا پڑھی لکھی جواں عمر لڑکی ہے اس کو اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے۔ پھر ہم کون ہوتے ہیں اس کی پسند پر اپنی مرضی تھوپنے والے۔ اگر ہم نے منع کیا اور کچھ غلط ہو گیا تو ہمیں زندگی بھر پچھتانا پڑے گا۔ اور اس کی ذمہ داری ہم پر آئے گی۔ اس لیے شاید چاچا نے اس معاملے میں سرد مہری اختیار کر لی ہو۔

چاچا ابھئے کو ناپسند بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ لمبا تڑنگا، گورا چٹّا خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کا سراپا خوبصورت، دلکش اور جاذب نظر تھا۔ وہ بہت غریب تھا۔ اس کے والد پرائمری اسکول میں ٹیچر تھے۔ جب ابھئے بہت چھوٹا تھا اس کے والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ اس کی غریب ماں نے اسے پال پوس کر بڑا کیا۔ اس نے بے شمار مشکلات کا سامنا کیا، سب سے بڑی مشکل اس کے لیے غربت ہی تھی۔ وہ گھروں میں کام کر کے کچھ پیسہ کماتی اور معمولی طور سے گذر اوقات کرتی لیکن اسے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کی ہمیشہ فکر رہتی تھی، جیسے تیسے ابھئے کالج تک پہنچ گیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابھئے کا طرز زندگی اب کچھ بدل بھی گیا تھا۔ لیکن وجیا کے لیے یہ سب بے معنی تھا۔ نوجوان ابھئے میں ایک ہی کمی تھی کہ وہ گورنمنٹ

www.urduchannel.in

افسر نہیں تھا جس کے بغیر بقول چاچا زندگی میں کوئی مزہ نہیں تھا اس کے باوجود چاچا نے ان دونوں کی شادی کے لیے اپنی رضامندی ظاہر کردی ۔ اس کے لئے وجیا ان کی بے حد شکرگزار تھی۔

آخر کار ابھئے اور وجیا کی شادی ہوگئی۔ شادی انتہائی سادگی کے ساتھ ہوئی۔ چاچا تو حیرت میں تھے کہ اتنے کم پیسے میں شادی نمٹ گئی۔ دراصل ابھئے ایک سماج سدھارک تھا۔ وہ اکثر لوگوں کو شادی بیاہ پر فضول خرچی سے منع کرتا تھا۔ اور اس کی شادی اس کی بہترین مثال بن گئی۔ وجیا خوشی سے پھولے نہیں سمارہی تھی۔ اس نے جس دن سے ابھئے کو دیکھا تھا اسے دل ہی دل میں اپنا سرتاج تسلیم کرلیا تھا۔ وہ من ہی من اس کی پوجا کرتی اور اس کی محبت میں ہمیشہ شرابور رہتی تھی۔ وہ اس کی خدمت کو اپنی خوش قسمتی سمجھتی۔ اپنے انگ انگ میں اس کی خوشبو محسوس کرتی۔ اس کا دل بھگوان کی اس قدر مہربانی کا شکریہ ادا کرتے نہیں تھکتا تھا۔

ابھئے بھی محبت کی معراج پر پہنچ کر خوشی سے جھوم رہا تھا۔ وجیا سے بے پناہ محبت نے اسے غیر معمولی قوت اور خوداعتمادی بخشی تھی۔ وہ وجیا کو اپنی قوت کا سرچشمہ مانتا تھا۔ اور وجیا بھی اس پر جان نچھاور کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کچھ پانے کے لیے جان کی بازی لگانا اور وہ بھی بلاشرط، دراصل مسرت وشادمانی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس طرح اس کی زندگی خوشی وانبساط سے لبریز ہوگئی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کا خوب خیال رکھتے ۔ کئی موقعوں پر جب دونوں اکیلے ہوتے تب بھی انہوں نے اخلاقی حدود پار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنی پاکیزہ محبت کو امر بنانا چاہتے تھے۔ کیا کوئی گناہ کا تصور کرکے مندر میں پوجا کرنے جاتا ہے؟

جب برہمن اگنی کے اردگرد شادی کے منتر پڑھ رہا تھا اور جوڑے کو ساتھ مرنے جینے

www.urduchannel.in

کا حلف دلا رہا تھا تبھی اچانک خبر آئی کہ جاپان نے برٹش کے دو جہازوں کو سنگاپور میں غرق آب کر دیا۔ گویا جنگ ہندوستان کے دروازے پر کھڑی تھی۔

www.urduchannel.in

باب (۲)

جب شادی کی تمام رسمیں پوری ہوگئیں اور مہمان روانہ ہوگئے، ابھئے کمار نے کہا وجیا! سب سے پہلے ہمیں ماں کا آشرواد لینا چاہئے۔ دونوں ماں کے چرنوں کو چھونے کے لیے جھک ہی رہے تھے کہ ماں نے کہا، نہیں! پہلے گھر کے مندر میں جاؤ اور بھگوان کے آگے ماتھا ٹیکو، آرتی اتارو اور آشِرواد لو۔ اس کے بعد میرے پاس آؤ، بھگوان کی کرپا نے ہی ہمیں یہ اچھے دن دکھائے ہیں۔

نیا شادی شدہ جوڑا گھر میں بنے مندر میں داخل ہوا، وہاں بڑی عقیدت سے گھی کا چراغ جلایا اور پوجا کرنے لگا۔ ان کا دل مسرت سے لبریز تھا اور آنکھوں سے خوشی کے آنسو جھلک رہے تھے۔ وہ اس شادی کو اپنی محبت کی جیت مان کر بھگوان کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر کہہ رہے تھے کہ بھگوان تو کتنا دیالو اور مہربان ہے۔ تیری کرپا کے بغیر ہمیں یہ مسرت بھرا لمحہ کبھی میسّر نہ آتا۔ بھگوان تو نے ہمیں جنموں جنموں کے آشرواد سے نوازا ہے ہم تیرے احسان مند ہیں اور یہی تمنّا کرتے ہیں کہ دوسرے جنم میں بھی ہم اسی طرح ایک دوسرے کا ساتھ نبھاتے رہیں، ہم یک جان دو قالب بنے رہیں اور تیرا شکریہ ادا کرتے رہیں۔ اس کے بعد دونوں نے کافور جلایا، اسے 'نرنجن' (شمع دان) میں رکھا اور آرتی گانے لگے۔ اچانک نرنجن گر گیا اور کافور بجھ گیا۔ وجیا کا دل دھک سے ہوگیا۔ بے ساختہ اس کے حلق سے چیخ نکل پڑی۔ وہ اسے بدشگونی محسوس کر رہی تھی۔ اس کا دل کسی انہونی پر زور زور سے دھڑکنے لگا۔

www.urduchannel.in

باب (۳)

ماں کا آشرواد لینے کے بعد دونوں اپنی خواب گاہ کی طرف چلے گئے۔ اب دلہا دلہن کمرے میں اکیلے تھے۔ تبھی وجیا نے کہا، ''ابھئے! نرنجن (شمع دان) کے گرنے سے مجھے بدشگونی کا خدشہ محسوس ہو رہا ہے۔'' ''ڈرپوک لڑکی۔' یہ کہتے ہوئے ابھئے نے وجیا کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اور کہا، ''اس میں بدشگونی والی کیا بات ہے؟ پوری دنیا سلگ رہی ہے، انسان انسان کو مار رہا ہے۔ حکومتوں کے تخت الٹ رہے ہیں، دنیا کے نقشوں میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور انسانیت بربادی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اب ہمارے ساتھ اس سے زیادہ اور کیا برا ہو سکتا ہے؟''

''لیکن جنگ تو اب بھی ہم سے کوسوں دور ہے''۔ وجیا نے کہا۔ ''لیکن آج کا بدشگونی کا واقعہ تو ہمارے بہت قریب ہے۔ سوچو! اگر ہمارا گھر بسنے سے پہلے ہی اجڑ جائے تو کیا ہوگا؟''

''تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ جنگ ہم سے دور ہے؟'' ابھئے نے پوچھا۔ ''کیا تم نے نہیں سنا کہ جاپان نے سنگاپور پر حملہ بول دیا ہے، گویا اب وہ ہمارا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ ہم محفوظ ہیں اس وقت تک جب تک جنگ یورپ تک محدود ہے۔ لیکن یہ اب تو مشرق وسطیٰ تک پہنچ چکی ہے۔ ہم ہندوستان میں اس کی آہٹ محسوس کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو کس حد تک اس جنگ سے بچا سکتے ہیں؟''

''لیکن ہم ابھی تک جنگ میں ملوث نہیں ہوئے ہیں۔'' وجیا نے بحث کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے قومی رہنما تو کہہ رہے ہیں کہ جب تک ہمیں آزادی نہیں ملتی تب تک ہمارا دیش اس جنگ میں حصّہ نہیں لے گا۔''

www.urduchannel.in

"کیا تمہیں اس کا یقین ہے ؟ برٹش وائس رائے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان کا الحاق گریٹ برٹین سے ہے۔ ہم سے کبھی کسی نے مشورہ نہیں لیا۔ اور نہ ہی انڈین نیشنل کانگریس کے کسی رہنما نے اس کی ہامی بھری ہے۔"

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم برٹش کے غلام ہیں۔ گویا ہر ہندوستانی کی راہیں کانٹوں بھری ہیں۔" ابھئے نے بلا جھجک اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔

"ہر ہندوستانی کی راہیں خاردار نہیں ہیں ابھئے۔" وجیا نے کہا۔

تم کس طرح ان چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کو سمجھاؤ گی جو خود رو پودوں کی طرح پیدا ہو گئی ہیں۔ اور ادھر ہندوستانی افسر جنگ میں ان کی مدد کر رہے ہیں۔ اگر تمام ہندوستانی ان کی مدد سے انکار کر دیں تو مٹھی بھر انگریزوں کو یہاں حکومت کرنا دشوار ہو جائے۔

ہاں تم ٹھیک کہتے ہو! ہمارے ملک کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ ہم ہندوستانی ان غیر ملکیوں کی مدد کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی گرفت ہم پر مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے۔ گاندھی جی کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ ہوا ایسی مخدوش ہے کہ ہم ہندوستانی خاموش تماشائی بنے ہکّا بکّا کھڑے ہیں جبکہ وہ جنگ کے نام پر ہماری عورتوں کے ساتھ بدسلوکی اور بدتمیزی کرتے ہیں۔ ہمارے لبوں پر مہریں لگی ہیں۔ ہمارے قلم پر زنجیریں پڑ گئی ہیں۔ ہم نہ زندہ رہ سکتے ہیں نہ عزت سے مر سکتے ہیں۔ اسی جنگ کو دیکھو، برٹین اور فرانس میں پھول جیسے معصوم و نازک نوجوان اپنی آزادی کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم اتنے بے یار و مددگار ہیں کہ اس انقلاب اور تغیر میں ہم کوئی حصّہ نہیں لے سکتے۔ آج ساری دنیا آئینِ نو کے لئے لڑ رہی ہے اور طرزِ کہن کو اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہے۔ ہم محض اس لیے زندہ ہیں کہ ہمیں مرنے کی اجازت نہیں ہے۔ آخر ہم یہ ذلّت کب تک

www.urduchannel.in

برداشت کرتے رہیں گے ؟ ہندوستان دانشوروں، ولیوں اور سادھو سنتوں کی قدیم دھرتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس پر ایسا دن کبھی نہیں آیا تھا کہ دھرتی اتنی مجبور ہو گئی ہو۔

پورا ملک نہتّا ہے ابھئے۔ پورے ہندوستان میں قبرستان جیسا سناٹا چھایا ہے۔

یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی ہے۔

"کیا ہونے والا ہے ابھئے۔؟"

اب بغاوت ہوگی۔ ہندوستان میں شعلے بھڑک اٹھیں گے اور برٹش ایمپائر کو گھیر لیں گے یہ شعلے۔ بے شمار جانیں تلف ہوں گی۔ لیکن تعمیر کے لیے تخریب بھی ضروری ہے اور یہیں سے ایک نیا ہندوستان نمودار ہوگا اور ہماری ساری قربانیوں کی قیمت وصول ہو جائے گی۔

لیکن کیا ہم یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں ؟ جبکہ ہمارے درمیان لالچی، خود غرض، رذیل اور بے ایمان لوگ موجود ہیں۔

"کون کہتا ہے کہ ہم اس کے لیے تیار نہیں ؟" ابھئے اپنے بستر پر ہی اچھل پڑا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور جس طرح پنجرے میں شیر پھڑ پھڑاتا ہے اسی طرح وہ کمرے میں جلدی جلدی ٹہلنے لگا۔

"گاندھی جی سے زیادہ ہمارے ملک کو اور کون سمجھ سکتا ہے۔ انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ ہم اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ میری طرح لاکھوں ہندوستانی اپنے دیش کے لیے سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار ہیں۔۔ ملک کے لیے جان کی قربانی سے بہتر کیا نذرانہ ہو سکتا ہے"؟

موت کا ذکر سن کر وجیا لرز گئی۔ آج اس کی سہاگ رات ہے اور آج کی رات ہی کیوں موت کی بات ہو رہی ہے۔ اچانک پھر اسے شمع دان گرنے اور کافور کے بجھنے کی بدشگونی یاد آگئی۔ بھگوان! جو بھی کرنا ہے تمہیں اختیار ہے مگر اتنا ضرور کرنا کہ ہمارے ملن کو گہن نہ لگے اور

www.urduchannel.in

ابھئے کو کسی مصیبت میں نہ ڈالنا۔ ابھئے میری زندگی کا اجالا ہے۔ وہ من ہی من میں کہہ رہی تھی کہ اے بھگوان! اس کرن کو ایسا شعلہ بنا جو روشنی کے کام آئے جس سے چار سو اجالا ہو جائے۔ اس کو کون بچا سکتا ہے جو خود اپنے گھر کو جلانا چاہے۔ اسی وقت اس کی نظر شوہر پر پڑی جو بہت مضطرب اور گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

وجیا کو سخت دھچکا لگا۔ اس کی روح تک کانپ گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے ہمّت کر کے ابھئے سے کہا "ڈارلنگ! اب ہمیں سو جانا چاہئے۔ بہت دیر ہو رہی ہے"۔ اسے فکر ہو رہی تھی کہ اگر اس طرح وہ باتیں کرتے رہے تو ساری رات بیٹھے ہی رہ جائیں گے۔

اس کا دل شوہر کی حالت پر پسیج گیا۔ اس نے اس کو اپنی باہوں میں بھینچ لیا، اس کے سر کو اپنے پہلو میں چھپا لیا اور اسے سہلانے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ ابھئے کا سر گرمی سے تپ رہا تھا۔ شاید مسلسل بات کرنے سے ایسا ہوا ہو۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے جذبات کی ساری بندشیں کھل گئی تھیں۔ اس نے اپنی محبت سے شوہر کو سرشار کر دیا۔ خود بھی پیار کے اتھاہ سمندر میں غوطے کھانے لگی اور مدہوش ہو گئی۔ اسی عالم میں اس نے ابھئے کا سر اونچا کیا اور اس پر اپنے لب ثبت کر دئے اور بوسوں کی بوچھار کر دی وہ آج سارا حساب چکتا کر دینا چاہتی تھی۔

ابھئے نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور اسے گود میں بھر کر اس پر برس پڑا۔ اس وقت اس نے اطمینان کا سانس لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر دونوں ایسے سمندر میں موجزن ہو گئے جس کا کوئی اور چھور نہیں تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۴)

جب دسمبر ۱۹۴۱ء میں جاپانی افواج نے برٹش کے دو جہازوں کو سنگاپور میں غرق آب کیا اس وقت ہندوستان نے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ جنگ اس کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ مشرقی ساحل پر زبردست خوف وہراس اور وحشت کا ماحول تھا۔ خاص طور پر بنگال اس سے زیادہ متاثر تھا۔ کلکتہ خالی ہورہا تھا۔ ماحول میں انجان سا سناٹا اور بے اطمینانی چھائی ہوئی تھی۔ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ خود کو بے سہارا محسوس کررہے تھے۔ وہ کچھ کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود کو دوسروں سے کب تک الگ تھلگ رکھ سکتے تھے۔ دنیا انقلاب کی منتظر تھی اور اس کے آثار شروع ہوچکے تھے۔ قدیم زمانہ لد چکا تھا اور نئے زمانہ کی تکلیف دہ آمد آمد تھی۔ ترقی کی اس دوڑ میں کیا ہندوستانی اپنے حصّہ کا کام نہیں کریں گے اور کیا ان کا نام تاریخ کے صفحات پر نہیں لکھا جانا چاہئے؟

پھر انہیں کیا کرنا چاہئے؟ ویسے تو وہ اپنی حیثیت صفر ہی سمجھتے تھے۔ ان کا ملک خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، دقیانوسی رسم ورواج کے تلے وہ دبے ہوئے تھے۔ ایک زمانہ تھا جب دنیا ہندوستان سے روشنی حاصل کرتی تھی لیکن آج اس کی کیا حالت تھی۔ مٹھی بھر انگریز ہندوستانیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک رہے تھے۔ حالانکہ ان کے پاس بھی عظیم رہنما تھے۔ قلم کار، فنکار اور دانشور تک موجود تھے۔ لیکن ان کی کون پرواہ کرتا تھا۔ وہ کس شمار میں تھے۔ وہ تو ایک غلام ملک کے باشندے تھے۔ انگریزوں نے تو حد کردی کہ عوام سے بغیر پوچھے یہ اعلان کردیا کہ ہندوستان جنگ میں اس کے ساتھ ہے۔ جیسے ہندوستانی محض سامان کا بکسا تھے اور ان کی کوئی رائے، کوئی سوچ اور فکر نہیں تھی اور نہ ہی ضمیر نام کی کوئی چیز ان کے پاس تھی۔ دبے

www.urduchannel.in

کچلے رذیل اور بے ضمیروں کو کون پوچھتا تھا اور ان کی کیا حیثیت تھی۔ سفید فام معمولی فوجی زیادہ معزز تھے لیکن اس ملک میں گاندھی کی حیثیت کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ لاچار و مجبور تھے۔ پورا ملک بے جان نظر آتا تھا اور گویا قبرستان سے سناٹے کا ملک پر راج ہو۔ دنیا میں چل رہے ڈرامے میں ہندوستان کیا رول ادا کر سکتا تھا اس کے لیے وہ مضطرب اور بے چین تھے۔ انھیں صرف یہ مغالطہ تھا کہ وہ آزادی اور جمہوریت کے حصول کے لیے جنگ نہیں لڑ رہے تھے۔ انہوں نے محض اس لیے ہتھیار نہیں اٹھائے تھے کہ جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر کے اس کی آزادی پر شب خون مارا۔ کیا یہ خون ریزی پولینڈ کی آزادی کے حصول کے لیے نہیں تھی۔ پھر برطانیہ ہندوستان جیسے عظیم ملک کی آزادی کو کیوں دبا کر بیٹھا تھا۔ جب کہ وہ خون کا ایک قطرہ بہائے بنا انہیں آسانی سے آزاد کر سکتا تھا۔

انگلینڈ محض وعدہ پر ہی ٹرخاتا تھا۔ ہندوستان کب تک اس پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ شاید یہ انگریز ہندوستانیوں کو غدار سمجھتے تھے۔ جب کہ آزادی کی خاطر وہ ہر طرح کے سمجھوتہ کے لیے تیار تھے اور اس کے لیے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے سے گریز نہیں کریں گے۔ یہ تمام دلیلیں بے سود تھیں۔ برٹش حکومت کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھی۔ ہندوستان دنیا میں رونما ہونے والے انقلاب میں اپنا رول ادا کرنا چاہتا تھا لیکن حکومت برطانیہ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ اس کے برخلاف ہندوستانیوں پر ان کا شکنجہ مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا تھا اور سمجھوتے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ حالانکہ انگریز کہہ رہے تھے کہ جنگ کے خاتمہ پر وہ اپنا وعدہ پورا کر دیں گے۔ مگر ہندوستانی کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اب لفاظی ختم کی جائے اور اپنے وعدے کو عملی جامہ پہنائیں۔ لیکن انہوں نے عمل سے گریز کیا اس طرح حکومت برطانیہ اور ہندوستانیوں کے درمیان خلیج اور دوری مزید بڑھ گئی اور ناامیدی اور گھٹن

www.urduchannel.in

میں اضافہ ہونے لگا۔

گاندھی کا خیال تھا کہ اگر یہ گھٹن یونہی طاری رہی تو ہندوستان محض ایک سمادھی بن کر رہ جائے گا صرف اور صرف لاشوں کا ایک دیش۔ اگر ایسا ہوتا تو یہاں کبھی زندگی بحال نہ ہو سکے گی۔ خوف وہراس اور مایوسی ہر طرف پھیل چکی تھی۔ کوئی بھی برٹش حکومت سے پنگا (دشمنی) لینا نہیں چاہتا تھا۔ دوسری طرف کچھ لوگ جنگ میں برٹش کی مدد کرنے کے لیے بے چین تھے۔ خاص طور سے بے روزگار نوجوان اس میں پیش پیش تھے کہ انہیں جنگ کے بہانے کام مل جائے گا۔ تاجر سونے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ گورنمنٹ آفیسر جنگ میں ہر ممکنہ مدد کرنے کے لیے تیار تھے۔ ان کی نظریں محض نوکریوں میں ترقی اور خطاب حاصل کرنے پر تھیں۔ ملک میں مہنگائی آسمان چھو رہی تھی اور خوردونوش کی ضروری چیزوں کا قحط برپا تھا۔ غریب ہندوستانی عوام قحط سالی اور بھک مری کا شکار ہو رہے تھے۔ افراط زر کا راج تھا اور لوگ پیسے کے پیچھے بھاگے جا رہے تھے۔ وہ اتنے گر گئے تھے کہ اناج میں مٹی ملا کر پیسہ کمانے سے بھی چوک نہیں رہے تھے۔ ان کے خیال میں ایسا سنہری موقع انہیں دوبارہ نہیں ملے گا۔ لوگ پیسوں کا ڈھیر لگانے پر تلے تھے کہ نامعلوم کل انہیں یہ موقع ملے نہ ملے۔ پرمٹ، کانٹرکٹ، رشوت اور خوشامد گویا دولت کی لالچ میں ہر طرح کے ہتھ کنڈے استعمال ہو رہے تھے۔ سپاہیوں کے لئے سماج کی عورتوں نے پردہ طاق پر رکھ دیا اور ان کے لیے کینٹین چلانے کے کام میں لگ گئی تھیں۔ ان کے لیے زیورات، اونی کپڑے، بینڈیجز، کتابیں وغیرہ جمع کی جا رہی تھیں، میوزک، ڈانس اور تفریح کے سامان ان کے لیے مہیّا کیے جا رہے تھے۔ آج سپاہی ہی ان کے بھگوان تھے۔ ان کی ہی پوجا کرو اور ان کو خوش کرنے کے لیے ہر کام کرو۔ اس زمانے میں بس یہی جذبہ کارفرما تھا۔ اگر غیر ملکی سپاہی عورتوں کو چھیڑیں تو اسے

www.urduchannel.in

برداشت کرو کیونکہ یہی ان کے چولہوں اور گھر کی حفاظت کرنے والے تھے۔ وہ جتنی بھی بے عزتی کریں انہیں کتنا ہی ذلیل کریں وہ بس خاموش رہیں کیونکہ تمام چیزوں سے زیادہ جنگ کی اہمیت تھی۔ یہ سب تماشا ہو رہا تھا مگر ہمارے شہریوں کا خون کھولنا تو درکنار وہ منجمد اور بے حس ہو گیا تھا۔

گاندھی جی نے اعلان کر دیا کہ پورا دیش قبرستان بن چکا تھا۔ آدمی، آدمی کا دشمن تھا۔ ان کا برتاؤ جانوروں سا تھا، اگر آج اس کی اصلیت اور روحانیت کو نہ بچایا گیا تو اسے کبھی بچایا نہیں جاسکتا۔ اور وہ لوگ جو ہندوستان کو کمزور کرنے کا گناہ عظیم کر رہے تھے انہیں گاندھی جی نے للکارا اور کہا "ہندوستان چھوڑو"۔ حکمرانوں کی جانب سے سب سے پہلا ردعمل تھا "تشدد" گاندھی جی کو کیا ہو گیا تھا؟ کیا وہ پاگل ہو گئے تھے۔ کیا احمقانہ اور بیوقوفانہ حرکت تھی۔ جاپانی فوجیں ہندوستان کے دروازے پر کھڑی تھیں اور گاندھی جی ان محافظوں سے کہہ رہے تھے کہ "ہندوستان چھوڑو"۔ کیا وہ شعلوں میں کودنا چاہتے تھے اور خودکشی کرنا چاہتے تھے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ انگلینڈ ہندوستان کو بچانا چاہتا تھا اور وہ ہر قیمت پر ایسا ہی کریں گے، وہ کس کے لیے ہندوستان کی حفاظت چاہتے ہیں؟ اپنے لیے؟ ہندوستان پوچھ رہا تھا۔

برٹش کا جواب تھا کہ وہ ہندوستان کو جاپانیوں کے چنگل سے بچانا چاہتے تھے۔ جاپانی وحشی اور درندہ صفت تھے۔ ان کے زیر حکمرانی ہندوستانی بے موت مارے جائیں گے۔ جاپانی بحث و تکرار کے عادی نہیں تھے وہ صرف مارنا جانتے تھے۔ وہ ہندوستان کے جانی دشمن تھے۔

گاندھی جی نے کہا "دنیا میں ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے"۔ جاپانی دشمن نظر آرہے ہیں کیونکہ تم (برطانیہ) ہماری سرزمین پر موجود ہو۔ ہم نے کسی ملک کا کیا بگاڑا ہے تو پھر کوئی ہمارا

www.urduchannel.in

دشمن کیونکر ہوسکتا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ جو تمھارے دشمن ہوں وہ ہمارے دشمن بھی ہو۔ ایک بار تم ہندوستان چھوڑ دو ہمارا کوئی دشمن نہ رہے گا۔ اگر کوئی ہوا بھی تو ہم اس سے نپٹ لیں گے۔ تمہیں کیا ہوا ہے اور تم کیوں اس کی فکر کر رہے ہو؟

غیر ملکی حکمرانوں نے اسے سازش اور پیچھے سے وار کرنے کے مترادف بتایا۔ وہ ایک نازک دور سے گذر رہے تھے اور گاندھی چاہتے تھے کہ ایسے وقت میں وہ ہندوستان چھوڑ دیں۔ اگر انہوں نے ہندوستان چھوڑ دیا تو وہ جرمن سے کس طرح لڑ سکیں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ انگلینڈ کے شہر دشمنوں کے بموں کا نشانہ بنیں اور برباد ہو جائیں۔ یا ان کی عورتیں بیوہ ہو جائیں۔ یہ سراسر غدّاری، بے وفائی اور ظلم تھا۔ وہ ہندوستان کو ضرور سبق سکھائیں گے۔ ہندوستانیوں کو ان کے فولادی پنجوں کا مزہ چکھنا ہوگا۔

چرچل نے اعلان کر دیا کہ باغیوں کے ساتھ کوئی مروت نہیں ہوگی۔ اگر ضروری ہوا تو مشین گنوں سے انہیں بھون دیا جائے گا۔ بغیر ظلم و تشدد کے انہیں سمجھ میں نہیں آئے گا۔

بہر حال قومی حلقوں میں گاندھی جی کی تحریروں نے ان شعلوں کو خوب ہوا دی۔ ٹھہرا ہوا آتش فشاں جو ان کے دل میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا باہر نکلنا چاہتا تھا اور بے چین تھا کہ کب پھوٹ پڑے۔

ابھئے کمار، گاندھی جی اور ان کے ساتھیوں کی تحریریں پڑھ کر، تقاریر سن کر بھڑک جاتا اور بے حد جذباتی ہو جاتا تھا۔ وہ وجیا سے کہتا کہ دیکھو! انقلاب نے ہمارے ملک میں بھی دستک دے ہی دی۔ تاریخ ہماری آنکھوں کے سامنے بننے والی ہے۔ یہ زندگی اور موت کی جدوجہد ہے۔ ہم مریں یا جئیں کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم شہاب ثاقب کی طرح

www.urduchannel.in

چمکیں اور گھپ اندھیرے میں گم ہو جائیں۔

"تم کیا کرنے جا رہے ہو ابھئے"۔ وجیا نے پوچھا۔

گاندھی جی کیا کہتے ہیں۔ وہ تنہا شخص ہیں جو قوم کی نبض پہچانتے ہیں۔ ان کے نزدیک نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو ہم شعلوں میں کود پڑیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی دن اس نے گاندھی جی کو ایک خط لکھا۔

"آپ کے دم سے کروڑوں لوگوں کی سانسیں چل رہی ہیں۔ آپ کی دھڑکن ہندوستانی عوام کے دلوں کی دھڑکن ہے۔ صدیوں کے انتظار کے بعد آپ رام اور کرشنا کے اوتار بن کر آئے ہیں۔ آپ کیا جانتے ہیں یہ ہمیں نہیں معلوم لیکن ہندوستانیوں کی آتما کو آپ خوب پہچانتے ہیں۔ ہمیں مارچ کرنے کا حکم صادر کیجئے۔ میری طرح ہزاروں نوجوان اس کے لیے تیار ہیں۔ میں تو بالکل تیار ہوں۔"

گاندھی جی نے فوراً جواب دیا۔ "صبر کرو۔ وقت آرہا ہے۔ آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑیگا"۔

جب گاندھی جی کا خط ابھئے کو ملا تو وہ خوشی سے ناچنے لگا اور چلّانے لگا۔ "وجیا دیکھو گاندھی جی نے خود یہ خط لکھا ہے۔ کتنا خوش قسمت ہوں میں! اس خط کو حفاظت سے رکھو۔ یہ جان سے زیادہ قیمتی ہے"۔

جب اس نے وہ خط اپنی ماں کو دکھایا تو ماں نے کہا "یہ خط مجھے دے دو میں اسے حفاظت سے پوجا والی کتاب میں رکھوں گی"۔

www.urduchannel.in

باب(۵)

۱۴؍ جولائی ۱۹۴۲ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کی وردھا میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں ''Quit India بھارت چھوڑو کی تجویز پاس ہوئی۔ ابھئے بھی وردھا پہنچ گیا وہ قومی قائدین کی قیام گاہ کے آس پاس ٹہل رہا تھا۔ وہ بڑے ادب و احترام اور حسرت بھری نظروں کے ساتھ ان لوگوں کو میٹنگ ہال میں آتے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں جذبات ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ یہاں وہ شخصیات موجود تھیں جو ملک کو اس نازک گھڑی میں جدوجہد کا پیغام دے رہی تھیں اور بھرپور رہنمائی کر رہی تھیں۔ خواہ کیسے ہی حالات ہوں ان کے قدم کبھی نہیں ڈگمگاتے۔ وہ سادگی میں بھی کتنے پروقار اور ثابت قدم نظر آرہے تھے۔ ہاتھ سے بُنے سوتی کپڑے انہوں نے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اس نے ان کے آگے ادب سے اپنا سر جھکا دیا۔

جب میٹنگ کا آخری سیشن اختتام پذیر ہوا تو اس نے آئرن مین آف انڈیا سردار ولبھ بھائی پٹیل کا دیدار کیا۔ وہ گاندھی ثانی شنکر راؤ دیو کے ہمراہ آتے ہوئے نظر آئے۔ اسی وقت آشرم کے ایک ساتھی نے ان سے پوچھا ''کیا ہوا؟'' سردار پٹیل نے جواب دیا۔ ''آخری فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیا!۔۔۔ کیا ہوگا؟ سب کچھ! یہ ہماری آخری لڑائی ہے۔ اس کے لیے ہم سب کو باہر نکلنا ہوگا۔''

ابھئے کمار نے یہ سب اپنے کانوں سے سنا۔ سردار پٹیل کی آہنی قوت ارادی والی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

www.urduchannel.in

باب(۶)

وردھا کے بعد بڑی تعداد میں لوگ ممبئی میں جمع ہوئے۔ یہ دن ۸/اگست ۱۹۴۲ء کا تھا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی آواز پر لوگ گودالیہ ٹینگ (میدان) پر جمع ہوئے۔ یہاں وہ قراردادِ وردھا کو آخری شکل دینا چاہتے تھے۔ مجمع غیر معمولی ٹینشن میں تھا۔ ماحول میں کشیدگی تھی لیکن لوگوں میں جاں سپاری کا جذبہ تھا، جوش و خروش تھا اور سب کچھ نچھاور کرنے کی تمنا تھی۔ خون جو اب تک سرد پڑ چکا تھا دوبارہ اس میں زندگی کی حرارت آگئی تھی۔ قوم خواب غفلت سے آہستہ آہستہ بیدار ہو رہی تھی۔ اور اب تو مکمل طور پر جاگ چکی تھی۔ ہندوستان کچھ کرنا چاہتا تھا اب وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ کیا ہونے والا تھا؟ کوئی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کوئی حرج نہیں! ہونے دیجئے جو ہونا ہے۔ قبرستان سا سناٹا، احمقانہ بے عملی، پتھروں کے گنبد کی سی سرد مہری کو اب ختم ہونا ہی چاہئے۔ ہونے دیجئے! کچھ نہیں ہوتا۔ اگر یہ قوم بربادی کے عمیق گڑھے میں گر جائے اور سلگتے شعلوں میں کود پڑے! کیا حرج ہے؟ دراصل اسی کا نام زندگی تھا۔ اسی کا نام دائمی طاقت تھی اور اسی کا نام حرکت و عمل تھا۔ ممکن ہے اس راستے میں موت کا سامنا کرنا پڑے لیکن حقیقت میں یہ امر بننے کا راستہ تھا۔ کیا تاریخ قوم کے سامنے بننے والی ہے؟

ابھئے کمار آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کرنے ممبئی روانہ ہو گیا۔ وہ مندوبین میں نہیں تھا بلکہ وہ ایک معمولی کارکن کی حیثیت سے وہاں شریک ہونے گیا تھا۔

جب وہ گھر سے روانہ ہو رہا تھا وجیا نے پوچھا، ڈیئر! تم کہاں جا رہے ہو؟

"جہاں انقلاب کے شعلے روشن کیے جائیں گے"۔

www.urduchannel.in

"ابھئے! وہاں کیا ہوگا؟"

"کوئی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ ہماری مجبوری اور بے عملی کا دور اب ختم ہوا چاہتا ہے۔"

"تمھارے پی ایچ ڈی کے تھیسس کا کیا ہوگا ڈئیر؟"

"اب اس کا لکھنا ممکن نظر نہیں آتا وجیا! اب میں اپنی رگ و پے میں ایک نیا جوش محسوس کر رہا ہوں۔ اب میں اپنی زندگی پر ایک تھیسس لکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم کب لوٹو نگے؟"

"مجھے نہیں معلوم! اگر لوٹ آیا تو ضرور تم سے ملوں گا۔ اور اگر نہیں.....!"

"ہاں، ہاں، اگر نہیں لوٹے تو.....؟ وجیا نے کپکپاتی اور لرزتی آواز میں پوچھا"۔

تمھارا کیا مطلب ہے ابھئے؟"

اس کا دم گھٹنے لگا۔

جب شعلہ جوّالہ پھوٹ پڑے گا تو کون کیا کہہ سکتا ہے؟ کون کہاں رہے گا؟ ہر نفس کو اسی آگ میں فنا ہونا ہے اور پھر عناصر خمسہ کے ساتھ اس دنیا میں دوبارہ آنا ہوگا۔

"ابھئے تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ تم تو مجھے ڈرا رہے ہو۔"

"اس میں گھبرانے والی کیا بات ہے؟ ڈرپوک ڈارلنگ۔"

"وقت بلوان ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بھگوان شیو اپنا جلال دکھانا چاہتا ہے۔

اس کا نقارہ بج رہا ہے۔ اس کی آواز پر زمین پہاڑ جھوم رہے ہیں۔ یہ وقت ہے کہ ہم بھی بڑھ کر اس کا ساتھ دینے کی سعادت حاصل کریں۔"

ابھئے اپنی رو میں بس بات کیے جا رہا تھا۔ وجیا کو وقت کا اندازہ بھی نہیں ہوا۔ وہ سمجھ گئی

www.urduchannel.in

کہ اس کا شوہر اب بالکل بدل گیا تھا۔ یہ تبدیلی اس کے جسم کی نہیں تھی بلکہ دل و دماغ کی تھی، روح اور جذبات کی تھی۔ اب وہ پہلے جیسا نہیں رہا بلکہ اب وہ کسی ایسی شکتی کی علامت بن گیا تھا جو بظاہر نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ کوئی اور طاقت تھی جس کے زیر اثر وہ کام کرنے پر مجبور تھا۔ کیا اس کو روکا جا سکتا تھا؟ اس پر کنٹرول کیا جا سکتا تھا؟ کیا گنگا کے بہاؤ پر روک لگائی جا سکتی ہے؟ کیا ہمالیہ کی برفانی چٹانوں کو ڈھانکا جا سکتا ہے؟

ایسے افراد خوش نصیب ہوتے ہیں جن کی ذات قدرت کی روشنی سے منور ہوتی ہے۔ ان کے پاس غیبی طاقت ہوتی ہے انھیں دائمی سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنے خالق کو روبرو دیکھتے ہیں۔ جب گوتم بدھ نے برگد کے سائے تلے ایک روشنی دیکھی ہوگی یا شری رام کرشنا نے پہلے پہل قادر مطلق کو دیکھا ہوگا تو شاید انہیں ایسا ہی احساس ہوا ہوگا۔

جب اللہ کی مہربانی سے ایسے لمحات زندگی میں آتے ہیں تو انسان خوشی سے چلّانے لگتا ہے اور مسرت و شادمانی سے بول اٹھتا ہے کہ ہاں میں نے اسے دیکھا ہے۔ ہاں میں نے اسے محسوس کیا ہے اور اسے حاصل کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں کچھ جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ اس کائنات کے خالق کی مہربانیوں سے اس پر ابدی سکون اور راحت کے دروازے کھل چکے ہوں۔

وجیا کا خیال تھا کہ شاید ابھئے کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ابھئے محسوس کرتا تھا کہ صرف اور صرف گاندھی جی ہی اس دھرتی پر رہنے والوں کے لیے ہمت و حوصلہ کا واحد سرچشمہ اور منبع تھے۔ یہ دھرتی جو اپنے اندر تہذیب و تمدن، قدیم روایات اور رسم و رواج سمیٹے ہوئے تھی۔ یہ ملک بھی کیا خوب ہے۔ ہمالیہ کی سفید برفانی چوٹیوں نے اس کے سر کو صدیوں سے تاج کی طرح سجایا ہے۔

www.urduchannel.in

اسی دھرتی سے تہذیب و تمدن پیدا ہوا جس پر بیش قیمت محل تھے۔ اس کے جنگلوں میں وید اور اُپنیشد کے شلوک گونجتے تھے۔ گنگا جمنا کا نرم و شفاف پانی ایسا لگتا تھا جیسے اس کی گردن میں سونے کی مالا پڑی ہو۔

یہ ایسا دیش ہے جس نے انسانیت کی بقا کے لیے کوئی سمجھوتا نہیں کیا۔ جس نے کبھی تشدد کی راہ نہیں اپنائی اور نہ جس نے کبھی نفرت کو پنپنے دیا۔ اس نے ہمیشہ روحانیت کی قدروں کو پروان چڑھایا۔ جس کی وجہ سے بندے اور خدا کی دوری کو کم کرنے میں ہمیشہ مدد ملی۔ گاندھی جی دراصل بنیادی طور پر ان تمام خوبیوں کی بھرپور نمائندگی کرتے تھے۔ کیا ان کی رگوں میں والمیکی اور ویاس کا خون نہیں دوڑ رہا تھا؟ کیا کبیر اور تلسی داس، گرونانک اور تکارام، میرابائی اور جھانسی کی رانی لکشمی بائی اسی دھرتی کے رتن نہیں تھے۔؟ یہ ہندوستان کی ایک کھلی سچائی اور حقیقت تھی۔ یہ حق کی ایسی عکاسی تھی کہ لوگ اس کے آئینے میں اپنے خواب دیکھتے تھے جن سے ان کو حوصلہ ملتا تھا اور یہ لوگوں کے مرکز نظر تھے اور ان کی نمائندگی کرتے تھے۔ ان کے بیرون میں اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک مٹی کی طرح تھا اور اپنی قسمت اور اپنا آکار خود بنانا چاہتے تھے اور اگر وہ نہ چاہتے تو محض خام مال کی طرح پڑے رہتے، چاہے زمین پھٹ جاتی یا آسمان گر پڑتا۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

اسی طرح ابھئے کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے سر میں ایک ہی سودا تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ گاندھی کی پیروی کرے اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کہیں کہ شعلوں میں کود جاؤ تو بغیر چوں چراں وہ بھی کر گذرے۔ دراصل شعلے میں کود کر ہی آدمی نروان حاصل کرتا تھا، گناہوں سے نجات پاتا تھا اور حقیقت میں زندگی کا یہی جوہر تھا اور اس کے باہر ہونا حقیقت میں موت تھی۔

www.urduchannel.in

وجیا جانتی تھی کہ اس کے لئے اپنے شوہر کو سمجھا پانا یا اسے اس سے باز رکھنا ناممکن ہو چکا تھا اور اب تو وہ اس سے بھی تجاوز کر گیا تھا۔ اس لیے وہ اس کو کار فضول ہی سمجھتی تھی۔ آگ سے اور شعلوں سے کھیلنا اور خطرہ مول لینا اس کے شوہر کی زندگی کا حصّہ بن چکا تھا۔ یہ شعلے ایک تجلی کی مانند تھے اور اس تجلی سے اس کا دل بھی روشن ہو چکا تھا۔ وہ اپنے شوہر پر فخر کرتی تھی اور اس سے ٹوٹ کر پیار کرتی تھی۔ وہ خود کو بڑی خوش قسمت سمجھتی تھی کہ ابھئے جیسا ہیرہ شوہر اس کی زندگی میں آیا۔ اس نے اپنے آپ کو کبھی ادھورا محسوس نہیں کیا۔ وہ سوچتی تھی کہ مال و متاع حاصل کرنے کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ عورت آدمی کے لیے ہی بنائی گئی تھی اور آدمی اس کا محافظ تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ آدمی کی غلام تھی۔ وہ تو اس کی شکتی تھی اس کی کمزوری نہیں۔ پھر بھلا وہ اپنے ابھئے کے راستے کا روڑا کیوں کر بن سکتی تھی؟

لیکن ایک بات تھی جو اس کو اکثر کھٹکتی تھی جس سے وہ فکر مند رہتی تھی مگر اس میں بھی وہ ایک لذّت محسوس کرتی تھی۔ اس کا سارا وجود اس انجان سے شیریں نغمے پر رقص کرتا تھا۔ گذشتہ تین ماہ سے وہ کچھ زیادہ محتاط ہو گئی تھی اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ بہت جلد ماں بننے والی تھی۔ اور یہ نیا مہمان اس کے وجود میں اپنی جگہ بنا رہا تھا۔ اس خبر سے وہ پھولے نہیں سما رہی تھی۔ وہ اپنے اندر نئی توانائی محسوس کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی اس کی زندگی میں قوسِ قزح کی طرح رنگ بھر چکا تھا اور روحانی مسرت و شادمانی کے نغمے سے وہ سرشار ہو گئی تھی۔ اس احساس سے کہ وہ ماں بننے والی ہے وہ خود کو ایسا محسوس کرتی تھی گویا جنت میں پہنچ گئی ہو۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ نئی ذمہ داری کے بوجھ تلے خود کو دبا دبا سا بھی محسوس کرتی تھی۔ حالات اگر سازگار رہے تو فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ ابھئے کو ریسرچ اسکالرشپ تو ملتی ہی تھی۔ اور کچھ اسکول کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر تھوڑا پیسہ پس انداز کیا جا سکتا تھا۔ دونوں کے منع کرنے کے

www.urduchannel.in

باوجود ابھئے کی ماں گھروں میں کام تو کرتی ہی تھی۔ اس سے بھی کچھ آمدنی ہوجاتی تھی ان کے ذرائع بہت محدود تھے اور ان کی زندگی بھی انتہائی سادہ تھی۔ انہوں نے کبھی محسوس ہی نہیں کیا کہ انہیں کسی چیز کی حاجت ہے۔ وہ سوچتی تھی کہ انسان کی ضروریات تو ساتھ ساتھ ہیں پھر اس کی وجہ سے کیوں پریشان ہوا جائے۔ ان کے گھر میں ایک چیز تھی جو عام طور پر گھروں سے عنقا ہوتی جارہی تھی، وہ ہے ان تینوں میں باہمی پیار، محبت اور خلوص۔ وہ ایک دوسرے کے لیے جان بھی دینے کے لیے تیار تھے۔ ان کا گھر جس کی وجہ سے بقعۂ نور بنا رہتا تھا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کی تکلیف کا خیال رکھتا اور ایک دوسرے کے آرام کے لیے اپنا آرام قربان کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔

ابھئے کی ماں اکثر کہتی تھی کہ "جنت آسمان کے اوپر تھوڑی ہے، اور نہ ہی یہ مرنے کے بعد حاصل کی جاسکتی ہے۔ جنت کسی کو دیکھنا ہو تو وہ ہماری اس چھوٹی سی کٹیا میں دیکھ سکتا ہے۔ وہ کہتی میری وجیا انسان کی شکل میں لکشمی سے کم نہیں ہے۔ جب سے وہ اس گھر میں آئی ہے گھر امن اور شانتی کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اب کچھ نہیں چاہیئے بھگوان! تیرا دیا سب کچھ ہے میرے پاس۔ بس تجھ سے ایک ہی التجا ہے کہ میرے ابھئے اور وجیا کو اپنے حفظ وامان میں خوش رکھنا۔ میری تمنّا ہے کہ میں اپنے جیون کی آخری یاترا اپنے بیٹے ابھئے کمار کے کاندھوں پر مکمل کروں۔ اس کے علاوہ میری کوئی خواہش نہیں ہے۔"

ابھئے بھی اپنی ماں پر بڑا ناز کرتا تھا۔ وہ کتنی صابر و شاکر تھی۔ اسی طرح بڑی معاملہ فہم بھی تھی۔ وہ صرف دو برس کا تھا کہ اس کے پتاجی ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہو کر چل بسے۔ تب سے اس کی ماں ہی اس کی پرورش اور تربیت کر رہی تھی اور بھیانک مشکلات میں بھی اس کو پڑھایا لکھایا۔ اس کے پتاجی گاؤں کی ایک اسکول میں ٹیچر تھے۔ انہوں نے ترکہ میں صرف

www.urduchannel.in

۳۰۰روپے چھوڑے تھے جو گاؤں کے پوسٹ آفس میں جمع تھے۔ لیکن اصل پونجی جو انہوں نے اپنی بیوہ اور بچے کے لیے چھوڑی تھی وہ اچھے اخلاق اور خودداری کا خزانہ تھا جس کی وجہ سے وہ زندگی کے تگ ودو میں ثابت قدم رہ سکے۔ ابھئے کی ماں نے زبردست غربت کا سامنا کیا۔ سخت محنت کی اور بعض اوقات تو اسے خفّت بھی اٹھانی پڑی۔ لیکن کبھی اس نے اپنے دل میں اسکی تلخی محسوس نہیں کی۔ یہاں تک کہ نہ صرف بے عزتی بلکہ اس کے ساتھ ناروا سلوک بھی کیا جاتا تھا لیکن وہ سب کچھ نظر انداز کر جاتی اور صرف اور صرف محبت ہی بانٹتی رہتی۔ وہ زندگی بسر کرنے کے لیے اکثر تلخ گھونٹ پی کے رہ جاتی مگر کبھی اپنا توازن بگڑنے نہیں دیتی اُپاس رکھنا تو اس کے معمول میں شامل تھا۔ بارش کے چار مہینوں میں جو تہوار کا بھی موسم ہوتا ماں دن میں ایک ہی مرتبہ کھاتی۔ لیکن اکثر یہ چار مہینے ایک سال تک محیط ہو جاتا لیکن اپنے بچے کے لیے گرم کپڑے اور دودھ دینا اور پیر کو شیوراتری کا اُوپاس رکھنا کبھی نہیں بھولتی۔ یہ کوئی ایک مہینہ یا سال کا معاملہ نہیں تھا بلکہ برسوں سے اس کا یہ عمل جاری تھا اور یہ اس کی روزمرہ زندگی کا معمول بن گیا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کے چہرے پر بہت جلد جھرّیاں پڑ گئیں۔ صرف ۴۵ سال کی عمر میں اس کے بال سفید ہو گئے لیکن اس کو اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اس کے چہرے سے ایک خاص قسم کا اطمینان جھلکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نور کی سی چمک تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں بلا کی کشش اور معصومیت تھی۔ چاہے کیسے ہی حالات ہوں وہ ہمیشہ مسکراتے رہتی۔ اس نے کبھی اپنا آپا نہیں کھویا یہاں تک کہ جب اس کا پتی سورگ واسی ہوا اس وقت بھی اس نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس وقت اسے بہت تعجب اور حیرت ہوئی جب لوگ اسے ارتھی کے ساتھ گھاٹ تک جانے کے لئے منع کر رہے تھے۔ گاؤں کے مکھیا نے بھی اس پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ عورتیں ایسی جگہوں پر نہیں جاتی ہیں۔

www.urduchannel.in

لیکن اس نے کہا نہیں بھائی، مجھے مت روکو! میں تمھارے پیچھے جاؤں گی اور دیکھوں گی کہ میرے شوہر کی آخری رسومات اچھی طرح سے ہوئی ہیں تاکہ اس کی آتما کو شانتی ملے۔

پھر اس نے اپنے دو سالہ بچے ابھئے کو گود میں اٹھایا اور میت کے پیچھے چلنے لگی۔ لوگ گھبرا رہے تھے کہ کہیں وہ اگنی میں کود کر اپنے پتی کے ساتھ ستی نہ ہو جائے۔ اسی وجہ سے اس وقت اس کی نگرانی کے لیے چار آدمی مقرر کیے گیے تھے۔

اس نے ان سے کہا کیا تم پاگل ہو گئے ہو بھائی؟ کیا تم سوچتے ہو کہ اس بچے کو تنہا چھوڑ کر میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گی۔؟ کیا احمقانہ بات ہے۔

جب ارتھی کو اگنی دی گئی وہ ایک پیپل کے درخت کے نیچے ایک دم بت کی طرح بیٹھی رہی اور اپنی کھلی آنکھوں سے ساری رسومات دیکھتی رہی۔ اس کا بچہ معمولی کپڑوں میں زمین پر قریب ہی بیٹھا تھا۔ اسے تھوڑا تھوڑا سمجھ رہا تھا کہ اس کی دنیا اب بدل چکی تھی۔

پھر اس نے ابھئے کی پرورش و پرداخت میں ساری قوت جھونک دی۔ اس نے اس کو تعلیم سے آراستہ کیا حالانکہ وہ خود معمولی تعلیم یافتہ تھی۔ صرف دو یا تین کلاس ہندی پرائمری اسکول تک ہی وہ پڑھی تھی۔ لیکن اس کے پتی ہیڈ ماسٹر تھے اس لیے ان کی صحبت میں اس نے رامائن اور بھگوت گیتا جیسی مذہبی کتابیں پڑھنا سیکھ لی تھیں۔ ابھئے نے دراصل اپنی ماں سے ہی دیش بھکتی کا سبق بچپن سے ہی سیکھا تھا اس لیے وہ اپنے دھرم اور سنسکرتی سے پیار کرتا تھا۔ گویا اس کی ماں اس کی روحانی طاقت کی علامت تھی۔ وہ اپنی ماں پر دیوی کی مہربانی اور کرپا محسوس کرتا تھا۔

ماں نے شاید گاندھی جی کو صرف ایک بار دیکھا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ رام اور کرشنا کے اوتار تھے۔ بھگوت گیتا میں صاف لکھا تھا کہ جب کبھی دھرم سنکٹ میں آئے گا تو الگ الگ زمانے میں رام اور کرشنا بار بار پرکٹ ہونگے، جنم لیں گے۔

www.urduchannel.in

ماں ابھئے سے کہتی تھی، ”بیٹا دیکھ! گاندھی جی بھگوان کے اوتار ہیں۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ ان کے عہد میں جی رہے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ واحد شخصیت ہیں جو ہمارے دیش کو بچا سکتے ہیں اور اس کے سنہری دور کو لوٹا سکتے ہیں۔ اگر تم ان کی سیوا کروگے تو سمجھو کہ تم نے بھگوان کی سیوا کی“۔

ابھئے کی ماں نے گاندھی جی کی طرح چرخہ بننا شروع کردیا۔ وہ اپنے کپڑے اپنے ہاتھوں سے بُنتی تھی۔ اس سوتی کپڑے سے ابھئے کے لیے کرتا پائجامہ بنایا جاتا تھا۔ وہ روزانہ گیتا کا پاٹھ پڑھتی اور رام دُھن گاتی جو گاندھی جی کو سب سے زیادہ پسند تھی۔ ”رگھوپتی راگھوراجارام، پتیت پاون سیتارام“۔

ابھئے اپنی ماں سے حد درجہ متاثر تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ گاندھی جی کا دیوانہ تھا۔ سیواگرام، جہاں گاندھی جی رہتے تھے اس کے گاؤں سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ وہ سال میں ایک یا دو بار ضرور وہاں جاتا تھا۔ اور اس کو وہ مذہبی یا دھارمک یاترا سمجھتا تھا۔ کالج کے بحث و مباحثہ میں حصّہ لیتا یا پھر کالج میگزین کے لیے کوئی مضمون لکھتا تو وہ گاندھی جی کے نکتہ نظر کو پیش کرنے سے نہیں چوکتا تھا۔ وہ گاندھی جی کا ہفتہ روزہ اخبار ’ہری جن‘ کا پابندی سے مطالعہ کرتا تھا۔ گاندھی جی پر برٹش امریکن اور فرانس کے مصنفین اور دانشوروں کے مضامین وہ یونیورسٹی لائبریری میں تلاش کرکے پڑھتا۔ وہ گاندھی جی کی آئیڈیالاجی کو گھول کر پی چکا تھا۔ اس نے کبھی گاندھی جی سے ملنے کی خواہش نہیں کی اور نہ ہی ان سے کچھ حاصل کرنا چاہا۔ اس کے خیال میں یہ تضیع اوقات تھا۔ اس کے دل میں کسی قسم کا کوئی شبہ یا شک نہیں تھا۔ گاندھی جی کے خیالات اور ان کی تحریک کو وہ پوری طرح اپنے دل و دماغ میں اتار چکا تھا۔ گاندھی جی کے ایک ایک لفظ پر وہ یقین کرتا تھا۔

www.urduchannel.in

ابھئے سرکاری نوکری کرنا بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ صرف یونیورسٹی میں ریسرچ کرنا چاہتا تھا یا پھر کسی پرائیوٹ کالج میں لکچرر بن کر زندگی گذارنا چاہتا تھا۔ اس سے جو وقت بچ جائے تو وہ اسے خدمت خلق میں لگانا چاہتا تھا۔ اسے پڑھانے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ کچھ بھی پسند نہیں تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۷)

۱۹۴۲ء ابھئے کمار کے ریسرچ کا آخری سال تھا۔ اس کو پوسٹ گریجویٹ اسکالرشپ مل رہی تھی علاوہ ازیں وہ مجسٹریٹ چودھری کے لڑکے کو ٹیوشن بھی پڑھادیا کرتا تھا۔ وہاں سے بھی اسکو اتنا مل جاتا تھا کہ اسکالرشپ ملا کر اس کی فیملی کی گذراوقات ہوجاتی تھی۔ اور اس کی فیملی میں کوئی بھی پیسہ کی طرف بھاگنے والا نہیں تھا۔ ابھئے اور اس کی ماں کم خرچ میں گذر بسر کرنے کے عادی تھے۔ لیکن حقیقت میں وجیا پر تعجب ہوتا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اس ماحول میں کیسا ڈھالا۔ جبکہ وہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ اپنے چاچا کے گھر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرچکی تھی لیکن اب قیمتی ڈنر سیٹ، شاندار فرنیچر، کپڑے، کلب، سنیما، اعلیٰ سماجی زندگی وغیرہ اس کے لئے بے معنی تھے اور اسے ان میں کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ اب اس کے لئے صرف اور صرف ابھئے تھا۔ اس نے خود کو اس کے لیے وقف کردیا تھا۔ اب اس کی ذاتی خواہش بھی کچھ نہیں تھی۔ چھوٹے چھوٹے تین کمروں والا مکان اس کے لیے جنت جیسا تھا۔ حالانکہ اسے زمین پر سونا پڑتا تھا مگر اسے کچھ بھی ملال نہیں تھا۔ کبھی گھر میں دال نہیں تو کبھی سبزی نہیں ہوتی، دودھ اکثر نہیں ہوتا اور گھی تو مشکل سے ہی ملتا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے کبھی شکوہ زبان پر نہیں لایا۔

یہ سب دیکھ کر ابھئے کو بعض اوقات سخت تکلیف ہوتی۔ وہ کہتا وجیا، تم ان تکلیفوں کی عادی نہیں ہو لیکن تمہیں یہ سب برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

"ایسا کون کہتا ہے؟" وہ سختی سے اس کی مخالفت کرتی۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے، میرے چاچا کے گھر کی زندگی تو محض تصنّع بناوٹ والی زندگی تھی۔ کھاؤ پیو اور مست رہو۔ بکواس کرو اور

www.urduchannel.in

سوجاؤ، کاہلوں اور بے عملی والی زندگی گذاردو۔ یہ زندگی نہیں ہے! یہ گھاس پھوس کی طرح ہے۔ زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ کچھ حاصل کرنے کا عزم نہیں ہے۔ انہیں کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں وہاں پڑے پڑے برباد ہوجاتی۔ لیکن یہاں میں زندگی میں حرارت محسوس کررہی ہوں۔ واقعات و حادثات سے بھری زندگی، قوت بخش زندگی۔ مجھے یہاں کتنا پیار، سکون اور خوشی ملی ہے۔ تمھاری ماں کی شکل میں مجھے میری اپنی ماں مل گئی جس کو میں نے بچپن میں کھودیا تھا۔ اور تم! تمھارے جیسے شوہر کے لیے کون عورت ہوگی جو اپنی جان کی بازی نہ لگادے۔

ابھئے ان گہرائیوں کو پاگیا۔ تم سچ میں ''پریہ درشنی'' ہو وجیا! تم ہر بات میں اچھا پہلو ڈھونڈھ لیتی ہو۔، تم سے شرافت ٹپکتی ہے۔ واقعی تمھارے آنے سے ہمارا گھر خوشیوں سے بھر گیا ہے۔

تینوں آپس میں بحث کرنے لگتے کہ ہم میں سے کون سب سے زیادہ خوش قسمت ہے۔ واقعی یہ بڑا خوش و خرّم خاندان تھا جو خوشی وانبساط اور سکھ شانتی کا گہوارہ تھا۔

۹/ اگست ۱۹۴۲ء کو برٹش گورنمنٹ نے ہندوستانیوں کے مسئلہ کو حل کرنے کی ایک اور کوشش کی۔ ہندوستانی لیڈرز بھی باعزت سمجھوتا چاہتے تھے۔ کرِپس مشن ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ بات چیت، گُفت وشنید اور پوچھ کھوج کا سلسلہ شروع ہوا۔ دہلی اس کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اخبارات میں اس مشن کی ایک ایک خبر تفصیل سے شائع ہورہی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں دوسری کوئی خبر نہیں تھی۔ تمام لوگوں کی نظریں بس دہلی پر مرکوز تھیں۔

ایک شام ابھئے ریڈیو سن رہا تھا۔ خبر آئی کہ سمجھوتہ ہوگیا۔ وہ بھاگتے ہوئے ماں کے پاس گیا اور چلّایا ''ماں، سمجھوتہ ہوگیا اب ہماری زندگی بدل جائے گی''۔

www.urduchannel.in

ماں نے پوچھا، "کیسا سمجھوتہ ابھئے!"

ہم ہندوستانیوں کا مسئلہ، ابھی ابھی میں نے ریڈیو دہلی سے خبر سنی ہے کہ تمام باتیں طے ہوگئی ہیں صرف دستخط ہونے باقی ہیں۔ اب ہم اپنے مقصد سے بہت دور نہیں ہیں۔

تم بول رہے ہو اس لیے میں اسے مان لیتی ہوں لیکن خون اور آنسوؤں کے نذرانے کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور یہ ملک ابھی تک ان راستوں سے نہیں گذرا ہے۔ پھر کیا تم صرف ہاں کہنے پر آزادی حاصل کرسکتے ہو؟ یہ گورے لوگ سات سمندر پار سے یونہی نہیں آئے ہیں۔ کیا اتنی آسانی سے صبح صبح وہ ہمارے ملک کی آزادی کا اعلان کردیں گے؟ میں نہیں سمجھتی کہ ان پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

اور واقعی ماں کی سوچ بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ دوسری صبح خبر آئی کہ بات چیت ناکام ہوگئی۔ اور مشن کے ممبران روانہ ہونے کی تیاری میں تھے۔ گاندھی جی محو حیرت تھے اور ان کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۸)

پورے ملک میں ہیجان اور ہنگامہ برپا تھا۔ لوگ سمجھ رہے تھے کہ برٹش گورنمنٹ جبر وتشدد کی پالیسی اپنانا چاہتی ہے اور ہمارے لیڈرز صبر کی تلقین کررہے تھے۔ لیکن ان کی پوری نظر حالات پر تھی۔ اسی کے مطابق وہ اپنی حکمت عملی طے کریں گے۔ ملک بھر میں جلسے ہورہے تھے جس میں ہمارے لیڈرز کرپس سمجھوتے کی ناکامی کی وجوہات کی وضاحت کررہے تھے۔ ملک میں ۶/اپریل کو قومی ہفتہ منایا گیا اور ۱۳/اپریل کو جلیانوالہ باغ قتل عام ہوا۔ ۱۸/جون کو جھانسی کی رانی لکشمی بائی کی برسی پر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس طرح عوام میں بیداری کی لہر دوڑ گئی تھی کانگریس کمیٹی عملی میدان میں سرگرم ہوگئی تھی۔ عوامی سطح پر جلسے ہورہے تھے، جلوس نکالے جارہے تھے گویا عوام میں جوش و خروش پورے شباب پر تھا اور محسوس ہوتا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوکر رہے گا۔

گاندھی جی بار بار دہرا رہے تھے کہ 'انگریزوں بھارت چھوڑو' پورا ملک اس آواز میں آواز ملا رہا تھا، پورے ملک میں یہی نعرہ گونج رہا تھا 'بھارت چھوڑو'۔

برٹش آفیسرز بھی حرکت میں آگئے تھے۔ ملک بھر میں سی آئی ڈی آفیسرز کا جال بچھا دیا گیا تھا۔ فوج، پولیس اور جیل میں آفیسرز کی بھرتی شروع تھی۔ گورنمنٹ سرکولر خفیہ طور پر ملازمین کو جاری کردیے گئے تھے کہ اگر کسی نے بھی کام میں ذرا بھی کمزوری یا ڈھیل دکھائی تو اس کیساتھ سختی برتی جائے گی اور اس کے خلاف وطن دشمنی اور غداری کی دفعہ لگائی جائے گی۔ بہت کم ہندوستانیوں نے خلاف ورزی کی ہمت دکھائی۔ زیادہ تر لوگوں نے پالیسی کی حمایت کی۔ بندوقوں کو تیل پلایا گیا اور ان کی صفائی کی جانے لگی۔ جوتوں کو نئے سول لگائے گئے اور جیل

www.urduchannel.in

خانوں کو سفیدی لگا کر تیار کیا گیا۔

ایسے ماحول میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ممبئی میں منعقد ہوا۔

سردار پٹیل کی تقریر نے لوگوں کے دلوں میں ایک آگ سی بھر دی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی دھواں دھار تقریر فرمائی۔ پنڈت نہرو تو گویا آگ کا گولہ تھے۔ لیکن ابھئے کمار کو جس شخصیت نے متاثر کیا وہ گاندھی جی تھے۔ وہ ہمیشہ پھولوں کی طرح نرم گفتگو کرتے تھے لیکن آج ان کے لہجے میں بھی فولاد جیسی سختی نظر آرہی تھی۔ انہوں نے بڑی ہی آسان ہندی میں تقریر کی۔

گاندھی جی نے کہا "میں ملک میں امن چاہتا ہوں۔ لیکن شمشان کا سا سناٹا نہیں چاہتا۔ تم انگریز لوگ ہندوستان نہیں چھوڑو گے۔ تم چاہتے ہو کہ ہندوستان تمھارا دم چھلّہ بنا پھرے اور تمھارے لیے جنگ میں خوں بہائے اور تمھاری ہر طرح مدد کرے اور اس کے بدلے میں تم اسے پھوٹی کوڑی بھی نہ دو۔ تم اپنے کاندھوں پر ہندوستان کا لاشہ لیے پھرتے ہو اس کے بھروسے تم یہ جنگ کبھی نہیں جیت سکتے۔ تم اس لاشے کو پھینک دو تو تم خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرو گے۔ یہاں تک کہ ممکن ہے کہ یہ لاشہ ہی تمھاری طرف سے لڑنے کھڑا ہو جائے۔ لیکن تم ایسا نہیں چاہتے۔ تم خطرے میں ہو تو چاہتے ہو کہ ہم بلا شرط تمھاری حمایت کریں اور ہم اپنے مستقبل کے بارے میں سوچیں تک بھی نہیں۔ تم کہتے ہو کہ بعد میں دیکھ لیں گے۔ لیکن ابھی کچھ نہ کریں۔ میں اس پر قائم ہوں کہ ہم کریں گے یا مریں گے۔ اگر کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا میں اکیلا ہی چل پڑوں گا کیوں کہ مجھے پورا اطمینان ہے کہ اس کے سوا کوئی چارا نہیں ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کے تمام تر ذمہ دار تم ہوگے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں اپنے قدم پیچھے لینے والا نہیں ہوں"۔

www.urduchannel.in

گاندھی جی کے لفظ لفظ پر ابھئے کمار ہمہ تن گوش تھا۔ جو بالکل واضح اور طاقت ور تھے۔ یہ الفاظ ان کے اندر کی آواز تھے جو پوری قوت کے ساتھ نکل رہے تھے جس میں کوئی جھجک کوئی کمزوری اور کوئی ابہام نہیں تھا۔ گاندھی جی اخلاقی اور روحانی قدروں کی ایک جیتی جاگتی مثال بن گئے تھے جو ہندوستان کی روح تھی۔ ابھئے کمار جوش و جذبات سے بے قابو ہو رہا تھا۔

گاندھی جی نے ایک بات مزید کہی تھی جس کی وجہ سے ابھئے سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور تھا۔ انہوں نے کہا تھا:

"میں جو سوچتا ہوں اور جو مشورہ دیتا ہوں اس میں صرف ہندوستان کی ہی بھلائی نہیں ہے بلکہ پوری دنیا کی عافیت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سب سے ہمارے دوستانہ تعلقات ہوں، خواہ وہ برٹش گورنمنٹ ہو یا پھر وہ ممالک جو اس جنگ میں شریک ہیں۔ دنیا بربادی کے عمیق غار کے دہانے پر کھڑی ہے یہ دیکھ کر مجھے سخت اذیت ہو رہی ہے۔ انسان اخلاقی اعتبار سے جانور سے زیادہ بدتر ہے۔ وہ چیزیں جو مجھے زندگی میں زیادہ عزیز تھیں آج ان کے لیے خطرہ لاحق ہے۔ ان حالات میں، میں کس طرح تشدّد کی وکالت کر سکتا ہوں۔ دنیا کو تشدد سے برباد ہوتے ہوئے خود کو بے یار و مددگار محسوس کر رہا ہوں۔ اگر میں کچھ نہ کر سکا تو میرا بھگوان مجھ سے پوچھے گا۔ بے وقوف میں نے تجھے قیمتی ہتھیار دیا تھا اس کا تو نے استعمال کیوں نہیں کیا جبکہ دنیا کو اس کی زیادہ ضرورت تھی۔ کیا تو نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی؟ اس وقت میں کیا جواب دوں گا۔ یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاؤں گویا 'کرو یا مرو' کی پوزیشن ہے۔ میں صرف ہندوستان کی ترقی نہیں چاہتا بلکہ پوری دنیا کی فلاح و بہبود میرا مقصد ہے۔ میں پوری دنیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ تشدد کا راستہ غلط ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ لیکن میں دنیا کو کس طرح بتا سکتا ہوں جبکہ میں خود اپنے ملک میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میرا ملک جو میری

www.urduchannel.in

تجربہ گاہ ہے۔ اس کا آزاد ہونا بہت ضروری ہے تب ہی میں دنیا کو بتا سکتا ہوں کہ تشدد چھوڑ دو تب دنیا ضرور سنے گی۔ لیکن آج میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں خود کو اپاہج محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن میں اب زیادہ دیر تک اس طرح مجبور نہیں رہ سکتا۔ میں انگریزوں کا دیرینہ دوست ہوں اگر وہ اپنا دل ٹٹولیں گے تو مجھے اپنا محسوس کریں گے۔ میں جو کچھ بھی مشورے دے رہا ہوں ان کی بھلائی کے لیے ہیں اگر وہ اسے قبول کرتے ہوئے ہندوستان کو آزاد کردیں تو دنیا کے حالات یکسر بدل جائیں گے۔ جادو کی مانند جنگ کا رخ بھی تبدیل ہو جائے گا۔ میری لڑائی صرف ہندوستان کے لیے نہیں ہے بلکہ دنیا کی بھلائی اور فلاح کے لیے ہے۔ اگر وہ میری باتوں پر دھیان نہیں دیتے تو میرے پاس بھی زیادہ وقت نہیں ہے۔ دنیا میں بڑھتے ہوئے ظلم و تشدد میں اضافہ ہو رہا ہے اور میں زیادہ دیر تک خاموش تماشائی بنا نہیں رہ سکتا۔ عدم تشدد پر میرا یقین ہے اور اگر مجھے پکارا جائے گا تو میں بھڑ جاؤں گا چاہے اس میں میری جان چلی جائے۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے"۔

ابھئے کمار گاندھی جی کی اس تقریر کو کبھی بھلا نہیں سکا۔ جس انداز میں انہوں نے تقریر کی۔ جس شخص کی گفتگو پھول کی طرح نرم و نازک ہوتی ہو وہ آج فولاد کی طرح سخت ہو چکا تھا۔ انسانوں کا جم غفیر پنڈال میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ گاندھی جی کا ایک ایک لفظ لوگوں کو مسحور کر رہا تھا اور رات کی خاموشی کو گویا چیرتا ہوا نکل رہا تھا۔ یہ ہندوستان کی روح تھی جو ان سے بات کر رہی تھی۔ اس کی اہمیت و افادیت کو ہر شخص محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہم منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ ایسے لمحات تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتے ہیں اور اپنے نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی مثالیں شاذ و نادر ہی ملیں گی کہ کسی ایک شخص کی تقریر سے انقلاب کی آگ روشن ہو گئی ہو۔ ابھئے سوچ رہا تھا کہ گاندھی جی کی تقریر دراصل ایسی

www.urduchannel.in

ہی تقریروں میں سے ایک تھی۔ وہ اندر ہی اندر اضطراب و ہیجان محسوس کر رہا تھا۔ کوئی غیبی طاقت اسے اس گہرائی کی طرف کھینچ رہی تھی۔

یہ گاندھی جی کس قسم کے شخص تھے؟ ابھئے سوچ رہا تھا۔ کیا یہ خود بھگوان تھے یا بھگوان کے اوتار تھے؟ ابھئے کچھ بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ دنیاوی اعتبار سے ان کے پاس کوئی بڑی طاقت نہیں تھی سوائے ان کی لاٹھی اور کمر سے بندھا ایک کپڑا۔ یہ ان میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنا گھر محض اس لیے جلایا تاکہ دوسروں کے گھروں کو روشن کر سکیں۔ انہوں نے اپنی زندگی تیاگ دی تاکہ دوسروں کو زندگی مل سکے۔ ان کا دل انسانیت کے لیے تڑپتا تھا۔ ان کے اندر قوم کی روحانی بھوک کو مٹانے کی شکتی تھی۔ ان کی سانسوں میں ہندوستانیوں کی سانسیں سمائی تھیں۔ انکے دل کی دھڑکنوں میں پوری قوم اپنی دھڑکن محسوس کرتی تھی۔ گویا سارا ملک ان کے اندر سما گیا تھا اور سارے دکھ درد اس ایک شخص کے اندر سما گئے تھے۔ گاندھی جی صرف انسان نہیں تھے بلکہ قدرت کا نادر تحفہ تھے۔

ابھئے اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا تھا کہ وہ اس دور میں پیدا ہوا جہاں اسے گاندھی جی جیسی عظیم شخصیت کو بچشم خود دیکھنے کا موقع نصیب ہوا جس پر آنے والی نسلیں بھی اس پر فخر کریں گی۔

ابھئے کمار نے ان کی تعظیم میں سر تسلیم خم کر دیا۔ اسے خود پتا نہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

www.urduchannel.in

باب(۹)

۸/اگست ۱۹۴۲ء کی وہ اندھیری اور بدقسمت رات تھی جب بمبئی کی گلیوں میں پولس والوں کے جوتے بجنے لگے۔ پولس گاڑی کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اس رات میں تمام بڑے لیڈر بشمول مہاتما گاندھی، سردار پٹیل، جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبران گرفتار کر لیے گئے۔ انہیں اسپیشل ٹرین سے بھیج کر پونا اور احمد نگر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ عوام اپنے لیڈروں کی گرفتاری سے پریشان اور مشتعل ہو رہے تھے۔

گوالیا ٹینک کے قریب میدان میں جھنڈے کو سلامی دی جانے والی تھی۔ اسے پولس نے منسوخ کر دیا۔ بھیڑ کو منتشر کرنے کے لیے آنسو گیس کے گولے چھوڑے گئے۔ یہاں تک کہ پولس نے ۲۲ یا ۲۳ مرتبہ گولیاں داغیں۔ بسوں کو آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ ریلوے لائن توڑ دی گئی۔ ٹیلی گراف وائر کاٹ دئے گئے۔ یہ سب اس وقت ہو رہا تھا جب عوام کی رہنمائی کے لیے کوئی بڑا لیڈر موجود نہیں تھا۔ صرف ایک شخص تھا جو عوام کی نبض بخوبی سمجھتا تھا وہی ان کو کنٹرول کرنے کا ہنر جانتا تھا لیکن وہ شخص جیل میں قید تھا۔

ملک میں ظلم و تشدد اور انتشار پھیلانے میں انگریز حکومت کی خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مزید ظلم و جبر سے کام لیتے ہوئے بڑی بے رحمی اور سختی سے اس کو دبانا چاہا تاکہ ہندوستانی برسوں تک دوبارہ سر اٹھا نہ سکیں اور وہ ولایتی سنگینوں کی نوک پر ہندوستان پر راج کرتے رہیں۔

لیکن لگتا تھا کہ اس وقت ہندوستانی عوام بھی مصمّم ارادہ کیے ہوئے تھے۔ وہ فوج سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ جبکہ پولس بڑی تعداد میں موجود تھی جو معمولی اشارے پر

www.urduchannel.in

فائرنگ کے لیے تیار کھڑی تھی۔ ایک بندوق سے دو سے چار لوگوں کو نشانہ بنانا ان کے لیے عام بات تھی۔ کوئی دن نہیں گذرتا کہ انسانی خون کی ہولی نہ کھیلی جاتی ہو۔

انگریز فوج کی بے رحمی اور ظلم وستم نے لوگوں کو مزید مشتعل کر دیا اور وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ انہوں نے پولس اسٹیشن پر حملہ بول دیا۔ سرکاری خزانوں کو لوٹ لیا۔ سرکاری ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ گورنمنٹ آفسوں اور کورٹ کی بلڈنگوں کو آگ کے حوالے کر دیا گیا کیونکہ ان کی دانست میں یہ عمارتیں ولایتی حکومت کی علامت تھیں۔ کچھ واقعات ایسے بھی تھے جہاں گورنمنٹ ملازمین کو قتل بھی کیا گیا۔ پلوں کو توڑا گیا اور ریلوے لائن کو اکھاڑ پھینکا گیا۔

انگریز گورنمنٹ نے ردّعمل کے طور پر جوابی حملہ کیا۔ ظلم و جبر کی چکّی میں عوام پس رہے تھے۔ گاؤں کے گاؤں ملٹری کے قبضہ میں تھے۔ سپاہی گھروں میں گھستے اور جو کچھ اناج یا قیمتی سامان ہاتھ لگتا اسے لے کر بھاگ جاتے۔ تمام نوجوان مرد گرفتار کر لیے گئے تھے اور نوجوان لڑکیوں کو سنگینوں کے سایے میں گلیوں میں گھمایا جا رہا تھا۔ بعض جگہوں سے عورتوں کی عصمت دری کی خبریں بھی آ رہی تھیں۔

اس ماحول میں گاندھی جی کے ماننے والے حالات پر نظر رکھے ہوئے تھے، ان کی کوشش تھی کہ کسی بھی حال میں عوام تشدد پر آمادہ نہ ہوں۔ اگر وہ مرنا چاہتے ہیں تو انہیں مرنے سے نہ روکا جائے۔ دشمنوں پر انگلی بھی نہ اٹھائی جائے۔ انہیں غصّہ کی نظر سے نہ دیکھا جائے اور نہ ان کے لیے دلوں میں نفرت رکھی جائے۔

لیکن ملک کی بڑی جماعت کا کہنا تھا کہ گاندھی جی کا نعرہ 'کرو یا مرو' کا ہی اثر تھا کہ لوگ سب کچھ کرنے کے لیے تیار تھے اور کچھ بھی چھوڑنے پر راضی نہیں تھے۔ چاہے ان کی موت

www.urduchannel.in

ہی واقع ہوجائے۔ لیکن بغیر کسی احتجاج اور توڑ پھوڑ کے، جان کی بازی لگائے بغیر وہ کچھ حاصل نہیں کرسکتے تھے۔

دونوں جماعتیں اپنے اپنے نظریات کے مطابق کام کر رہی تھیں۔ گاندھی جی کے پیروکاروں کی پوری کوشش تھی کہ کسی بھی قیمت پر تشدد نہ ہو۔ جبکہ دوسرے لوگ گاندھی کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام کو تشدد پرور غلار ہے تھے۔ ان کی دلیل تھی کہ یہ ایک عظیم انقلاب ہے۔ ان کا خیال تھا کہ پوری قوم بغاوت پر آمادہ ہے۔ ہندوستان سلگ رہا ہے۔ یہ گاندھی وادی محض کتابی باتیں کرتے ہیں، انہیں حقیقت کا علم نہیں ہے۔ انقلاب ضبط و تحمل سے نہیں لایا جاسکتا۔

ہندوستانی جیل خانے بھر چکے تھے۔ سیاسی قیدیوں کے لیے نئے بیرکس بنائے جارہے تھے۔ کسی بھی خاندان کا شاید ہی کوئی فرد ہوگا جو جیل نہ گیا ہو یا اس تحریک میں گھر چھوڑ کر پیش پیش نہ ہو۔ ملک میں دور دراز تک اس کا صدمہ محسوس کیا جارہا تھا۔ ماحول ذلّت آمیز اور رنج و غم سے لبریز تھا اور اخلاقی اعتبار سے پستی اور دیوالیہ پن کا شکار تھا۔ اس تحریک کے روح رواں بھی ظلم و جبر میں پس رہے تھے۔ ان کی غیر موجودگی سے لوگ مایوسی اور محرومی کے شکار تھے۔ پورے ملک میں شمشان کا سا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ جیلوں میں مجاہدین کی آوازوں کا گلا گھونٹا جارہا تھا۔ باہر بظاہر شانتی تھی مگر وہ شمشان گھاٹ کی سی تھی۔ کوئی سیاسی رہنما اب آزاد نہیں بچا تھا جس کی لوگ اتباع کرتے۔

پورے ملک سے وہ سیاسی کارکن جو گرفتاری سے بچ گئے تھے بمبئی میں جمع ہونا شروع ہوگئے تھے اور خاموشی سے آپس میں مل رہے تھے۔ ابھئے کمار کو اسی کے گاؤں کے کارکنوں نے بلایا۔ کچھ کارکنوں نے ایک ٹائپ کی ہوئی تحریر اسے دی جس پر انقلاب کا عملی منصوبہ درج

www.urduchannel.in

تھا۔ کہا جارہا تھا کہ اگر گاندھی جی جیل کے باہر ہوتے تو اس پروگرام کی وہ ضرور وکالت کرتے۔ گاندھی جی کے پیروکار جو اس میٹنگ میں موجود تھے ان کا کہنا تھا کہ اس پروگرام میں 'ستیہ گرہ' کے سوائے کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں ہے۔ صبر کے ساتھ مدافعت کریں اور عدم تشدد پر قائم رہیں۔ انقلابیوں کا کہنا تھا ریل، روڈ ٹریک اکھاڑنا، ٹیلی گرام وائر کاٹنا وغیرہ ہی ہمارا شکار ہونا چاہئے۔ گویا ہر وہ چیز اکھاڑ پھینکنی چاہئے جو ہماری تحریک میں رکاوٹ بن رہی ہو۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی جانب سے ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ جو باوثوق اور مستند مانے جارہے تھے۔ کارکنوں کو ہدایت تھی کہ وہ ان ہینڈ بلس کو اتنے خفیہ طور سے تقسیم کریں کہ وہ پکڑ میں نہ آسکیں اور اپنا کام کرجائیں۔ پروونشیل ہیڈ کارٹرز کی یہ ذمہ داری تھی کہ اگر ہینڈ بلس ختم ہوجائیں تو دوبارہ اسے شائع کروایا جائے تاکہ یہ ضلع کے دور دراز گاؤں تک پہنچ سکیں۔

ابھئے کمار ان میں سے ایک تھا جن کو اس اہم کام کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ ابھئے کمار عام طور سے بنگالی کرتا اور دھوتی پہنتا تھا۔ کاندھے پر رومال ہوتا تھا۔ اس لباس کا رواج ملک بھر میں کانگریس کارکنوں میں زیادہ عام تھا۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ اگر کوئی یہ لباس پہنتا تو اسے گرفتاری کا خدشہ رہتا تھا۔ لیکن کانگریسی اشتہارات کا بنڈل گاؤں میں بانٹنا بھی ضروری تھا اور گرفتاری سے بھی بچنا تھا۔ اگر ابھئے واقعی گرفتار ہوجاتا ہے تو اشتہارات تقسیم ہونے سے رہ جائیں گے اور اگر ایسا ہوتا ہے تو گویا وہ تو مر گیا۔

بمبئی میں ایک انوکھا کام جاری تھا جس کا وہ عینی شاہد تھا۔ جسے دیکھ کر وہ لرز گیا تھا لیکن اسی سے اسے کام کا زبردست حوصلہ بھی ملا تھا۔ گاندھی جی کی گرفتاری کے بعد ہنگامے کی آگ دور دراز تک پھیل گئی تھی۔ پوری قوم ایسا لگتا تھا بیداری سے جاگ چکی تھی۔ ملک کے کونے کونے، قریہ قریہ گویا ہر گھر میں لوگوں کا یہی نعرہ تھا "کرو یا مرو"۔ یہ دن زندگی کا انتہائی اہم دن

www.urduchannel.in

تھا۔ آزادی کی لڑائی کا انتہائی کرب ناک دن، غلامی سے آزادی کا دن۔ لوگوں کی نظروں کے سامنے تاریخ بن رہی تھی۔ آج کے دن ہر کسی کے پیشِ نظر بس ''دیش۔ میرا دیش'' تھا۔ لوگوں کے کانوں میں بس یہی گونج رہا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں بس یہی جذبہ تھا۔ اپنے مادر وطن سے محبت، بس ایک ہی آتما تھی جس نے سب کو متحد کر رکھا تھا اور وہ یہی دیش کی آتما تھی۔ سب کی نجی خوشی کہاں تھی اور سب کا نجی دکھ کہاں تھا۔ اپنی ذاتی خواہشات، خود غرضی اور مادیت پرستی کہاں گم تھی؟ تمام انسانوں کی ایک ایک سانس، جسم کا رواں رواں، خون کا ایک ایک قطرہ، ملک کے لیے وقف تھا۔ جس پر کھانا پانی تمام نثار تھے۔ تمام چیز قربان تھی۔ ان سے کچھ بھی بچا نہیں تھا۔ جو کچھ لگایا تھا وہ حاصل کرنے کا وقت آن پہنچا تھا اور قربانی میں کیا لطف ہوتا ہے، خود کو کسی مقصد کے لیے جھونکنے میں کیا مزہ ہوتا ہے۔ ابھئے کمار کو لگتا تھا گویا وہ خوشی وانبساط کے کنارے کھڑا ہے۔

ابھئے کمار نے ایک خاکی سوٹ پرانے بازار سے خرید لیا تھا۔ جب بھی وہ خاکی کپڑا اور کالی ٹوپی پہنتا اس کو پہچاننا مشکل ہوتا۔ وہ اپنے چمڑے کے سوٹ کیس میں اشتہارات رکھتا اور ایک ہاتھ میں چھڑی لیتا جب کبھی وہ ایسے حلیہ میں ریلوے پلیٹ فارم پر جاتا تو ایسا لگتا کوئی سپاہی اپنے گھر چھٹی گذارنے جا رہا ہے۔ وہ میل یا ایکسپریس ٹرین سے نہیں جاتا تھا کیونکہ پولس والوں کی نظر ان ٹرینوں پر زیادہ رہتی تھی۔ وہ عام طور پر رات میں چلنے والی پیسنجر ٹرین سے ہی سفر کرتا تھا۔ دن میں کسی بھی اسٹیشن پر اتر جاتا اور رات میں پھر سے روانہ ہو جاتا۔ ۱۶ر گھنٹے کا سفر طئے کرنے کے لیے وہ تین دن تین رات لگاتا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ ناگپور اسٹیشن پر پہنچا تو اس وقت رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ جب اس نے کھڑکی سے جھانکا تو ہتھیاروں سے لیس ایک فوجی دستے پر اس کی نظر پڑی۔ ان کے ساتھ ایک مجسٹریٹ بھی تھا۔ وہ لوگ ہر

www.urduchannel.in

مسافر پر کڑی نظر رکھ رہے تھے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیا ان لوگوں کو اس کی آمد کی اطلاع تھی ؟ زیادہ تر پولس والوں کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے۔ سات یا آٹھ سپاہیوں کے ہاتھوں میں بندوقیں بھی تھیں۔ سب انسپکٹر پستول سے لیس تھا۔ ممکن ہے کہ سی آئی ڈی کے ذریعے انہیں رپورٹ ملی ہوگی کہ کوئی شخص بمبئی سے ناگپور کانگریس کے اشتہارات لیکر آرہا ہے وہ ان اشتہارات کو ضبط کرنا چاہتے تھے۔

ابھئے بھانپ گیا کہ اگر اس نے پلیٹ فارم پر قدم رکھا تو فوراً گرفتار کر لیا جائے گا۔ کیونکہ زیادہ تر لوگ اسے جانتے تھے کہ وہ ناگپور یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ تھا اور اسے بحث و مباحثے، کالج یونین اور دیگر سرگرمیوں سے دلچسپی تھی۔ اب وہ خاکی یونیفارم میں نظر آئے گا تو لوگ شک تو کریں گے اور اگر اس کے چمڑے کے سوٹ کیس کی تلاشی لی جائے گی تو سارا بھرم جاتا رہے گا۔ اسے گرفتاری کا ڈر نہیں تھا، اس بات کی زیادہ فکر تھی کہ اگر یہ بلیٹن کانگریس آفس میں پہنچنے کی بجائے پولس کے ہتھے لگ گئے تو! یہ سوچ کر وہ لرز گیا۔ بُلیٹن اسے اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی لگنے لگے۔ ناگپور آخری اسٹیشن تھا۔ کچھ ہی دیر میں ساری بوگیاں خالی ہوگئیں۔ اگر وہ اس میں ٹھہرا رہا تو لوگوں کی نظروں میں آجائے گا اور آخر وہ کتنی دیر ٹرین میں بیٹھ سکتا تھا؟ اسے اب کیا کرنا چاہئے ؟ اس نے ایک قلی کو آواز دے کر کہا کہ اس کا سامان اٹھائے اور کسی کونے میں اسے رکھ دے۔ وہ ٹرین سے اتر گیا اور پلیٹ فارم کے آخری کونے تک جہاں اندھیرا تھا پہنچ گیا۔

ہیلو، ابھئے ! کیسے ہو؟

یہ سن کر ابھئے چونک گیا اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ وہ سمجھا کہ اب گرفتاری سے وہ بھاگ نہیں سکے گا۔ لیکن جو شخص اس کے سامنے کھڑا تھا وہ پولس والا نہیں تھا بلکہ ریلوے کا

www.urduchannel.in

ملازم تھا۔ ابھئے نے اطمینان کا سانس لیا اور پوچھا، کون! بھار گو؟

بھگوان کا شکر ہے کہ تم نے مجھے پہچان تو لیا۔ میرا خیال تھا کہ نا معلوم تم مجھے پہچان سکو گے یا نہیں کیونکہ تقریباً ۱۲/ سال پہلے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟

ابھئے کو یاد آگیا کہ بھار گو مڈل اسکول میں اس کے ساتھ پڑھتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہاکی کھیلا کرتا تھا اور لڑکوں کے اسکاؤٹ گروپ میں بھی وہ دونوں ساتھ میں تھے۔ بھار گو اب ریلوے میں گارڈ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

اسکول کے ساتھی کا رشتہ کبھی کبھار اپنے خونی رشتے سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

بھار گو نے بتایا کہ پورا شہر ملٹری کے زیر انتظام تھا۔ ہمارے لیڈرز کی گرفتاری کے بعد پولس نے چار پانچ مرتبہ فائرنگ کی تھی۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ گولی باری میں بیس پچیس لوگوں کی موت ہو چکی تھی۔ کچھ کہتے تھے کہ ۵۷/ لوگ شہید ہوئے۔ ایک اسٹوڈنٹ جو یونین جیک کے جھنڈے کا پول اکھاڑ رہا تھا مار دیا گیا۔ ہر طرف افواہوں کا بازار گرم تھا۔ بھگوان جانتا ہے کہ سچ کیا تھا۔ شہر میں کرفیو لگا دیا گیا تھا۔ رات میں جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ مقامی اخبارات بند کر دئے گئے تھے۔ ذرائع ابلاغ منقطع کر دیے گئے تھے اور ٹیلی گراف وائر کاٹ دئے گئے تھے۔ باوثوق ذرائع سے کہیں سے کوئی خبر نہیں آرہی تھی۔ ایسے حالات میں ابھئے تم رات میں باہر نہ جاؤ۔ بھار گو نے منت کرتے ہوئے کہا۔ وہ اندھیرے میں کسی پر گولی چلانے سے ہچکچائیں گے نہیں؟ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا عقل مندی نہیں ہے۔ لیکن ریلوے پلیٹ فارم پر ٹھہرنا بھی تو خطرے سے خالی نہیں ہے؟ ابھئے نے کہا۔ پولس ہر گاڑی کی اور ہر مسافر کی تلاشی لے رہی ہے۔

اگر ایسا ہے تو تم میرے ساتھ میرے کوارٹر کی طرف آؤ، بھار گو نے کہا۔ رات میرے

www.urduchannel.in

ساتھ گذارو، کل دیکھا جائے گا۔

ایسی حماقت مت کرو! ابھئے نے کہا۔ ”میں تم کو اپنے بچاؤ کے لئے کسی مصیبت یا خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا“۔

”کیا میں اپنے دیرینہ دوست کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا جب کہ ملک کے لیے تم اتنا کچھ کر رہے ہو! ہم جانوروں جیسے ہیں ہم مطلبی، خود غرض اور خودرو پودوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ مجھے خوشی ہوگی کہ میں تمھاری کچھ مدد کر سکوں“۔

ابھئے کے دل کو اس کی باتیں چھو گئیں۔ اس نے بھارگو کے کاندھے پر گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ رکھا۔ حالانکہ اس نے گہرے رنگ کا یونیفارم پہن رکھا تھا لیکن اس کے پہلو میں کیسا نرم اور کومل دل تھا۔ سچ ہے کسی کا چہرہ دیکھ کر کسی کے بارے میں فیصلہ کرنا واقعی مشکل کام ہے۔

ابھئے نے بھارگو کے ساتھ کوارٹر جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے بھارگو نے اسے اجنی لوکل کے فرسٹ کلاس ڈبے میں بٹھا دیا، ٹرین خالی تھی اور شاید یہ رات بھر یہیں رکے گی۔ ٹرین میں کوئی لائٹ نہیں تھی اس لیے اندھیرے میں ابھئے کو کوئی دیکھ نہیں پائے گا۔ اجنی اسٹیشن ناگپور سے پہلے چھوٹا سا اسٹیشن ہے صبح سویرے وہ یہاں سے باہر نکل جائے گا اور اپنے گھر جو سنٹرل جیل کمپاؤنڈ میں واقع تھا چلا جائے گا۔ وہاں پولس والے تعینات نہیں رہتے تھے۔

www.urduchannel.in

باب(۱۰)

دوسرے دن صبح ابھئے بغیر کسی تردّد کے اپنے گھر پہنچ گیا۔ اس کی ماں نے جب اسے خاکی وردی میں دیکھا تو ایک لمحہ کے لئے وہ اسے پہچان نہ پائی اور پھر خوشی سے جھوم گئی۔

وجیا نے بھگوان کی پوجا کی کہ ہمارا ابھئے بحفاظت گھر پہنچ گیا۔ ''گذشتہ چار راتوں سے مجھے نیند کی جھپکی تک نہیں آئی اور نہ کھانے کی طبیعت ہو رہی تھی۔ بمبئی سے خبریں مایوس کن آرہی تھیں میرا دل کانپ رہا تھا۔ جب میں نے گرفتاری، فائرنگ اور فساد کی خبریں سنیں تو مجھے فکر لاحق تھی کہ شاید تم نہیں آسکو گے۔ لیکن بھگوان کی کرپا سے تم یہاں پہنچ ہی گئے۔ آج میں کچھ سو پاؤں گی''۔

ماں! ابھی کچھ نہ کہو! ابھئے نے کہا'' یہ آتش فشاں پہلے پہل پھٹا ہے۔ ابھی تو انقلاب کی شروعات ہے، لوگوں نے اپنی جان کی بازی لگادی ہے اور شہید ہوگئے۔ یہ شعلے گاؤں تک پہنچ چکے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر سے نکل گیا تو اس سے واپسی کی امید رکھنا فضول ہے۔ اگر وہ واپس آبھی گیا تو سمجھ لو کہ وہ مختصر عرصے کے لیے ہی آیا ہوگا۔ دیش بھگتوں کے لیے گھر نہیں بلکہ جیل خانے کی چار دیواری ہے۔ اگر وہ خوش بخت ہیں تو دیش کی خاطر گولیاں کھاکر یا پھانسی پر چڑھ کر شہید ہوجائیں گے''۔

''تم اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟'' ماں نے رنجیدہ لہجہ میں کہا۔ ''جب شعلے پھیلیں گے تو ہم اس کی تپش سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔ مہاتما گاندھی کے حکم کی تعمیل میں اگر ہمیں یہ برداشت کرنا پڑے تو کیا حرج ہے۔ ہمارے بڑے رہنما جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو کھو چکی ہیں گھروں کو اجاڑ دیا گیا ہے۔ اگر ہم جیسے چھوٹے لوگوں کو

www.urduchannel.in

کچھ جھیلنا پڑ رہا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ بھگوان ہی جانتا ہے کہ کل کیا ہو گا، ایسے حالات میں آج تم بحفاظت گھر پہنچ گئے تو کیا میں خوشی نہ مناؤں"؟

"لیکن مجھے رات میں دوبارہ جانا ہو گا۔ بمبئی کانگریس کا پیغام مجھے دور دراز گاؤں تک پہنچانا ہے۔ ہمارے تمام لیڈرز جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ عوام کو کوئی گمراہ نہ کر دے اور یہ مشعل بجھنے نہ پائے۔ آزادی کی وہ لڑائی جس کا آغاز ۱۸۵۷ء میں ہوا تھا ۱۹۴۲ء میں اپنے اختتام پر ہے۔ ایسی ساعت ہر دن نہیں آتی"۔

"میں یہ سب نہیں جانتی"، ماں نے کہا۔ "لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ سب بھگوان کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ تم وہی کرو جو اچھا سمجھتے ہو۔ وہ کام کبھی نہ کرو جس سے ناموسی ہو۔ میں تمھارے مشن کا روڑا بننا نہیں چاہتی۔ بھگوان سب کا بھلا کرے۔ وہ جس طرح تمھاری رکھشا کرے گا ویسی ہی ہماری بھی حفاظت کرے گا۔

www.urduchannel.in

باب(۱۱)

ابھئے نے پہنچتے ہی مخبر کارکنوں کے ذریعے مقامی کانگریس کے دفتر سے رابطہ قائم کیا اور کانگریس بُلیٹن کا بڑا سا بنڈل ان کے حوالے کیا تب جاکر اسے اطمینان ہوا۔ ایک بڑی ذمہ داری سے وہ آج دستبردار ہوگیا۔ مقامی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری کی جانب سے اسے اطلاع دی گئی کہ وہ رات میں ہونے والی خفیہ میٹنگ میں ضرور شرکت کرے اور بمبئی کانگریس کی روداد سنائے۔ یہ میٹنگ تین میل کے فاصلے پر تھی جہاں تمام کارکن رازدارانہ انداز میں جمع ہونگے۔ ہر کوئی چوکنّا تھا کہ پولس کو اس کی بھنک نہ لگنے پائے۔ ورنہ پولس کی گاڑیاں گاؤں پر حملہ بول دیں گی اور تمام کو قید کرلیا جائے گا۔

www.urduchannel.in

باب(۱۲)

ماں بھگوان کے سامنے گھٹنوں کے بل ہاتھ جوڑ کر بیٹھی پوجا کر رہی تھی تب وجیا بیڈ روم میں گئی جہاں ابھئے آرام کر رہا تھا۔ س کا چہرہ دیوار کی طرف تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ وجیا خاموشی سے بستر پر بیٹھ گئی اور نرمی سے اس کے پیروں کو سہلایا۔ محبت کی گرمی جب ابھئے نے محسوس کی تو اس کے جسم میں جھر جھری سی دوڑ گئی۔ اس نے اپنے پیروں کو سمیٹ لیا۔

''تم کیا کر رہی ہو؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''تم تھک گئے ہونا! میں نے سوچا تمھارے پیروں کی مالش کر دوں''۔

''میں تھکا نہیں ہوں۔ میں تو بس یونہی آرام کر رہا تھا۔ پولس آج کل بہت مستعد ہے اس لیے دن میں مجھے گھر میں رکنے کا موقع مل رہا ہے۔ ویسے تو رات ہماری ہوتی ہے''۔

''ابھئے کیا تم کو رات میں جانا ضروری ہے''۔

''ہاں ڈارلنگ! اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا ہوگا''۔

''پھر تم کب واپس آؤ گے؟''

''یہ کہنا مشکل ہے وجیا۔ شعلے اب دور دور تک پھیل چکے ہیں۔ ہمارے لیڈرز جیلوں میں ہیں۔ خدشہ ہے کہ عوام کہیں گمراہ نہ ہو جائیں۔ لوگوں میں زبردست ہیجان برپا ہے۔ ایسے ہی ہنگامے سے دراصل کوئی بڑے دھماکے کی امید کی جا سکتی ہے۔ اگر ان کو صحیح سمت پر نہ لگایا گیا تو یہ فائدے سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگا۔ عوام خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ جو لوگ تشدد پر یقین رکھتے ہیں وہ عوام کو توڑ پھوڑ پر اکسا رہے ہیں۔ اور گورنمنٹ کی ایسی ہی منشاء ہے اور وہ ان سے نمٹنا بھی جانتی ہے۔ اگر عوام پولس اسٹیشن یا کورٹ روم جلاتے ہیں تو پولس

www.urduchannel.in

پورے گاؤں کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ اگر وہ ایک پولس والے کو یا کسی گورنمنٹ آفیسر کو مارتے ہیں تو وہ سارے مجمع کو گولیوں سے بھون دینگے۔ حکمراں لوگ جانتے ہیں کہ تشدد کا جواب کس طرح دیں۔ لیکن عدم تشدد انہیں حیران پریشان کر دیتا تھا۔ تشدد ان بزدلوں کو پسند تھا لیکن وہ بڑے پیمانے پر کام نہیں کر سکتے تھے۔ گورنمنٹ تشدد کو تشدد سے دبانا چاہتی تھی۔ اگر لوگ اس طرح دب جائیں گے تو ان کا جذبہ ہی ختم ہو جائے گا۔ تب تو زبردست نقصان ہوگا۔ مجھے کچھ بھی کرنا پڑے میں اس کو بچائے رکھوں گا''، ابھئے نے جواب دیا۔

''لیکن تم کب تک اس کام کو کر سکو گے ؟ ہمارے پڑوسی مجھے بتا رہے تھے کہ کل پولس تمھارے متعلق پوچھ گچ کر رہی تھی۔ شاید انہیں تمھاری تلاش ہے''۔

''گویا مجھے اب موقع ڈھونڈنا ہی چاہئے''، ابھئے نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ '' پولس والے جس طرح سے کام کر رہے ہیں اس سے لگتا ہے انہیں جن لوگوں پر شک ہے وہ انہیں گرفتار کریں گے۔ جیل جانا آسان ہے۔ میں صرف پولس اسٹیشن کے سامنے سے بھی گذر جاؤں تو وہ مجھے گرفتار کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ لیکن ایسا ہو نہیں سکے گا۔ یہ تو گویا اپنی ذمہ داری سے بھاگنا ہوگا۔ مجھے ان کی نظروں سے بچنا ہوگا تاکہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک انقلاب کا پیغام پہنچا سکوں۔ ایک ہی جگہ ایک رات سے زیادہ کہیں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ پولس مسلسل مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے''۔

''انقلاب کا پیغام کیا ہے ؟'' وجیا نے پوچھا۔

''اصل میں بمبئی بلیٹن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ہر گاؤں میں پہنچنا ضروری ہے۔ اس سے ہی ہم جنگ اور قانون سے بچ سکتے ہیں۔ گورنمنٹ مشنری کو جیسا بھی ممکن ہو مفلوج کیا جائے۔ لیکن گاندھی جی کے بتائے ہوئے عدم تشدد تھیوری کے تحت ہی یہ کام ہو سکتا ہے۔ جہاں بھی

www.urduchannel.in

لوگ عدم تشدد سے کام لے رہے ہیں وہاں پولس لوگوں کو تشدد پر اکسانے کی کوشش کر رہی ہے۔ کہیں پر یہ کام اپنے ایجنٹوں سے کروایا جارہا ہے۔ وہ فولادی ہاتھوں سے توڑ پھوڑ کا عذر چاہتے ہیں۔ یہ خطرناک چیز ہے اور لوگوں کو اس کے متعلق متنبہ کرنا ضروری ہے"۔

"مجھے نہیں لگتا کہ تم زیادہ دن تک آزاد رہ سکو گے۔ ابھئے اگر تم گرفتار کئے گئے تو کتنے دنوں تک تمہیں وہ قید میں رکھ سکتے ہیں؟"

"میری کوشش ہے کہ میں جیل کے باہر رہوں۔ سیاسی قیدی ممکن ہے جب تک جنگ ختم نہ ہو رہا نہ کئے جائیں۔ یہ مدت تین چار سال کی ہو سکتی ہے۔ لیکن اصل خطرہ باہر رہنے میں ہی ہے"۔

"باہر رہنے میں خطرہ؟ اس کا کیا مطلب ہے؟" وجیا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"پولس کی گولیوں کا خطرہ۔ ہماری زندگی کی کیا اوقات ہے وجیا؟ ہم صرف غلام ہیں۔ ہماری کون پرواہ کرتا ہے۔ دوسری طرف وہ ہمارے جنگی منصوبوں پر پانی پھیر رہے ہیں۔ ہندوستانیوں کے بڑے سے بڑے جلوس کو وہ گولیوں کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ ملک کے وفادار اور دیش بھگتوں کو سولی پر لٹکایا جاسکتا ہے۔ اگر انہیں احساس ہو جائے کہ ان کے حکمراں یہاں خطرے میں ہیں تو شاید وہ ایک کے بعد ایک تمام کو بے رحمی سے ختم کر کے رکھ دیں گے۔ جس طرح انہوں نے روس میں کیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دوران محبان وطن کو دن کے اجالے میں عام شاہ راہوں پر درختوں پر پھانسی دی گئی تھی۔ ہمارے مجاہدوں کو بھی اس راستے سے گذرنا پڑ سکتا ہے۔ کون جانتا ہے کہ ہم میں سے کس کو کیا قیمت چکانی پڑے۔ ہم نے تو آج خود کو سنبھالا ہے لیکن کل یا اس کے بعد والے دن کیا ہونے والا ہے کون جانتا ہے؟"

وجیا کا دل یہ سب سن کر بیٹھا جارہا تھا۔ اسے اچانک شادی کے دن والی بدشگونی یاد آگئی

www.urduchannel.in

جب پوجا کے وقت نرنجن (شمع دان) گر کر بجھ گئی تھی۔ وہ کانپ گئی اور باوجود ضبط کے اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور وہ رونے لگی۔

ابھئے کا دل پگھل گیا۔ اس نے وجیا کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

"تم کیوں رو رہی ہو، ڈرپوک لڑکی، میری ڈارلنگ؟"

"کیا تمہیں فخر اور خوشی نہیں ہو رہی کہ ایسے نازک وقت میں ہم اپنے ملک کی کچھ خدمت کر رہے ہیں۔ آزادی کے لیے لڑنا ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا"۔

"اگر ہمیں فتح حاصل ہوئی تو ہم ملک کو آزاد دیکھیں گے اور اگر ہم شکست کھاتے ہیں تو ہم زندہ نہ رہ سکیں گے اور آخر دم تک لڑتے رہیں گے۔ ہم جئیں یا مر جائیں مگر کوشش کرتے رہیں گے جب تک ملک کو آزادی نہیں ملتی۔ بمبئی میں چاروں طرف یہ خبر پھیلی ہے کہ گاندھی جی مرتے دم تک بھوک ہڑتال کرنے والے ہیں۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے ارادوں میں کتنے مضبوط ہیں اور ہمیں کتنا مضبوط اور مستحکم ہونا چاہئے"۔

"وجیا! آزادی حاصل کرنے کا یہ ہمارا آخری موقع ہے اور اسے حاصل کر کے ہی دم لینا ہے، چاہے جو قیمت چکانی پڑے۔ گیتا میں بھی ہمیں یہی پیغام ملتا ہے۔ جب بھگوان کرشنا کروشیتر کے میدان جنگ میں ارجن سے کہتے ہیں، "اگر تم مارے جاؤ گے تو سورگ میں جاؤ گے، اگر تم جیت گئے تو زمین پر خوشی و مسرت حاصل کرو گے۔ بس اے کنتیا (کنتی کا بیٹا) کھڑے ہو جاؤ اور مضبوط ارادوں کے ساتھ لڑو"۔

شوہر کے ان جذباتی الفاظ کے آگے وجیا اپنا ڈر اور غم بھول سی گئی۔

"کیا میں بھی اس تحریک میں شریک ہو سکتی ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"تمھارے بدن میں ایک زندگی کروٹ لے رہی ہے۔ تمہیں بہت محتاط رہنے کی

www.urduchannel.in

ضرورت ہے۔ کم از کم اس کی حفاظت کے لیے۔" جیسے ہی ابھئے کو یہ خیال آیا اس کا دل تجسّس اور محبت سے بھر گیا۔

"کیا تم ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟" اس نے وجیا سے پوچھا۔ "ان کا کیا کہنا ہے؟"

"اس نے کہا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ابھی چھ ماہ اور باقی ہیں۔ اس نے مجھے بتدریج کیلشیم کے انجکشن لگوانے کے لئے کہا ہے۔"

"سنو جانم!" ابھئے نے اس سے کہا۔ "اگر لڑکی ہوئی تو اس کا نام کرانتی رکھنا اور اگر لڑکا ہوا تو اس کا نام کرانتی کمار رکھنا۔ اگر میں مر گیا تو تم ہمارے بچے سے کہنا کہ یہ جنگ جاری رکھنا جب تک یہ غلامی کے بادل چھٹ نہ جائیں۔ کسی بات کی فکر نہ کرنا۔ ماں تمھارے ساتھ ہے۔ وہ بڑی محبتی اور معاملہ فہم ہے۔ اگر یہ سب اس کی قسمت میں نہیں ہے تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا کیا حال ہوگا"۔

"ٹھیک ہے"، وجیا نے ہامی بھری اور کہا، "ماں نے ہی مجھے بنایا سنوارا ہے۔ اس کی وجہ سے میں اپنی سورگیہ ماں کو بھول گئی۔ ماں تو قوت و طاقت کا منبع ہیں۔ چاہے کیسے ہی حالات ہوں وہ کبھی ہمت نہیں ہارتی۔ بھگوان ہی جانتا ہے کہ انہیں یہ اخلاقی طاقت، صبر و تحمل اور معاملہ فہمی والی صفات کہاں سے ملتی ہیں"۔

اچانک ماں کے بھجن کی آواز ان کے کانوں میں آئی۔ دونوں کھڑے ہو گئے اور ماں کے ساتھ پوجا میں شریک ہو گئے۔

www.urduchannel.in

باب(۱۳)

شام کا وقت تھا بادل چھائے تھے جس کی وجہ سے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ماں نے رات کا کھانا کچھ جلدی ہی بنالیا تھا اور ابھئے اور وجیا کو پروس بھی دیا تھا۔ وجیا نے بہت منع کیا کہ وہ ماں کے کھانے سے پہلے نہیں کھائے گی۔ لیکن ماں کی ضد کے آگے وجیا کی ایک نہ چلی۔ اس نے زور سے کہا ''چل بیٹھ جا وجیا۔ تم نہیں جانتے کہ تم دونوں کب ایک جگہ بیٹھ کر دوبارہ کھانا کھا پاؤ گے؟''

وجیا بادل ناخواستہ حالات کو دیکھتے ہوئے کھانا کھانے بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کیا واقعی وہ اپنے شوہر کے ساتھ آخری کھانا کھا رہی تھی۔

وجیا جب سے حاملہ ہوئی تھی ماں اسے باورچی خانے میں کام کرنے نہیں دیتی تھی حالانکہ اس کی صحت ٹھیک ہی تھی۔ ماں چاہتی تھی کہ وجیا اپنی صحت کا خاص خیال رکھے اور کھانا وغیرہ پابندی سے لیتی رہے۔ وجیا شروع میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھی مگر آخر کار ماں کی ممتا اور خلوص کے آگے وہ بھی جھک گئی۔

ابھئے کے ساتھ کھانا وہ پہلی مرتبہ نہیں کھا رہی تھی لیکن نہ معلوم کیوں وہ ماحول میں کشیدگی اور تناؤ محسوس کر رہی تھی۔ تینوں خاموش تھے۔ وجیا نے محسوس کیا کہ اس کے حلق میں کچھ پھنس گیا ہے۔ بمشکل اس نے صرف ایک ہی روٹی کھائی۔ ابھئے بھی بہت آہستہ آہستہ کھا رہا تھا۔ ماں یہ سب دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد کانگریس کا رضا کار آنے والا تھا۔ ابھئے اس کے ساتھ یہاں سے تین کلومیٹر دور خفیہ میٹنگ کے لیے جائے گا۔ وہاں سے وہ دیہاتوں کے دورے پر نکلے گا اور گاؤں

www.urduchannel.in

والوں کو انقلاب کا پیغام دے گا۔ پولس اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ یہ اس کا فرض ہے کہ جب تک ممکن ہو ان کے شکنجے میں نہ آئے۔ ممکن ہے وہ گرفتار کر لیا جائے اور کسی بھی وقت جیل بھیج دیا جائے۔ ایسے تذبذب کے ماحول میں جبکہ ملک موت و حیات کی جنگ لڑ رہا تھا اور ہر طرف طوفان برپا تھا کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ طوفان اپنے شباب پر تھا اور یہ طوفان ملک میں چھائے موت جیسے سناٹے کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ یہ آتش فشاں کا لاوا تھا جو زمین پر دھیرے دھیرے پھیلا چاہتا تھا۔ یہ آگ اور گندھک کی بارش تھی جس میں تمام چیزیں جل کر خاکستر ہو جائے گی۔ اس وقت کون محفوظ رہ سکے گا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ صرف بھگوان جانتا تھا کہ یہ جدوجہد کب تک جاری رہے گی۔ اس وقت تک کتنے گھر برباد ہونگے اور کتنے لوگ مریں گے۔

شیو بہت جلال میں تھا۔ بھگوان نے اس کی تخلیقی صلاحیت کو معطّل کر دیا تھا وہ اب بربادی کا کھیل کھیل رہا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ دن بدن کیا ہونے والا تھا۔

ابھئے، ماں اور وجیا، یہ تینوں جانتے تھے کہ وہ ایک لمبی اور اندھیری سرنگ کے دہانے پر کھڑے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ قدرت کے ہاتھوں کی کٹھ پتلیاں ہیں۔ مقدر نے لکھ دیا ہے کہ انہیں اس طویل اور تاریک راستے پر چلنا ہوگا۔ ان کی ذاتی خوشی اور امن کا سورج گویا غروب ہو چکا تھا۔ یہ دوبارہ کب طلوع ہوگا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن ایک بات یقینی تھی کہ ہر گھر کا چراغ ایک روز ضرور روشن ہوگا۔ صرف آزادی کے سورج کو راستہ دینا ہوگا۔ تب اس قدیم بدقسمت قوم کا رنج و غم، ذلت و رسوائی اور تاریکی ختم ہو کر رہے گی۔ جب سورج طلوع ہوگا تو رات کے اندھیرے میں ٹمٹماتے ستارے خود بخود غائب ہو جائیں گے۔

ابھی انہوں نے کھانا ختم ہی کیا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ ایک رضا کار ہاتھوں میں لاٹھی لئے کھڑا تھا۔ ایک میلا سا کمبل اس کے کاندھے پر تھا۔ جانے کا وقت آ چکا تھا۔

www.urduchannel.in

ابھئے کمار کھڑا ہو گیا۔ اس نے بھی ایک لاٹھی لی اور بڑا سا کمبل اپنے کاندھوں پر ڈالا۔ اس کے پاس ایک کپڑے کی تھیلی بھی تھی جس میں اس نے ضروری سامان رکھ لئے۔ ماں کو لگا جیسے دیو مالائی راجا رام کی مانند اس کا بیٹا بھی جنگل کی طرف جا رہا ہے۔ وجیا بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی تھی۔ لیکن اسے یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ وہ سیتا کی طرح خوش قسمت نہیں تھی کہ اپنے آقا کے ساتھ جنگل جائے۔

ابھئے گھر کے مندر میں گیا اور دیوی کے سامنے آشیرواد لینے جھک گیا اور پھر اس نے اپنی ماں کے قدموں پر سر کے بل جھک کر اس کے پیروں کو چھوا اور کہا ماں میں جا رہا ہوں، مجھے آشیرواد دیجئے۔ ماں نے محسوس کیا کہ جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ لیکن اس نے صبر کا تلخ گھونٹ پی لیا اور خاموش رہ گئی اور وجیا سے پوجا کی تھالی لانے کے لیے کہا۔ اس نے گھی کا چراغ جلایا اور ایک کُم کُم کا سرخ ٹیکہ ابھئے کی پیشانی پر لگایا اور اس کے اوپر چاول کے کچھ دانے نچھاور کئے۔ ماں نے اس رضا کار کو بھی اندر بلایا اور اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ پھر اس سے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟

"دین بندھو"، اس نے جواب دیا۔

"بھگوان تم دونوں کی حفاظت کرے"۔ ماں نے آشیرواد دیا۔

پوجا کی قندیل کی روشنی میں ابھئے نے دیکھا کہ دین بندھو کی کالی داڑھی تھی۔ شاید وہ ابھئے سے دس سال بڑا ہو گا۔ اس کے چہرے پر جھرّیاں تھیں اور دو ایک دانت بھی ٹوٹے تھے۔ لیکن اس کا چہرہ سکون و طمانیتِ قلب کی وجہ سے دمک رہا تھا۔ اس کے طور طریقے سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ نیک دل انسان تھا۔

دین بندھو نے بھی ماں کے پیر چھوئے اور ان کا آشیرواد لیا۔

www.urduchannel.in

"تم ابھئے کمار کے بڑے بھائی کی طرح ہو میرے بیٹے" ماں نے دین بندھو سے کہا "تمہیں زندگی کا زیادہ تجربہ ہے۔ تم اس کے نہ صرف دوست ہو بلکہ رہنمائی کرنے والے بھی ہو۔ میری دعا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کا ساتھ نبھاؤ گے۔ بھگوان تمھارا بھلا کرے۔

"کانگریس کمیٹی نے مجھے ابھئے کمار کے ساتھ رہنے پر مقرر کیا ہے۔" دین بندھو نے کہا۔ "یہ ابھی کالج اسٹوڈنٹ ہے اور ہمارے گاؤں کے لیے نیا ہے جب کہ میں کانگریس کا پرانا کارکن ہوں اور اپنے صوبہ کی سرزمین کے ایک ایک انچ سے واقف ہوں۔ ہماری کمیٹی کے سکریٹری کہتے ہیں کہ ابھئے کمار ہیرے کی طرح قیمتی ہیں اور اس کی وجہ سے سارا علاقہ منور ہو گا۔ مجھے اس کے ساتھ رہنے کا حکم ملا ہے تاکہ ہماری جدوجہد کو ان کی صلاحیتوں اور گیان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔ میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہی رہوں گا، آپ کوئی فکر نہ کریں"۔

اب رخصتی کا وقت ہوا چاہتا تھا اور شاید انہیں تاخیر ہو رہی تھی۔ انہیں تین کلومیٹر رات کے اندھیرے میں گرد و غبار کے راستے پر پیدل جانا تھا۔

جیسے ہی ابھئے کمار جوتا پہننے آگے بڑھا، وجیا گھٹنوں کے بل اس کے سامنے جھک گئی اور اپنا سر جھکا دیا۔ ابھئے کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا گلا رندھ گیا ہو، بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

"جانِ من اپنی صحت کا خیال رکھنا"۔ یہ کہتے ہوئے اسے تھرتھری چھوٹ گئی۔ "ماں کا خیال رکھنا، اس کا بھی تم پر پورا دھیان ہے۔ تم کسی بات کی فکر مت کرنا۔ بھگوان سب سے بڑا ہے"۔ پھر اس نے رضاکار کی طرف مخاطب ہو کر کہا، "دین بندھو اب ہمیں چلنا چاہئے"۔

دین بندھو نے سیدھے ہاتھ سے لاٹھی اٹھائی اور آگے بڑھ گیا، ابھئے اس کے پیچھے ہو لیا۔ جوں ہی اس نے پہلا قدم گھر سے باہر نکالا ماں اور بیوی کی طرف حسرت سے دیکھا اور آگے نکل گیا۔

www.urduchannel.in

دونوں عورتیں بت بنی کھڑی تھیں اور دو آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں جو پیدل چلتے ہوئے اندھیرے میں گم ہوگئے ۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ وہ دیکھتی رہیں جہاں تک نظریں جاسکتی تھیں۔ آخر کار ان دونوں کو اندھیرے نے نگل لیا۔ دونوں عورتوں کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ گہری آہیں بھرنے لگیں کیونکہ دونوں کا غم مشترک تھا پھر دونوں ایک دوسرے کی ڈھارس بندھانے لگیں۔ ان کے درمیان گہرے گھپ اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۱۴)

جس گاؤں میں خفیہ میٹنگ ہونے والی تھی وہ بمشکل پچاس جھونپڑوں پر مشتمل تھا۔ رضاکار ایک متمول کسان کے طبیلے میں جمع ہوئے تھے۔ پرانے بوریے زمین پر بچھادئے گئے تھے جس پر لوگ بیٹھے تھے۔ تین قندیلیں ٹمٹمارہی تھیں جو کچھ فاصلوں پر رکھی تھیں جس کی روشنی میں سب بیٹھے تھے۔ تقریباً ستّر لوگ یہاں اکٹھا ہوئے تھے مگر کسی کے چہرے روشنی کی کمی کی وجہ سے صاف نظر نہیں آرہے تھے صرف ان کی پرچھائیاں ہی نظر آرہی تھیں۔ ایسا جان بوجھ کر رکھا گیا تھا تاکہ پولس کو اس کی بھنک نہ لگ سکے۔ کچھ رضاکار شیڈ کے باہر پہرہ داری پر تعینات تھے تاکہ اگر چھاپا پڑتا ہے تو فوراً وہ کارکنوں کو اس کی اطلاع دے دیں، ویسے چھاپے کا خطرہ ہمیشہ بنا رہتا تھا۔ گذشتہ ہفتہ سے پولس نے سارے شہر میں باغیوں کے لیے جال بچھا رکھا تھا۔ لیکن جو لوگ اس طبیلے میں اکٹھا ہوئے تھے انہیں گرفتاری کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اگر وہ گرفتار ہوتے ہیں تو ان کے لیے جیل زیادہ محفوظ جگہ سمجھی جارہی تھی کیونکہ باہر تو جان کا خطرہ زیادہ بنا ہوا تھا۔ لیکن ان کا یہ عمل اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کرنا تھا۔ ان کا تو فرض ہے کہ وہ گرفتاری سے بچیں اور تادم آخر اپنی لڑائی لڑیں۔ انقلاب کا پیغام دور دراز تک پہنچانے کی ذمہ داری ان ہی لوگوں پر تھی۔ یہ کام کرتے ہوئے اگر وہ گرفتار ہوئے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک مرتبہ عوام مشتعل ہوجائیں تو خود بخود نئی لیڈر شپ جنم لے لے گی اور آزادی کے نئے سپاہی سامنے آجائیں گے جو اس روشنی کو آگے بڑھادینگے۔

میٹنگ میں شریک زیادہ تر لوگوں کو ابھئے جانتا نہیں تھا۔ وہ صرف مقامی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری سے واقف تھا جو ہنوز گرفتاری سے بچ گیا تھا۔ وہ ابھئے پر مکمل اعتماد اور بھروسہ

www.urduchannel.in

بھی کرتا تھا۔ ابھئے کو کام کرنے کی پوری آزادی تھی۔ کمیٹی جانتی تھی کہ ابھئے گاندھی جی کا بے لوث پیروکار ہے اور آزادی کی تحریک اس کے ہاتھوں میں محفوظ تھی۔ وہ ایک تعلیم یافتہ اور زبردست مقرر تھا۔ اس کی شخصیت ہر دلعزیز اور لوگوں کو متاثر کرنے والی تھی۔ اس کے اندر قائدانہ صلاحیتیں خوب تھیں۔ بمبئی میں جو کچھ ہوا اس کا وہ عینی شاہد تھا۔ وہاں انقلاب کی آگ جو بھڑکی تھی اس کو لوگوں تک پہچانے کے لیے ابھئے کی شخصیت انتہائی موزوں تھی۔ سکریٹری اس بات پر فخر کرتا تھا کہ ابھئے جیسا بے لوث خادم ان کے علاقہ میں موجود تھا۔ اس طرح انقلاب نئے نامعلوم رہنماؤں کو جنم دیتا ہے۔

ابھئے اور دین بندھو جیسے ہی پہنچے میٹنگ کی کاروائی شروع کی گئی۔ سب سے پہلے سکریٹری نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے ابھئے کا تعارف کرایا۔ اس نے کہا، ''ساتھیو! آپ جانتے ہو کہ عظیم انقلاب زور شور سے جاری ہے۔ پورا ملک اس کے شعلوں کی زد میں ہے۔ گاندھی جی نے 'کرو یا مرو' کا اعلان کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری جنگ چنگھاڑ رہی ہے۔ ہمارے تمام رہنما جیل میں قید ہیں۔ اس لیے وہ اس تحریک میں ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ ہم اس کو تحریک نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ عظیم انقلاب ہے۔ لیڈر تحریک چلاتے ہیں اور عوام اسے انقلاب میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ہمارا بہادر دوست ابھئے کمار اس وقت بمبئی میں موجود تھا جب انقلاب کی پہلی چنگاری جلائی گئی تھی۔ اب وہ ہمیں بتائیں گے کہ انہوں نے وہاں کیا دیکھا اور ہمارے لیے وہاں سے کیا پیغام لایا ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ وہ گرفتاری سے بچ گئے ہیں۔ لیکن ہمارے پاس ایسی اطلاعات تھیں کہ پولس ان کا تعاقب کر رہی ہے وہ جانتے ہیں بمبئی سے بُلیٹن لانے والا ابھئے ہی تھا اور انقلاب کی آگ بھڑکانے میں اس کا ہی ہاتھ تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ ہمارے درمیان کب تک رہے گا لیکن وہ گرفتاری سے پہلے

www.urduchannel.in

سب کچھ کرنا چاہتا ہے۔ میں آپ تمام سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی بات پر قائم رہیں اور انقلاب کے تئیں وفادار رہیں اور اس میٹنگ کے متعلق کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلنے نہ پائے اور ہر کوئی کھڑے ہو کر اپنے عہد و پیمان کا حلف لے۔ پھر سب نے ایسا ہی کیا۔

"بہت خوب!" سکریٹری نے کہا۔

پھر ابھئے سے مخاطب ہو کر کہا، "میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں"۔

ابھئے آگے بڑھا اور کہا، "ساتھیو! یہ حسن اتفاق ہے کہ ہم نے ایسے زمانے میں جنم لیا جو انقلاب کا عہد ہے، جو ہماری آزادی کی فیصلہ کن جنگ کا عہد ہے، آنے والی نسلیں ہم پر فخر کریں گی اور ہماری قسمت پر رشک کریں گی۔ اس وقت ہم محض غلام ہیں اور کچھ نہیں، ہمارے قائدین نے ہمیں للکارا ہے اور 'کرو یا مرو' کا پیغام دیا ہے۔ ملک کی آزادی کے لیے ہمیں کچھ بھی کر گزرنا ہے یہاں تک کہ مرجانا ہے۔ وہ کام جس کا آغاز رانی جھانسی کے سپاہیوں نے بغاوت کے انداز میں ۱۸۵۷ء میں کیا تھا اس کی تکمیل کا وقت آن پہنچا ہے"۔

"ہمارا ملک عظیم ہے۔ قدیم ہے اور اس کی تاریخ اور روایت قابل فخر ہے۔ بلند ہمالیہ کی برف پوش چوٹیاں اعلان کرتی ہیں کہ وہ اس عظیم ملک کے سر کا تاج ہے۔ گنگا جمنا کا چمکتا پانی اس کے گلے کا ہار ہے۔ بحر ہند کی موجیں اس کے پیروں کو دھوتی ہیں لیکن افسوس کہ مقدس پہاڑوں کی چوٹیوں پر، ندیوں کے پوتر پانی پر اور سمندروں کی لہروں پر خود ہمارا اختیار نہیں ہے۔ سات سمندر پار سے آئے ہوئے فرنگی ان پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ جن کا تعلق ہماری نسل سے ہے نہ ہمارے مذہب سے اور نہ ہی ہماری تہذیب ان سے میل کھاتی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں۔ اب یہ ناقابل برداشت ہو چکا ہے۔

www.urduchannel.in

یہ ہمارا مقدس فریضہ ہے کہ ان کو بدل کر رکھ دیں اور یقیناً ہم بدل دیں گے"۔

"انگریز حکومت مہلک جنگ پر آمادہ ہے۔ ہم انہیں بھی کھونا نہیں چاہتے۔ لیکن اگر انہوں نے ہمیں آزادی نہ دی تو یقیناً اس میں ان کا بھی زبردست خسارہ ہے۔ اگر انہوں نے ہمیں آزادی دی تو ہم کندھے سے کندھا ملا کر ان کی اور اپنی آزادی کے لیے لڑیں گے"۔

"لیکن حکومت برطانیہ اس پر رضامند نہیں ہوگی۔ ان کی پوری جنگ ہندوستانیوں کے بل بوتے پر ہے جو ہماری مرضی کے خلاف ہے۔ وہ اپنی بات منوانے کے لیے ہمارے خلاف طاقت اور اذیت پہچانے کے ہر ہتھکنڈے کا استعمال کرتے ہیں لیکن ہمیں آہنی دیوار کی طرح کھڑے رہنا ہے۔ ہمیں مزاحمت کرنی ہوگی، مستحکم رہنا ہوگا اور انہیں برباد کرنا ہوگا۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بیدار عوام کی مرضی کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا"۔

"لیکن یہ سب ہمیں گاندھی جی کے طریقے پر کرنا ہوگا۔ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ صرف اور صرف عدم تشدد کے طریقے سے۔ ویسے تشدد بزدلی سے بہتر ہے۔ لیکن ہمیں مردوں کی طرح مرنا چاہئے چیونٹیوں کی طرح نہیں۔ ہمیں کچھ کر گذرنا ہے یا پھر مرجانا ہے۔ لیکن مرنے سے قبل ہمیں ملک کے لیے کچھ کر گذرنا ہے۔ بہادر آدمی ایک مرتبہ مرتا ہے۔ جنت کے دروازے ان لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں جو اپنی جانیں ملک کے لیے قربان کر دیتے ہیں"۔

"ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہندوستان میں ایک ایسی پارٹی ہے جو ہتھیاروں کے زور پر انقلاب لانا چاہتی ہے اور اس راستے سے آزادی چاہتی ہے۔ جو ان کے طریقہ کار کو پسند کرتے ہیں وہ ان کی اتباع کریں لیکن ہمارے لیے گاندھی کا بتایا ہوا راستہ ہی سب سے بہتر اور واحد راستہ ہے"۔

www.urduchannel.in

"گاندھی کا راستہ بزدلوں کے لیے نہیں ہے بلکہ بہادروں کے لیے ہے۔ یہ راستہ کمزوروں یا نہتوں کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو مرد میدان اور بہادر ہیں۔ ان کی اتباع کرتے ہوئے ہمیں حکومت کو مفلوج اور ان کی جنگی حکمت عملی کو مسدود کرنا ہوگا۔ حکومت کا خزانہ خالی ہونا ضروری ہے۔ تعینات و تقرر اور ذرائع ابلاغ بند ہونا چاہئے"۔

"کیا ہم ریلوے پُلوں کو برباد کرسکتے ہیں؟" ایک کارکن نے مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! تمہیں وہاں سرخ جھنڈا لیے کھڑا ہونا ہوگا تاکہ ٹرین رک جائے"، ابھئے نے جواب دیا۔

"لیکن اس میں کیا خاص بات ہے؟" اس شخص نے کہا۔

"ہم کچھ خاص کرنے کے پیچھے نہیں ہیں"، ابھئے نے کہا۔ "ٹرین میں بیٹھے معصوم اور بے گناہوں کو مارنا اور برباد کرنا، اس میں کیا تُک ہے؟ اگر پل کو برباد کرتے ہو تو تم دراصل مواصلات کو برباد کررہے ہو یہی تمھارا مقصد ہونا چاہئیے"۔

"کیا ہم پولس اسٹیشن جلا سکتے ہیں؟" ایک نوجوان نے پوچھا۔

"ہاں! لیکن پولس والوں کو نقصان پہنچائے بغیر"۔ ابھئے نے جواب دیا۔ "اگر لوگ تیار ہیں تو تم پولس والوں کی وردی نذر آتش کرسکتے ہو کیونکہ یہ وردی ولایتی طاقت کی علامت ہے۔ لیکن یہ آپ کا فرض ہے کہ پولس آفیسرز کی حفاظت کریں۔ پولس اسٹیشن، پولس والوں کی وردی اور وہاں کے کاغذات کو آگ لگانے کا مقصد دراصل ہندوستان میں برٹش پاور کو زک پہچانا اور کمزور کرنا ہے اور اصل میں یہ نفسیاتی فتح ہے"۔

"خواتین کا کیا کردار ہوسکتا ہے اس تحریک میں؟" ایک نوجوان لڑکی نے پوچھا۔

www.urduchannel.in

جب تک وہ کھڑی نہیں ہوئی تھی ابھئے کو معلوم نہیں تھا کہ اس میٹنگ میں کوئی عورت بھی شامل ہے۔ روشنی بالکل مدّھم تھی اور وہ اندھیرے میں ایک کونے میں بیٹھی تھی۔

''خواتین اہم کردار ادا کر سکتی ہیں''، ابھئے نے جواب میں کہا۔

''خواتین تو اس عظیم اور شکتی شالی دھرتی ماں کی علامت ہیں۔ وہ تو حوصلے اور ترغیب کا سرچشمہ ہیں۔ اگر وہ جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوتی ہیں تو ہماری فتح تو یقینی ہے''۔

''ہم تیار ہیں''، خاتون نے برجستہ کہا۔ ''ہم سب تھوڑی سے رہنمائی چاہتی ہیں!''

''تم تو ایک اچھی پُروپگنڈا ایجنٹ بن سکتی ہو۔ ہمارے منصوبوں کے اشتہارات تم گھر گھر پہنچا سکتی ہو، خفیہ پیغام رسانی کا کام کر سکتی ہو، ہماری تحریک کے لیے چندہ اکٹھا کر سکتی ہو اور زخمیوں کی تیمارداری کر سکتی ہو''۔

''میں سمجھ گئی!'' جوش و خروش سے بھری ذہین لڑکی نے کہا۔ ''ہم خواتین رضاکاروں کا دستہ بنانے کا کام شروع کریں گے''۔

اچانک گارڈ کو باہر سے ایک کار کی لائٹ نظر آئی۔ پولس کو میٹنگ کے متعلق سُن گُن لگ گئی تھی۔ کیچڑ اور ناہموار راستوں کی وجہ سے شاید انہیں آنے میں دیر ہو گئی۔ سکریٹری نے تمام کارکنوں کو فوراً ادھر ادھر ہونے کا حکم دیا۔

''ٹھیک ہے'' ابھئے نے کہا۔ ''ہم اب آزاد ہندوستان میں ملیں گے یا پھر سورگ میں۔ تب تک خدا حافظ اور گڈلک! ایک بار پھر سے دہرائیں 'کریں گے یا مریں گے!'۔''

ہر کوئی کھڑا ہو گیا اور یقین اور سنجیدگی کے ساتھ دھیمے انداز میں چلایا، ''کرو یا مرو''۔

گاؤں کی تمام روشنی فوراً بجھا دی گئی۔ پورے گاؤں میں مکمل اندھیرا چھایا تھا۔ سکریٹری نے دین بندھو سے کہا، ''ابھئے اور دونوں عورتوں کو کچّے راستے سے آم کے پیڑوں کے پیچھے

www.urduchannel.in

سے کھاپری ریلوے اسٹیشن کی طرف لے جاؤ۔ عورتوں کو پیسنجر ٹرین سے ناگپور روانہ کردو اور ابھئے کو تم جنوب مشرق میں واقع وردھا ندی کی جانب دیہات کی طرف لے جاؤ۔ سمجھے ؟ جلدی کرو! پولس ابھئے کا تعاقب کر رہی ہے اور ہمیں سب سے پہلے اسے بچانا ہوگا"۔

"ٹھیک ہے سر!" دین بندھو نے کہا اور اپنی لاٹھی اٹھائی پھر کہا "ابھئے اور تم (عورتیں) چلو نکل چلیں"۔

پانچ منٹ کے اندر ہی وہ گاؤں سے باہر نکل چکے تھے۔ روشنی سے اندھیرے کی جانب وہ پیدل چل رہے تھے۔ دین بندھو کے پیچھے ابھئے اور دونوں عورتیں چل رہی تھیں۔ سب کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ راستہ اوبڑکھابڑ، کیچڑ اور پتھروں سے اٹا پڑا تھا۔ انہیں گھپ اندھیرے میں کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ننگے پاؤں ہی چل رہے تھے مبادا انکے جوتے کیچڑ اور دلدل میں نہ پھنس جائیں اور ان کی رفتار دھیمی ہوجائے۔ لیکن کسی کو بھی گڑھوں اور پتھروں کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ آگے چل رہے تھے اور آگے بڑھ رہے تھے، ان کے دل خوشی سے پھولے نہیں سمارہے تھے۔ انہیں کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں سر چھپائیں گے اور کب اپنی منزل پر پہنچ پائیں گے۔ ان کے سر میں صرف ایک ہی سودا تھا کہ یہاں سے آگے نکلنا ہے۔ وہ ایک مانوس جگہ سے ایسی سمت جارہے تھے جو ان کے لیے بالکل انجان تھی۔ بیابان اور سنسان ڈگر تھی۔ لیکن انہیں کوئی شبہ یا ڈر نہیں تھا۔ ان کے مضبوط قدموں سے نشاندہی ہوتی تھی کہ ان کے ارادے مضبوط ہیں اور تاریخ ان کے نقش پا کو محفوظ کرلے گی۔ انہیں اپنی پریشانی اور مصیبتوں کا ذرہ برابر خیال نہ تھا۔ ان کی یہی خواہش تھی کہ ان کا ملک اس انقلاب کی کوکھ سے ایک عظیم الشان کامیابی کو جنم دے گا۔ دیش انہیں عزیز ہے، "بھارت ماتا کی جئے"۔

www.urduchannel.in

باب(۱۵)

وجیا اس رات بالکل سو نہیں پائی۔ ابھئے صبح بمبئی سے لوٹا اور اسی رات اس نے گھر چھوڑ دیا۔ اپنے فرض کے تئیں وہ کتنا حساس تھا! اس کے اندر کیسا ولولہ اور کیسی ہمت تھی! وہ تھوڑا سنکی معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر بھوت سوار ہو۔ وہ اپنے فرائض سے ایک انچ ادھر ادھر نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس کا حساب بھی نہیں رکھتا تھا کہ ان راہوں پر چلے گا تو اسے کتنی مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ ایک شعلہ کی مانند تھا جو خود اس لئے جلتا ہے کہ دوسروں کو روشنی دے سکے۔ پر جوش لگن اور جاں سپاری سے وہ کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ اسی ادا نے اس کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس شخص کے پاس عیش و عشرت اور راحت و آرام کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی اکثر سہلیوں کو توقع تھی کہ شادی کے بعد شوہر کی شاندار نوکری، بڑا سا بنگلہ، عالیشان کار، گھر میں نوکر چاکر، کلب، سنیما اور اسی طرح کے تفریح کے سامان تو ہونے ہی چاہئے۔ اسی قسم کی زندگی اس کے چاچا گذارتے تھے۔ ان سب سے اس کی طبیعت اوب گئی تھی۔ یہ کس طرح کی زندگی تھی؟ اس قسم کے لوگ محض پیدا ہوتے تھے اور مرجاتے تھے انہیں کوئی یاد بھی نہیں رکھتا تھا۔ جنگلوں میں جانور جیتے تھے اور مرجاتے تھے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ لیکن انسانی زندگی کچھ مختلف ہونی چاہئے۔ اگر آپ وقت کی ریت پر اپنے نقوش نہ چھوڑ پائے تو زندگی کے کیا معنی۔ اگر آپ نے کوئی مقصد حاصل نہ کیا اور یونہی مرگئے تو آپ کا کوئی رونے والا اور عزت کرنے والا بھی نہ ہوگا اور آپ بغیر کسی ذکر کے مرجائیں گے۔ ایسی روکھی سوکھی زندگی سے وہ اوب چکی تھی وہ ایسی زندگی سے بھاگ جانا چاہتی تھی اور آخر اس نے ابھئے کی شخصیت میں ایسا ٹھکانہ اور پناہ حاصل کر ہی لیا تھا۔ اور اس نے اس

www.urduchannel.in

کو اپنا سب کچھ دے دیا تھا۔ اسے اس کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ اس کی زندگی مشقت سے پُر تھی بعض اوقات تو گھر میں کوئی سبزی بھی نہ ہوتی اگر کبھی دودھ ختم ہو جاتا اسے چائے تک نصیب نہ ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ٹوٹی چارپائی تک کی مرمت نہیں کر سکتی تھی وہ فرش پر ہی سو جاتی تھی۔ جب سے اس کی شادی ہوئی تھی اسے ایک گز کپڑا تک نصیب نہ ہوا۔ چاچا کے گھر سے جو ساڑیاں اسے ملی تھیں وہی اس کے پاس تھیں۔ زیور کے نام پر اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا صرف اس کے ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنے چھوٹے سے گھر میں خوش و خرّم تھی۔ ابھئے کے روپ میں تو اسے جنت کی سی خوشی و انبساط نصیب ہوا تھا۔ یہ اس کی سعادت اور خوش نصیبی تھی۔ پچھلے جنم میں اس نے ضرور کوئی نیکی کی ہوگی جس کے صلے میں اسے ابھئے کمار جیسا شوہر ملا۔ اس سے محبت کرنا گویا بھگوان سے عقیدت رکھنا جیسا تھا۔ ابھئے کی صورت میں اسے اپنے خالق کی شبیہ نظر آتی تھی، وہ سوچتی تھی دنیا میں عورت کی کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کی قسمت قابلِ رشک نہیں تھی۔ وہ اپنی پاکیزہ محبت کی تکمیل پر بھگوان کی شکر گذار تھی۔

اور ابھئے! اس کو بھی احساس تھا کہ وجیا اس کی وجہ سے ہی مکمل اور بھرپور عورت بن سکی تھی۔ کیا وہ اس کے لیے ایک دیوی کی مانند نہیں تھی جو اس کے لیے جوش و جذبہ اور تحریک کا سرچشمہ تھی۔ اس کی محبت نے کبھی اسے مدہوش نہیں ہونے دیا۔ اور نہ ہی اسے شہوت پر اکسایا جس کی وجہ سے کبھی اس کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ اسکی محبت سے ہمیشہ اسے قناعت، ضبطِ نفس اور شجاعت کی تقویت ملتی تھی۔ وہ ایسا مرد تھا جس نے سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اس کی بہادری اور اپنے مقصد کے تئیں ثابت قدمی دیکھ کر وجیا لرز جاتی تھی۔ اس کی خوشی میں وہ اپنی خوشی محسوس کرتی تھی حالانکہ وہ حقیقت سے کوسوں دور تھا اس سے کیا فرق

www.urduchannel.in

پڑتا تھا۔ بزدل کبھی ناکامی اور دیوالیہ پن کا اظہار نہیں کرتا کیونکہ وہ کوشش اور تگ ودو سے کتراتا ہے۔

ابھئے کے انگ انگ میں وجیا سمائی ہوئی تھی اور اس طرح وجیا کی ہر ہر سانس اور دل کی ہر دھڑکن میں ابھئے رچا بسا تھا۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے ایک لمحہ کے لیے بھی دور کیسے ہوسکتے تھے۔ پاکیزہ محبت ایسی گہری جیسے کوئی مقدس رازونیاز ہو جس کی ڈور نے انہیں ایک جان دو قالب بنا رکھا تھا۔ او بھگوان! آپ کتنے مہربان ہو! وہ سراپا احسان منداور شکر گذار تھی۔

بہر حال وہ رات جدائی کی تھی لیکن اس کے دل میں رہ رہ کر ایک ٹیس اٹھ رہی تھی۔ وہ ایک انجانا سا خوف محسوس کر رہی تھی۔ کبھی اس کے من میں خیال آتا کہ کیا رات کی تاریکی اس کے ابھئے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نگل لے گی۔ دھرتی ماں اس کی کوکھ کو پھاڑ ڈالے گی جہاں سے ایک آتش فشاں پھٹ پڑے گا۔ کون ہوگا جو منہ پھاڑے یہ سب نگل سکے گا۔ اس کا دل نامعلوم اور عقل کو حیران کرنے والے خوف سے کانپ جاتا تھا۔ جو وسوسوں کی آماجگا بن گیا تھا۔ وہ بستر پر ہی بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر بھگوان کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ مائی! اب تم ہی میرے سرتاج کو بچا سکتی ہو۔ اب میرے پاس کوئی چارہ اور پناہ گاہ نہیں ہے۔ او ماں! میں آپ کے چرنوں میں بیٹھی ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اسے بھی نہیں معلوم کب اسے جھپکی لگ گئی۔ جب کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ہڑبڑا کر اس نے آنکھیں کھولیں اس وقت آدھی رات کا وقت تھا۔ صبح سویرے کون آسکتا تھا؟ جبکہ گھر میں کوئی مرد بھی نہیں تھا۔ شاید کوئی نہیں ہوگا۔ اس نے محض خواب دیکھا ہوگا۔ وہ بستر پر پڑے پڑے کروٹ بدل رہی تھی اور سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ تب دوبارہ کسی نے ذرا زور سے دروازے پر دستک دی۔ ”کون ہے؟“ اس نے پوچھا۔

www.urduchannel.in

"پولس!" فوراً جواب آیا۔

"ٹھرو، میں آرہی ہوں!" اس نے کہا۔ باہر سناٹا تھا۔

وہ اپنے بستر سے کھڑی ہوگئی اور اپنے کپڑے درست کئے اور ماں کو جگانے گئی جو بغل والے کمرے میں سو رہی تھیں۔ لیکن ماں پہلے سے ہی جاگ چکی تھی۔ "تو شیطان لوگ پہنچ ہی گئے"، ماں نے وجیا کو دیکھتے ہی کہا۔

"کیا آپ نے بھی ان کی آواز سن لی تھی؟"

"ہاں انہوں نے دروازہ اتنے زور سے ہلایا جیسے طوفان آگیا ہو"۔

"جلدی دروازہ کھولو! ورنہ ہم گولی چلادیں گے"۔ کسی نے باہر سے چلّایا۔

وجیا نے جب دروزہ کھولا تو اس نے دیکھا کہ پولس کی وردی میں ایک لمبا تڑنگا شخص کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے ہاتھ میں ٹارچ تھا۔ اور اس کے پیچھے تین چار سب انسپکٹر بھی کھڑے تھے۔ اسی وقت اس نے نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ تیس چالیس کانسٹیبل ہاتھوں میں لاٹھیاں لئے گھر کے اطراف گھیرا ڈالے ہوئے تھے اور سڑک پر پولس کی دو گاڑیاں بھی موجود تھیں۔

"ابھئے کمار کہاں ہے؟" ایک آفیسر نے گرجدار آواز میں پوچھا۔

"وہ یہاں نہیں ہے!"

"وہ کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتی!"

"کیا وہ بمبئی سے آج صبح نہیں لوٹا ہے؟ وہ دوبارہ باہر کیسے جاسکتا ہے، وہ ضرور گھر میں چھپا ہوا ہے۔ اسے باہر بھیجو! میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں۔ ورنہ تم مصیبت میں پڑجاؤگی"۔

www.urduchannel.in

"کیسی مصیبت؟ میں تمہیں سچ کہہ رہی ہوں"۔

"پھر بتاؤ کہ وہ کہاں ہے؟"

"میں کیسے بتا سکتی ہوں جبکہ میں کچھ نہیں جانتی، وہ کچھ بتا کر نہیں گئے تھے"

آفیسر پیچھے مڑا اور انسپکٹر اور سب انسپکٹر سے چیختے ہوئے بولا "گھر میں چھاپا مارو اور اسے ڈھونڈ نکالو"۔

کانسٹیبل چھوٹے سے گھر میں گھس پڑے۔ ان کے جوتوں کی آواز سے فرش گونج اٹھا۔ ماں کو تھر تھری چھوٹ گئی، پیتل کا لوٹا لیکر وہ لیٹرین کی طرف دوڑ پڑیں۔

"اے بڑھیا! تم کہاں جا رہی ہو؟" ایک کانسٹیبل دھاڑا، "واپس آجاؤ یہاں"۔

لوٹا ماں کے ہاتھوں سے گر پڑا اور وہ وہیں دھب سے بیٹھ گئیں۔

تلاش شروع ہوئی۔ پولس پارٹی کے لیڈر نے وجیا سے کہا کہ تلاش میں کانسٹبل کی مدد کرو۔

"میں تمھاری مدد نہیں کر سکتی"، اس نے دوبدو جوب دیا۔ "تم اپنا کام خود کرو"۔

دو گھنٹے تلاشی چلی۔ ایک ایک کاغذ کے پرزے کو پڑھا گیا کہ شاید یہ بمبئی کا بُلیٹن ہو جو ابھئے کے متعلق سراغ دے سکے۔ اس کی تمام کتابوں کو جھٹکا گیا۔ کانسٹبل نے پیپرز اور فوٹوز کو بھی ضبط کر لیا۔ وہ وجیا کے "لو لیٹر" بھی لے جانا چاہتے تھے لیکن وجیا نے سخت احتجاج کیا۔ آخر کار وہ مان گئے۔ لیکن وہ لفافے پر ہنڈ رائٹنگ کو بار بار دیکھ رہے تھے کہ شاید ابھئے کے علاوہ کسی اور کی تو یہ رائٹنگ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے پورے گھر میں افراتفری مچادی۔ ایسا لگ رہا تھا گویا گھر میں سرکش گھوڑے دوڑے ہوں۔ جب ان پولس والوں کو ابھئے یا اس کے متعلق کوئی کاغذ ہاتھ نہیں لگا تو وہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

www.urduchannel.in

جاتے ہوئے آفیسر نے وجیا سے کہا، ''ابھئے جیسے ہی گھر آئے تو تم فوراً اس کی رپورٹ تھانے میں کرو۔ اس کے خلاف کئی الزامات ہیں اور اس کی گرفتاری کا ہمارے پاس وارنٹ بھی ہے۔ مجرم کو پکڑوانے میں پولس کی مدد کرنا تمھاری ڈیوٹی ہے۔ ورنہ تمہیں بھی گرفتار کیا جاسکتا ہے''۔

''گرفتار کرو مجھے! یہاں اور اسی وقت، میں جانے کے لیے تیار ہوں''۔

''نہیں! لیکن اپنی حرکتوں پر دھیان رکھو!'' یہ کہتے ہوئے آفیسر اپنے لوگوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہا ''اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔ اب یہاں ہمارا کوئی کام نہیں ہے۔''

''لیکن اس گندگی کو کون صاف کرے گا''۔ وجیا نے تلاش کے دوران بکھرے سامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ہمارا کام نہیں ہے''۔ جھلّاتے ہوئے روکھے پن سے جواب دیا گیا۔

''پھر یہ کون کرے گا؟ تمھارے آدمی جنگلی گھوڑے کی طرح یہاں وہاں دوڑتے رہے۔ یہ ان کا کام ہے کہ سامان کو اچھے سے رکھیں''۔ وجیا نے کہا۔

''تم اپنا کام کرو!'' ایک انسپکٹر نے خوں خوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مزید کہا۔ ''کیا تم نہیں جانتی کہ تم ایک پولس سے بات کر رہی ہو؟''

''ہاں تو کیا؟ تم کیا کرلوگے؟ میرے سینے پر گولی چلاؤگے! میرے پیٹ میں سنگین اتاروگے''۔ وجیا نے ایک سانس میں سب کہہ دیا۔ اس نے مزید کہا، ''تم اگر ایک عورت کو مارتے ہو تو اپنی انسانیت کس طرح بتاؤگے اور دوسرے ملک کا نمک کھاتے ہو کیسے ثابت کروگے؟''

''بکواس بہت ہو چکی، اس کو بھی گرفتار کرو!'' ایک آفیسر چلّایا۔

www.urduchannel.in

چار کانسٹیبل آگے بڑھے ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ لیکن وجیا بہادری سے کھڑی ہوگئی۔

"ٹھہرو!" ایک دوسرے آفیسر نے کہا اور اپنے لیڈر کے کان میں کچھ بدبدایا، انہوں نے وجیا کے موٹے پیٹ کی طرف دیکھا۔

"کوئی حرج نہیں ہے"، لیڈر نے کہا۔ "ہمیں ابھئے کمار کی تلاش ہے اس ڈرپوک لڑکی کی نہیں۔ چلو کوچ کریں!"

چند منٹوں میں پولس نے اپنا گھیرا ختم کردیا اور پولس وین بھی چلی گئی۔

وجیا نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اس وقت صبح کے تین بج رہے تھے۔

www.urduchannel.in

باب(۱۶)

ابھئے، دین بندھو اور دو خواتین رضا کار کھاپری ریلوے اسٹیشن پر دو بجے صبح سویرے پہنچے۔ دور سے ہی انہوں نے ریڈ سگنل دیکھا تو انہیں اطمینان ہوا۔ ٹرین آنے تک ان کے پاس دو گھنٹے تھے۔ وہ تھک چکے تھے خاص طور سے خواتین تو بری طرح تھکاوٹ محسوس کر رہی تھیں۔ دین بندھو چند منٹوں میں ہی خرّاٹے لینے لگا۔ اسی طرح ایک خاتون بھی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ لیکن ابھئے اور شانتا نامی لڑکی جس نے میٹنگ میں سوالات پوچھے تھے نہیں سو سکے تھے۔ شانتا جانتی تھی کہ تین گھنٹے بعد ٹرین آئے گی اور ابھئے چلے جائے گا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اب وہ کب دوبارہ مل سکیں گے۔ وہ ناگپور کے وی منس کالج میں انڈر گریجویٹ کی طالبہ تھی۔ ۱۹۲۳ء میں اس کے والد جیل میں بھوک ہڑتال کرتے ہوئے انتقال کر گئے تھے۔ وہ جھنڈا ستیہ گرہ کے دوران گرفتار کیے گئے تھے۔ اس وقت وہ بمشکل ایک برس کی تھی اب وہ اپنے والد کا انتقام لینے کے لیے بغاوت کی آگ میں کود پڑی تھی۔

اس نے ابھئے کے متعلق کافی کچھ سن رکھا تھا۔ اس نے ابھئے کو کالج کے بحث و مباحثہ میں بھی حصّہ لیتے دیکھا اور سنا تھا۔ اور جب اس نے گاندھی جی کی گرفتاری کے بعد بمبئی میں بغاوت کے اعلان کی تجویز سنی تو وہ اس تحریک کی آگ میں کود پڑی۔ مقامی کانگریس سیکریٹری نے اس کو ابھئے سے ملنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ اس میٹنگ میں آئی تھی۔ حالانکہ کیچڑ اور بارش سے راستے بہت خراب ہو چکے تھے۔ وہ ابھئے کی بڑی قدر کرتی تھی۔ ابھئے کا چہرہ روحانی روشنی سے منور نظر آتا تھا۔ وہ فطری طور پر نیک طینت اور بلند اخلاق کا مالک تھا۔ جس کی وجہ سے ہر کوئی اس کا احترام کرتا تھا۔ اگر ابھئے اس کو اس تحریک کی آگ میں

www.urduchannel.in

کود پڑنے کو کہے گا تو وہ بلا جھجک اس میں کود پڑے گی۔

ٹرین کی آمد کی گھنٹی بج چکی تھی۔ شانتا نے ابھئے سے مخاطب ہو کر کہا، ''میرے لیے کیا پیغام ہے؟''

''میں انقلاب کے متعلق تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں''۔

اس نے سر ہلایا اور کہا، ''اس کے علاوہ اور کچھ کہنا ہے''۔

ابھئے ایک لمحہ کے لئے سوچنے لگا اور پھر کہا، ''اگر تمھارے پاس کچھ وقت ہو تو میرے گھر چلی جانا اور وجیا کا خیال رکھنا۔ مجھے خود کچھ نہیں معلوم کہ جب اس کا وقت آئے گا تو میں کہاں رہوں گا۔

''آپ اس کی فکر مت کیجئے''۔ شانتا نے یقین دلایا اور کہا، ''میرے پاس رضا کار لڑکیوں کی ایک ٹولی ہے میں ان سے کہہ دوں گی۔ وہ لڑکیاں ہر کام کرنے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں وجیا دیدی کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

ابھئے نے کہا، ''شانتا تمھارے جیسی کارکن کے علاوہ میرے پاس کوئی دوسرا مددگار نہیں ہے''۔ پھر وہ ذرا جذباتی ہو گیا۔ اچانک اسے وہ دل سوز لمحہ یاد آ گیا جب وجیا اسے الوداع کہنے دروازے پر کھڑی حسرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل بھر آیا۔

پسنجر ٹرین آئی دونوں خواتین رضا کار اس میں سوار ہو گئیں اور ٹرین ناگپور کی جانب روانہ ہو گئی۔ ابھئے بیٹھا ٹرین کے آخری سرے کی لال بتی دیکھ رہا تھا۔ جو ہر لمحہ آنے والی چیزوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ راستہ حالانکہ اس کے گھر کی سمت جاتا تھا لیکن آج اس کا راستہ بالکل مختلف سمت میں جا رہا تھا۔ اسے گھر چھوڑنا پڑا اور ایک انجان راستے پر چلنا پڑا جہاں غلامی کا اندھیارا ختم ہوا چاہتا تھا اور آزادی کی روشنی سے سارا راستہ جگمگانا چاہتا تھا۔ ان

www.urduchannel.in

راہوں پر چلتے چلتے ممکن ہے وہ ٹھوکر کھاکر گر پڑے لیکن اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ہر حال میں اسے اسی سمت چلنا ہے اور اپنے مقصد تک پہنچنا ہے یہی اس کا فرض عین تھا، یہی اس کے مشن کا نصب العین اور یہی اس کی آخری منزل تھی۔ اس نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور کہا ''دین بندھو! اب ہمیں چلنا چاہئے۔ سورج غروب ہونے سے قبل دوسرے گاؤں تک ہمیں پہنچنا ہے''۔

www.urduchannel.in

باب(۱۷)

دین بندھو عجیب و غریب شخص تھا۔ جب سے وہ قومی تحریک سے منسلک ہوا تھا تب سے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ ایک سال یا چھ مہینہ کے لیے جیل نہ گیا ہو۔ جب وہ صرف سولہ سال کا تھا تب گاندھی جی نے ۱۹۲۰ء میں پہلی مرتبہ عدم تشدد کی تحریک شروع کی تھی۔ دین بندھو نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا اور انڈین پینل کوڈ کی دفعہ ۱۴۴ کو توڑنے کی جرأت کی جس کی پاداش میں اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا گیا جہاں اسے تین ماہ چکی پیسنے کی سخت سزا بھگتنی پڑی۔ جب وہ رہا ہوا تو اس کی صحت تقریباً پوری طرح خراب ہو چکی تھی۔ ان دنوں جیل دوزخ کی طرح ہوتی تھیں۔ اسے صحت مند ہونے میں تقریباً چھ ماہ لگ گئے۔ ۱۹۲۳ء کو ناگپور میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے جھنڈا ستیہ گرہ کا اعلان کیا۔ دین بندھو اس شامل ہو گیا۔ ۱۹۳۰ء میں دین بندھو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اس وقت اسے کانگریس بلیٹن تقسیم کرنے کے جرم میں سزا ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں اسے نو مہینوں کے لیے قید کر کے جیل بھیجا گیا۔ ۱۹۴۰ء میں جب ونوبا بھاوے نے خود ستیہ گرہ کا اعلان کیا تو دین بندھو بھی ان کا ساتھ دینے دوڑ پڑا۔

جب کبھی ملک کے لیے آواز دی گئی دین بندھو کے لیے ناممکن تھا کہ وہ پیچھے کھڑا رہے۔ اس کے ماں باپ اس کی شادی کے لیے اصرار کرتے تھے اس امید پر کہ شاید اس سے اس کے برتاؤ میں فرق آجائے اور وہ اس جوکھم بھرے کام سے باز آجائے گا۔ لیکن عورت کا رِجھاؤ بھی اسے بدل نہ سکا۔ وہ ایک اچھا گھڑی ساز تھا جب کبھی ہڑتال ہوتی وہ اپنی دکان بند کر دیتا اور ہڑتال میں شریک ہو جاتا۔ جب کبھی کوئی لیڈر گرفتار کیا جاتا اور احتجاجاً دکانیں بند کا اعلان ہوتا تو سب سے پہلے دین بندھو اپنی دکان بند کرتا۔ وہ اپنے کاروبار کو خوب سمجھتا تھا۔

www.urduchannel.in

اس کے بیشتر گاہک پیسے والے اور بارسوخ لوگ تھے۔ اکثر ان کی گھڑیاں مدتوں اس کے پاس درستی کے لیے پڑی رہتی تھیں کیونکہ دین بندھو اکثر سیاسی جھمیلے میں ملوث رہتا تھا۔ لیکن اگر ایک مرتبہ گھڑی اس نے اپنے ہاتھوں سے درست کردی تو پھر اسے دوبارہ درست کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔

دین بندھو کے والد نے اسے ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۹ء تک بمبئی بھیج دیا۔ اس وقت وہاں سیاسی سرگرمیاں تقریباً بند پڑی تھیں۔ گاندھی جی بھی خاموش تھے۔ دین بندھو سوئیس کمپنی میں اپرنٹس کے طور پر کام کررہا تھا۔ وہ بہت ہوشیار اور محنتی تھا، اس کی ٹریننگ کے دوران کوئی قومی تحریک نہیں تھی۔ ٹریننگ مکمل کرکے جب وہ واپس آیا تو دو سال کے عرصے میں اپنی اچھی ساکھ بنالی۔ انہی دنوں اس کی شادی بھی کردی گئی۔ اس کے والدین بہت خوش تھے کہ اس کی زندگی پٹری پر آگئی تھی اور اس کا کاروبار بھی چل پڑا تھا۔

دو یا تین سال کے عرصے میں اس کے والدین انتقال کرگئے۔ ان کی آنکھیں بند ہونے سے پہلے انہیں اپنے پوتے کو دیکھنے کی حسرت و تمنا رہ گئی۔ لیکن انہیں معلوم تھا کہ بچہ وقت پر ہی آئے گا۔

مقدر کے لکھے کو کون ٹال سکتا تھا۔ دو تین بچے ہوئے لیکن وہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکے۔ ایک بچہ تو مردہ پیدا ہوا دوسرا تین ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ دین بندھو کی بیوی بری طرح رو رہی تھی۔ اس نے اسے دلاسا دیا اور کہا ”رونے چلانے سے کیا فائدہ ہے لکشمی؟ وہ بھگوان کے گھر سے آئے تھے اور واپس چلے گئے۔ اگر تقدیر کے ہاتھوں نے انہیں ہمارے حصہ میں نہیں لکھا تو ہم کیا کرسکتے ہیں؟ یہ تو بھگوان کی مرضی ہے۔“ لیکن یہ الفاظ لکشمی کو دلاسا کیا دیتے اس کے غم کو مزید بڑھا گئے۔ وہ سوچتی تھی کہ بدقسمتی نے اسے گڑھے میں ڈھکیل دیا ہے

www.urduchannel.in

اور وہ قسمت کے آگے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دن رات محنت کرتی تھی اور اپنے شوہر کی کم آمدنی کے باوجود کفایت شعاری سے اپنا گھر چلاتی تھی۔

دین بندھو اکثر و بیشتر گھر سے دور ہی رہتا۔ شام ہوتی اور وہ دکان بند کر کے سیدھا کانگریس آفس چلا جاتا اور وہاں اپنے ذمہ کا کام پوری دلجمعی اور دلچسپی سے کرتا۔ وہ مخلص رضاکار کی طرح کام کرتا تھا۔ اسے اگر آفس میں جھاڑو لگانے کے لیے کہا جاتا تو اس میں بھی وہ جھجک محسوس نہیں کرتا تھا۔ رضاکاروں کی ٹولی کا چیف اس پر پورا بھروسہ اور اعتماد کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دین بندھو کے ذمہ جو کام بھی دیا جائے وہ پوری ایمانداری سے کرے گا۔ اگر اس نے کسی کام کی ہامی بھر لی تو سمجھ لو کہ وہ پتھر کی لکیر ہو گئی۔ اس کی قوت ارادی اس قدر مضبوط تھی کہ اس کے فیصلے کو بدلنا ناممکن تھا۔

۱۹۳۰ء میں یوم گڑھوال کے جلوس میں دین بندھو پیش پیش تھا۔ یہ جلوس دراصل گڑھ وال ریجیمنٹ کے سپاہیوں کو مبارک باد دینے کے لیے نکالا گیا تھا جنہوں نے نہتے ہندوستانیوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ پولس اور ملٹری نے جلوس کو روک دیا تھا وہ موقع پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ پولس نے جلوس میں شریک لوگوں کو دھمکی دی تھی کہ سب ادھر ادھر منتشر ہو جائیں لیکن انہوں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ پولس نے اپنی سنگینوں کو ٹھیک کرنا شروع کر دیا تھا اور اپنی رائفلوں کو تان دیا تھا۔ گھوڑ سوار، بیٹھے لوگوں پر دوڑنے کو تیار تھے۔ لیکن اس جم غفیر میں عورتیں اور مرد کثیر تعداد میں شامل تھے۔ جس کی قیادت دین بندھو کر رہا تھا۔ وہ مسلسل بیٹھا رہا اسے جنبش تک نہ ہوئی اور وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ جیسے یہ ملٹری کی بڑی طاقت کسی اور کے لیے بلائی گئی ہو۔ دین بندھو نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی بانسری نکالی اور اسے بجانے لگا۔ اور پھر نعرے لگانے لگا۔ ”گاندھی جی کی جئے“۔ اس کی بے خوفی

www.urduchannel.in

اور بے فکری کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا وہ اپنی جگہ پر جوں کے توں بیٹھے رہے۔ پولس کا حوصلہ پست ہو گیا اور آدھی رات کو وہ دھیرے دھیرے چلے گئے۔ اس طرح یہ احتجاجی دن کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود دین بندھو کو کوئی غرور اور زعم نہیں تھا۔ وہ خاکساری اور سادگی کا پتلا تھا۔ وہ کبھی عزت کے پیچھے نہیں بھاگتا تھا۔ اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھے کسی کمیٹی میں شامل کیا جائے وہ کبھی اسٹیج پر بھی نہیں بیٹھتا تھا۔ نہ اسے شہرت کی چاہت تھی اور نہ ہی وہ پھولوں کا ہار پہن کر اپنی عزت کروانا چاہتا تھا۔ اسے فوٹو نکلوانے کا بھی شوق نہیں تھا۔ اگر کوئی اس کی تعریف کرتا تو وہ شرما جاتا اور بات کا موضوع بدل دیتا۔ وہ کانگریس کمیٹی کا اتنا کام کرتا مگر وہ ایک پائی بھی نہیں لیتا تھا۔ وہ جب کسی کام میں مصروف ہوتا تو بھوک، پیاس، گھر، دھندا سب بھول جاتا تھا یہاں تک کہ اسے خود کا بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔

بیچاری لکشمی! اس کی قسمت میں دن رات صرف اس کا انتظار کرنا ہی تھا۔ کبھی کبھی تو دین بندھو آدھی رات کو آتا۔ وہ معصوم عورت بھوکی بیٹھی اپنے شوہر کا انتظار کرتی رہتی تھی۔ وہ اس وقت تک نہ کھاتی جب تک کہ اس کا شوہر کھا نہیں لیتا۔ دین بندھو نے ہزاروں مرتبہ اس سے کہا کہ وہ اس کا انتظار نہ کیا کرے۔ وہ کہتا "تمھیں کھانا کھالینا چاہئے اور میرے لیے کھانا ڈھانک کر رکھ دو اور سونے چلے جاؤ"۔

لیکن اس بندی نے کبھی اس کی بات نہیں مانی الٹا وہ کہتی تم دن رات بھوکے پیاسے اتنی محنت کرتے ہو اور مجھ سے توقع رکھتے ہو کہ میں گھر میں بیٹھی اکیلے کھانا کھالوں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ باتیں روز کا معمول بن گئی تھیں۔ دین بندھو اسے ایسا کہنا کبھی نہیں بھولتا اور وہ کبھی اس کی بات نہیں مانتی۔ لیکن مٹی تیل کی لالٹین کی مدھم روشنی میں اور رات کی خاموشی میں

www.urduchannel.in

جب وہ سوکھی روٹی کھاتے تو انہیں یوں محسوس ہوتا گویا وہ جنت کا من و سلویٰ کھا رہے ہوں۔

لکشمی اپنے شوہر دین بندھو سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ جس کا جواب وہ اتنی ہی شدت سے دیتا تھا۔ اگر اس سادہ مزاج غیر تعلیم یافتہ عورت کے لیے دین بندھو بھگوان کا روپ تھا تو دین بندھو کے لئے لکشمی دیوی کی مانند تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس کا پتی صرف دیش کی سیوا کے لیے بنا تھا اور اس کے لیے سب کچھ کر سکتا تھا۔ وہ روپے پیسے کی بھی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ کوئی حرج نہیں، ان کے گھر میں شدید غربت تھی اس کے باوجود وہ ملک کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھتا تھا مگر اس کے اس جذبے کی کسی کو قدر تک نہ تھی۔

پڑوسن عورتیں اکثر لکشمی سے کہتیں کہ تم انہیں ایسا کرنے سے روکتی کیوں نہیں ہو؟ اگر وہ اپنی دکانداری کرے تو کتنا کما لے گا اور تم سونے کا ہار پہن سکو گی۔ لیکن وہ ہمیشہ یا تو جلوس میں ہوتا ہے یا پھر جیل میں اور تم یہاں بھیک منگوں کی طرح بیٹھی رہتی ہو۔

"میں انہیں کیوں روکوں"، لکشمی بڑے وشواس کے ساتھ کہتی۔ "کیا پتنی کی ذمہ داری نہیں ہے کہ پتی کی خوشی کی خاطر خود کو مٹا دے؟ میں اسے کیوں روکوں جبکہ وہ کام اسے جان سے بھی زیادہ پیارا ہے۔ اور پھر وہ کیا غلط کر رہے ہیں؟ یہ کام کیا ملک کی بھلائی کے لیے نہیں ہے؟ وہ کبھی نہ سگریٹ پیتے ہیں نہ ہی انہیں شراب کا شوق ہے۔ نہ وہ جوا کھیلتے ہیں۔ جبکہ جھوپڑپٹی میں اکثر مزدور لوگ شراب پیتے ہیں اور اپنی پتنیوں کو دن رات پیٹتے بھی ہیں۔ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جب وہاں سے چیخ پکار کی آواز نہ آتی ہو۔ لیکن جب دین بندھو رات میں آتے ہیں میرا گھر خوشی سے ناچ اٹھتا ہے جیسے یہ ورنداون ہو جہاں بھگوان کرشنا کھیل رہے ہوں۔ بھگوان مجھ پر اتنا مہربان ہے تو کیا میں اپنی خوشی کے لیے خود گڑھا کھودوں گی۔ نہیں! ایسا میں ہرگز نہیں کر سکتی۔ پڑوسن عورتیں یہ سنتیں تو سر جھکائے چلی جاتیں وہ اپنے آپ کو اس

www.urduchannel.in

کے سامنے بونا محسوس کرتی تھیں لیکن لکشمی کے دل میں اپنے شوہر کے لیے محبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

ایک دن لکشمی دردزہ میں مبتلا ہوگئی۔ اس نے ایک بچے کو جنم دیا تھا۔ جبکہ اس سے قبل اس کی دو بیٹیاں مرچکی تھیں۔ وہ فخر محسوس کررہی تھی اور اس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ وہ محسوس کررہی تھی کہ جنت کی خوشیاں بھی اس کے سامنے ہیچ تھیں۔ آہستہ آہستہ اس کا بیٹا چار ماہ کا ہوچکا تھا۔ وہ ٹوٹ کر جان و دل اس پر نچھاور کرتی تھی۔ اسے بیٹے سے والہانہ اور جنون کی حد تک محبت تھی۔ اس کی محبت میں وہ خود کو بھی بھول جاتی تھی۔ دین بندھو بھی بھگوان کی اس مہربانی پر دل سے شکرگزار تھا کہ اس نے اس کی زندگی میں بے پناہ خوشیاں بھر دی تھیں۔

وہ دعا کرتا کہ بھگوان اس بچے کی حفاظت کرنا کم از کم اس کی ماں کی خاطر! لکشمی بھی بیٹا پاکر اپنی تنہائی کا احساس تک بھول گئی تھی۔ دین بندھو نے دیکھا کہ جنگ عظیم دوم بس چھڑنے والی تھی اور گاندھی جی خاموش بیٹھ نہیں سکتے تھے انہوں نے ملک کے لوگوں کو اس جنگ میں کود پڑنے کے لیے للکارا۔ اس موقع پر دین بندھو یقیناً جیل جائے گا۔ اس مرتبہ لگتا تھا کہ وہ چند مہینوں یا سال بھر تک جیل سے رہا ہونے والا نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا کہ ان سیاسی قیدیوں کو جنگ کے خاتمے تک جیل میں رہنا ہوگا اور کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ جنگ کب ختم ہوگی۔ تین چار سال یا پھر اس سے زیادہ مدت تک جنگ جاری رہ سکتی تھی۔ پھر بتاؤ غریب لکشمی کا کیا ہوگا۔ یہ بچہ اس کا مستقل سہارا اور آس تھا۔ ”بھگوان اس کی حفاظت کرنا، تیری ہی عطا ہے، لکشمی سے اسے ہرگز جدا نہ کرنا“۔ دین بندھو بھگوان سے دعا کرتا تھا۔ لیکن بھگوان کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ایک دن دین بندھو نے ذرا جلدی ناشتہ کرلیا اور اپنی دکان کی طرف چلا گیا۔ لکشمی نے اپنے بچے کو دیکھا تو وہ بخار میں تپ رہا تھا۔ اس کا دل دھک سے ہوگیا۔ اس نے مقامی ڈاکٹر کو

www.urduchannel.in

بلایا۔ ڈاکٹر نے لڑکے کو دیکھا اور دو خوراک دوا دی اور چلا گیا۔ کچھ گھنٹوں کے بعد لکشمی نے دین بندھو کی دکان پر کسی کو محض یہ اطلاع دینے بھیجا تو دکان بند تھی اور دین بندھو وہاں نہیں تھا۔

یہ واقعہ ۱۳/ اپریل ۱۹۴۲ء کا تھا۔ سارا شہر جوش و خروش کے ساتھ جلیان والا باغ کے یوم کا جشن منا رہا تھا۔ عوام کا جوش پورے شباب پر تھا۔ اس سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ آزادی کی دوسری جدوجہد کا آغاز ہونے والا تھا۔ عوام کا جوش و جذبہ ابل پڑا تھا۔ ساری فضا فلک شگاف نعروں سے گونج رہی تھی۔ ہزاروں لوگ جلوس کی شکل میں سڑکوں پر تھے۔ عوامی جلسہ میں لوگ بڑی تعداد میں موجود تھے۔ عوامی لیڈروں نے بھی شعلہ بیانی سے کام لیا اور زبردست تقاریر کیں جس سے عوام مزید بھڑک اٹھے۔

ظاہر ہے ایسے ماحول میں دین بندھو کا حوصلہ اور جوش تمام بندشوں سے آزاد تھا۔ تمام دن وہ ڈھول تاشے کے ساتھ اعلان کرتا رہا۔ لوگ سنتے اور جلوس میں شریک ہوتے تھے۔ شام تک تو اتنا بڑا جم غفیر جمع ہو گیا کہ آج تک شہر نے ایسا مجمع نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ کانگریس لیڈر بھی حیران تھے۔ جلوس اتنا بڑا اور طویل تھا کہ ساڑھے سات بجے ختم ہونے والا جلوس ساڑھے نو بجے اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد ایک زبردست عوامی جلسہ میں تبدیل ہو گیا۔ جہاں شعلہ بیان تقاریر ہوئیں اور فلک شگاف نعرے لگائے گئے۔ قومی ترانہ اس زور و شور سے بجایا گیا کہ فضا گونج اٹھی۔ جلسہ ایک بجے صبح تک ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

جب دین بندھو گھر پہنچا تو اس وقت رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ لکشمی بے تحاشہ چیخ رہی ہے۔ چلاتے چلاتے اس کا گلا رندھ گیا ہے اور آواز بیٹھ گئی ہے۔ دین بندھو کا دل ہل گیا۔ پڑوس کی دو تین عورتیں لکشمی کو دلاسا دے رہی تھیں۔ اس کے سامنے زمین پر ایک میلے کچیلے کپڑے میں لپٹا اس کا بیٹا بے حس و حرکت پڑا تھا۔

www.urduchannel.in

دین بندھو ایک گھنٹہ بعد اپنے بیٹے کا انتم سنسکار کر کے شمشان گھاٹ سے لوٹا تو دیکھا کہ لکشمی زمین پر تھکی ہاری آنکھیں موندیں پڑی تھی۔ اس وقت بھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دین بندھو کا دل بھر آیا اور اسے لکشمی پر بہت رحم آیا۔ کیا اس نے پچھلے جنم میں کوئی گناہ کیا ہے جو اس بیچاری کو اس جنم میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ وہ بڑا حیران پریشان تھا۔ لکشمی کو سکون بھی میسّر نہ آسکا! نہ کھانا اچھا نصیب ہوا، نہ کپڑے اچھے پہن سکی، نا سونے چاندی کی زیورات اس کی قسمت میں تھے، دو وقت کی روٹی کے لیے مسلسل تگ و دو میں رہتی تھی۔ وہ بچوں سے بے پناہ محبت کرتی تھی، اسے بچے جلدی نہیں ملے اور اگر ملے تو جلدی سے اس سے چھین لیے گئے۔

وہ اسے خوشیاں بھی تو نہ دے سکا؟ وہ گھنٹوں، دنوں اور بعض اوقات ہفتوں گھر سے دور رہتا۔ کانگریس پارٹی کے کام کی وجہ سے گھر میں رہنا اس کا محال تھا لیکن اس کی صابر و شاکر بیوی نے کبھی شکایت زبان پر نہ لائی۔ اف بیچاری عورت! وہ ہمیشہ کچھ بھی کرنے کو تیار رہتی تھی اور اس کی خوشی کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھی۔ وہ کبھی اس کے کھانے سے پہلے کھانا تو دور کھانے کو ہاتھ تک نہ لگاتی تھی، کبھی کبھی تو وہ چوبیس یا چھتیس گھنٹے بھوکے پیاسے رہتی۔ چاہے وہ دو روپے لائے یا دس پیسے اس سے اس کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ دراصل اس کی زندگی اس سے ایسی گھل مل گئی تھی گویا دونوں ایک ہوں۔ وہ اپنی گھر گرہستی کس طرح سنبھالتی خدا ہی جانتا تھا۔ وہ دیوی سے کم نہ تھی۔ دین بندھو خاموش و ساکت پڑی لکشمی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ تھکا تھکا اور غم زدہ نظر آرہا تھا اسکے رخسار پر آنسو چمک رہے تھے، اس نے لکشمی کی تعظیم میں اپنا سر جھکا دیا۔

دین بندھو نے بڑی خاموشی سے چرخہ نکالا اور کاتنا شروع کرنے ہی والا تھا کہ لکشمی نے آنکھیں کھول دیں اور بڑی تکلیف سے اٹھ بیٹھی۔

www.urduchannel.in

"تم کب آئے، کیا تم بہت دیر سے یہاں ہو،" لکشمی نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں! میں بس ابھی آیا اور چرخے کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ تم جاگ گئیں"۔

"لعنت ہے مجھ پر اور میری نیند پر،" اس نے اپنے آپ کو کوسا۔

"تم تھک گئی ہو! جاؤ سو جاؤ۔"

"نہیں نہیں! میں تمھارے لیے کچھ چاول بناتی ہوں، تم صبح سے بھوکے ہو۔"

"نہیں میں کچھ نہیں کھاؤں گا، لیکن اگر تم کھاؤ گی تو میں بنا دیتا ہوں۔"

"مجھ سے کھایا نہیں جائے گا اور مجھے بھوک بھی نہیں ہے"۔ لکشمی نے کہا۔

"تو پھر جاؤ سو جاؤ"، دین بندھو نے کہا۔

"لیکن تم کیا کرو گے؟"

"میں چرخہ بنوں گا۔ کیا تمہیں یاد نہیں اگلی پنچمی کو تمھاری سالگرہ ہے۔ میں تمھارے لیے کچھ سوت کات لوں بھڈو جلاہے نے وعدہ کیا تھا کہ وہ چوبیس گھنٹے میں ساڑی بنا کر دے گا"۔

لکشمی نے اپنے شوہر کے آگے چٹائی بچھائی اور لیٹ گئی۔ دین بندھو نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ لکشمی نے آنکھیں موند لیں اور خاموش پڑی رہی۔ اس کے پاس اپنے غم کے اظہار کے لیے کوئی دوسرا طریقہ بھی نہیں تھا۔ اس خود سپردگی میں اسے بڑا سکون محسوس ہو رہا تھا۔

چرخہ کی چوں چوں کی آواز میں دین بندھو نے دیش بھگتی گیت گانا شروع کر دیا۔ جس کے بول تھے "ماتر بھومی تجھے سلام! تو ہمارا زیور ہے، کوئی حکومت تجھ سے ہمیں محروم نہیں کر سکتی"۔

www.urduchannel.in

باب(۱۸)

"بڑے (بڑا بیٹا) کو کیا ہو گیا؟ وہ مجھے رسوا کرنے پر تُلا ہے"، مجسٹریٹ چودھری نے کورٹ سے گھر پہنچتے ہی اپنی بیوی سے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟ بڑے نے کیا کر دیا؟" بیوی نے پوچھا۔ اس نے اپنے شوہر کو اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "وہ طلبہ کے جلوس کی قیادت کرنے جا رہا ہے۔ بڑا بے وقوف ہے وہ نہیں جانتا کہ شہر میں جلوس پر دفعہ ۱۴۴ کے تحت پابندی عائد ہے۔ جو اس کی خلاف ورزی کریگا گرفتار کر لیا جائے گا۔ پھر میرا اثر و رسوخ بھی کچھ کام نہ آئے گا۔"

مسٹر چودھری سٹی ہیڈ کوارٹر کے مجسٹریٹ تھے۔ جب سے ہنگامہ ہوا تھا ان پر ذمہ داری بڑھ گئی تھی۔ کورٹ میں مجسٹری کے کاموں کے علاوہ بھی ان کو شہر میں رات میں گشت کرنا ہوتا تاکہ شہر میں امن و امان کو خطرہ نہ ہو۔ جن کے نام گرفتاری کے وارنٹ نکلتے انہیں تلاش کر کے گرفتار کرنے کا کام بھی وہ رات میں ہی کرتے تھے۔ جب احتجاجی جلوس نکلتا اور فساد برپا ہونے کا خطرہ ہوتا تو مجمع کو قابو میں کرنے کے لیے لاٹھی چارج یا فائرنگ کا حکم دینا بھی ان کے کام کا حصّہ تھا۔ وہ اتنے مصروف رہتے کہ ایک مرتبہ جس ڈریس کو وہ پہن کر جاتے تو ان کے پاس اتنا بھی وقت نہ ہوتا کہ وہ دوسرا ڈریس بدل سکیں، بس اگلی صبح ہی وہ اپنا ڈریس تبدیل کرتے تھے۔

کبھی کبھار تو وہ زبردست ٹینشن میں رہتے تھے۔ ان کی تقریباً بیس سال کی سروس ہو چکی تھی۔ انہوں نے کئی مرتبہ ہندو مسلم فساد کو دبایا اور بدترین حالات کو بھی حکمت عملی سے قابو میں کیا۔ لیکن اتنے برسوں کی سروس میں انہوں نے ایسے حالات کبھی نہیں دیکھے تھے۔ گورنمنٹ

www.urduchannel.in

کے آرڈر اتنے سخت تھے کہ کوئی بھی ذرا سی بھی من مانی کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اب تک توسب ٹھیک ٹھاک تھا۔ لیکن جس لمحہ انہیں پولس کے ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان کا بڑا بیٹا مہندر جلوس کی قیادت کرنے والا ہے چودھری صاحب نے اپنے سارے کاغذات کو کورٹ روم میں رکھوایا اور گھر پہنچ کر بیوی سے کہا ''ان کے بیٹے کی ان حرکتوں کی تمام تر ذمہ دار وہ خود ہے، اگر وہ جلوس میں ہوگا تو گرفتار کر لیا جائے گا!''۔ ''میں کیا کر سکتی ہوں؟ گپتا جج کی بیٹی بھی جلوس میں شریک ہونے والی ہے اور اسسٹنٹ کمشنر پانڈے کا بیٹا تو گذشتہ رات ہی گرفتار کیا جا چکا ہے''۔ چودھری صاحب کی بیوی نے کہا۔

''یہ سب کس نے تم سے کہا؟'' مجسٹریٹ نے حیرانی سے پوچھا۔

''ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولس کی بیوی نے۔ اس کے شوہر نے ہی پانڈے کے بیٹے کو گرفتار کیا تھا''۔

''تم شاید مجھ سے زیادہ جانتی ہو، اگر بڑے گرفتار ہو جاتا ہے تو کیا کمشنر کو میری وفاداری پر شک نہیں ہوگا؟ کیا وہ یہ نہیں سوچے گا کہ بڑے نے میری مرضی سے ایسا کیا تھا؟''

ہر گھر کی کہانی یکساں ہے کون اس کو روک سکے گا؟

''وہ ہماری نہیں سنتے۔ جب مہندر گھر سے جا رہا تھا تو اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں بتا دوں کہ وہ اچھے مقصد کے لیے گھر چھوڑ رہا ہے۔ میں کیا کر سکتی تھی؟''

''مہندر تو بالکل لاابالی لڑکا ہے۔ اس سے چھوٹا کچھ سنجیدہ ہے''، چودھری نے کہا۔

''سنجیدہ! وہ تو مشکل سے بات کرتا ہے۔ اس لئے سنجیدہ لگتا ہے۔ لیکن اس نے مجھ سے کہا کہ 'بڑے' گرفتار ہوتا ہے تو وہ بھی اس کے پیچھے چلا جائے گا۔ میں اسے کیا کہہ سکتی تھی؟''

www.urduchannel.in

"او شیوا شیوا! میں تو تباہ ہو گیا! میں کمشنر کو کس طرح اطمینان دلاؤں کہ میرے بیٹے میرا کہنا نہیں سنتے!" چودھری صاحب غصہ میں چلا رہے تھے۔

"وہ میری بھی نہیں سنتے۔ وہ کسی کی نہیں سنتے لیکن ابھئے کمار کی برابر سنتے ہیں۔"

"ابھئے کمار!" چودھری صاحب بے تحاشا چلائے۔ "وہ دہشت گرد ہے، وہ فرار مجرم ہے، اس کی گرفتاری کا وارنٹ نکل چکا ہے۔ اس پر سنگین الزامات ہیں، اگر وہ گرفتاری سے بچنے کی کوشش کرے گا تو اسے گولی مارنے کا حکم ہے۔" انہوں نے سخت لہجہ میں کہا۔

"ہائے بھگوان! گولی مارنے کا حکم؟" چودھری صاحب کی اہلیہ لرز گئی اور چیخ پڑی۔ "اس غریب نے کیا کیا ہے کہ اسے اس سزا کا مستحق گردانا گیا ہے۔ وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ پیارا نوجوان ہے۔ میں نے اسے کبھی کبھار دیکھا ہے۔ جب وہ بچوں کی کوچنگ کرنے آتا تھا۔ وہ ان بچوں کے ساتھ اپنے بھائیوں جیسا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ مجھ کو ہمیشہ 'ماں' کہہ کر پکارتا تھا۔ آخر اس نے ایسا کیا کیا ہے کہ ایک دم سے اسے وہ لوگ گولی سے مارنا چاہتے ہیں؟" اس نے فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ وہی شخص تھا جو بمبئی سے بلیٹن لایا تھا۔ اس نے چاروں طرف آگ لگائی تھی۔ والنٹیرز اسی کی تقاریر سن کر اتنے مشتعل ہو گئے تھے۔ ایک ہیڈ کانسٹبل شہر میں مارا گیا۔ خبروں کے مطابق وردھاندی کے پاس اس کی موجودگی میں گاؤں کے گاؤں بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ وہاں خون خرابہ کی خبریں بھی ہمارے پاس تھیں"، مجسٹریٹ صاحب نے وضاحت کی۔

"وہ ایک چیونٹی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا!" مسز چودھری نے احتجاجاً کہا۔ "پھر وہ کسی کو قتل کرنے پر کیسے اکسا سکتا تھا؟ نہیں! یہ بلکل غلط ہے۔ اگر تم کسی معصوم شخص کو پھانسی پر چڑھانا چاہتے ہو تو پہلے اسے بدنام کرتے ہو اور پھر خود ہی اس کی پھانسی کا جواز پیدا کرتے ہو۔"

www.urduchannel.in

"تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا یہ سب بھی تمہیں ڈپٹی سپرنٹینڈنٹ کی بیوی نے کہا تھا؟"

"نہیں نہیں!" مسز چودھری نے نفی میں سر ہلایا اور دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ کر کہا "توبہ توبہ!"

چودھری صاحب اپنی بیوی کا رویہ دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے تھے۔ وہ گھر میں رکھی دیوی کی مورتی کے پاس تیزی سے گئی۔ مورتی کے پاس اس نے گھی کا دیپ جلایا اور اگربتی سلگائی پھر کہا:

"او ماں! ابھئے کمار کے بارے میں میں کیا سن رہی ہوں۔ بھگوان کرے سب جھوٹ ہو۔ اس کی حفاظت کرنا۔ ماں! حفاظت کرنا۔ میں اسکے لیے پرارتھنا کرتی ہوں!" یہ کہتے ہوئے چودھری صاحب کی بیوی کا گلا رندھ گیا۔

www.urduchannel.in

باب(۱۹)

آزادی کی تحریک کے شعلے صرف شہروں تک محدود نہیں تھے بلکہ اس نے گاؤں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ بمبئی کے حادثات کی خبریں جب شہروں تک پہنچیں تو جذبات برانگیختہ ہوگئے اور شہروں کی خبریں گاؤں تک پہنچیں تو وہاں بھی عوام جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ ہر کوئی بغاوت پر آمادہ تھا۔ ولایتی حکمرانوں کے خلاف بے اطمینانی پورے ملک میں پھیل چکی تھی۔ گذشتہ دیڑھ سو سالوں سے برٹش گورنمنٹ کے مضبوط جیک بوٹ سے نفرت پوری قوم میں سرایت کرگئی تھی۔ یہ قوم بظاہر مردہ ہوگئی تھی لیکن اب یہ تھوڑے سے اکسانے پر بھڑک اٹھی تھی۔ اگست انقلاب کے پرجوش اعلان نے پژمردہ زندگی میں جان ڈال دی تھی۔ مٹی کا آدمی شیر بن گیا تھا ہر کوئی اس جنگ کو آزادی کی آخری جنگ سمجھ رہا تھا اس لئے جو کچھ کرنا تھا اسی وقت کر گزرنا تھا، مرنا مقدر ہے تو مر چلو کہ یہی وقت کا تقاضا تھا۔ اگر موقع کھو دیا تو دوبارہ ایسا وقت نہیں آئے گا۔

ابھئے کمار گاندھی جی کے طرز زندگی سے دل و جان سے متاثر تھا۔ اس کے اعتماد میں ذرا بھی تذبذب نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ عدم تشدد سے ہی گاندھی جی تن تنہا ہندوستان کو آزادی دلا سکتے تھے۔ اگر اس راستے پر چل کر ہندوستان آزادی حاصل کرے گا تو دنیا کے پچھڑے اور پس ماندہ اور غلام لوگوں کے لیے یہ امید کی ایک کرن ہوگی انہیں بھی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کا موقع اور طاقت ملے گی۔ اسی طریقہ کار سے دنیا کے ممالک امن و شانتی اور سماجی برابری کا حق حاصل کر سکیں گے اور ساری دنیا جنگ و جدال اور قتل و غارت گری کے شکنجے سے آزادی حاصل کر سکے گی اور امن و سکون اور ہم آہنگی کے دور میں داخل ہوگی۔ سارا ماحول انسانیت اور

www.urduchannel.in

بھائی چارہ کے نئے مذہب کے لیے تیار ہوچکا تھا۔ مغربی دنیا تشدد کی خباثت میں بری طرح جکڑی ہوئی تھی اور ہندوستان ان چالوں سے کس طرح نجات حاصل کرسکتا تھا۔ اگر قوم خود خباثت میں ملوث ہو تو پھر دنیا کو کس طرح بچا سکتی تھی؟

گاندھی جی فقید المثال اور غیر معمولی قوت والی شخصیت تھے۔ وہی اس دکھی اور جنگ کی ماری دنیا کو امن کا راستہ دکھا سکتے تھے۔ یہ تحریک نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے لئے معنی خیز بن گئی تھی۔ ابھئے کمار ان ہی نظریات پر چل رہا تھا اور محنت و مشقت سے عدم تشدد پر مضبوطی سے ڈٹا ہوا تھا۔ لیکن جب سے یہ تحریک کسی ایک پارٹی سے منسلک تھی جیسا کہ ۱۹۴۰ء کے انفرادی ستیہ گرہ میں ہوا تھا کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا یہ عوامی بغاوت تھی۔ وہ اپنی مرضی سے سب کچھ کرنے کو تیار تھے۔ ایک پارٹی جو ہتھیاروں کے ذریعہ انقلاب لانا چاہتی ہے وہ بھی اس تحریک میں کود پڑی تھی جو لوگوں کو گورنمنٹ خزانہ لوٹنے، ہتھیاروں کے ذخیرے پر قبضہ کرنے، ریلوے لائن اور پلوں کو اڑانے پر اکسا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ جابر حکمرانوں کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کر رہے تھے۔

قریب پاس کے صوبے جو گاندھی جی کی تعلیمات سے متاثر تھے وہ عدم تشدد کی سرگرمیوں پر یقین رکھتے تھے۔ لیکن ایسے بہت سے دوسرے علاقے بھی تھے جہاں ہتھیاروں کے زور پر انہوں نے مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ پولس اور ملٹری ایسے لوگوں کو ہر طرف سے گھیر رہی تھی اور روزانہ ان پر شکنجہ کس رہی تھی تاکہ باغیوں کی طاقت کچل سکے۔ ان کے پاس مشین گنیں تھیں اور معمولی مدافعت پر بھی عوام کو بھون ڈالنے کا ان کے پاس آرڈر تھا۔ دراصل اس کا مقصد لوگوں کے دلوں میں وحشت پیدا کرکے ان کی ہمت پست کرنا تھا۔ ہندوستان میں اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے برطانیہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ

www.urduchannel.in

بھی نہیں تھا۔ اس طرح سے وہ جنگ کی بلا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ عوام کا جذبہ ٹوٹ جائے تو لوگ انتشار کا شکار ہو جائیں گے تو وہ حاوی ہو جائیں گے اور بازی مار لے جائیں گے۔

www.urduchannel.in

باب(۲۰)

گھوگھری گاؤں ہیجان اور جوش سے بھرا ہوا تھا۔ دراصل یہ ترقی پسند گاؤں تھا۔ اور سیاسی طور پر بڑا بیدار تھا اور اب انقلاب کے جذبے سے سرشار تھا۔ پورا گاؤں جس کی آبادی تقریباً ڈھائی ہزار نفوس پر مشتمل تھی 'کرو یا مرو' کے نعروں سے گونج رہا تھا۔

گھوگھری گاؤں میں ایک پولس اسٹیشن، ایک پوسٹ آفس، ایک پرائمری اسکول کے علاوہ دیگر سہولیات بھی مہیّا تھیں۔ لیکن قومی بیداری کے معاملے میں وہ دوسری تحصیلوں اور ضلع ہیڈکوارٹرز سے بہت آگے تھا۔ علاقے کے لیڈرز گاؤں پر اچھا اثر رکھتے تھے۔ کچھ پٹیل، پٹواری اور پانچ چھ دوسرے لوگ تھے جن پر لوگوں کا بھروسہ نہیں تھا۔ گاؤں میں ایک گھر بھی ایسا نہ تھا جہاں قومی جھنڈا نہیں لہرایا جاتا اور ان کے گھروں میں گاندھی جی کی تصویر موجود نہ تھی۔ گاؤں میں میوزک پارٹی تھی جو موسیقی پر قومی ترانے اور دیش بھگتی نظمیں اور گیت گاتی تھی۔ ان کے پاس ہارمونیم، طبلہ، تانپورہ اور منجیرہ تھا۔ دوسرے گاؤں کی طرح گھوگھری کے لوگ بھی بابا مانوداس کے بھگت تھے بابا مانوداس اس علاقے میں ایک سنت کی حیثیت رکھتے تھے، وہ خدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو انسانیت کی خدمت کا درس دیتے تھے۔ سوامی وویکانند کی طرح ان کا بھی یقین تھا کہ بنی نوع انسان کے دلوں میں اپنی دائمی جگہ بنانا ہے تو صرف ایک ہی راستہ ہے کہ خدا پر یقین رکھو اور انسان کی خدمت کرو۔ وہ جب حمدیہ کلام کھنجری کے ساتھ گاتے تھے تو سامعین جھوم اٹھتے اور ناچنے لگتے تھے۔ اس گیت کے الفاظ اور معنی اتنے آسان تھے کہ سننے والوں کے دلوں میں سیدھے اتر جاتے تھے۔

بابا مانوداس کا عقیدہ تھا کہ ایثار و قربانی کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ ان کے پیروکار

www.urduchannel.in

پیشانی پر صندل لگاتے تھے۔ وہ کبھی تنہا یا بے کار بیٹھے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ عام لوگوں کے درمیان جاتے، انہیں جھاڑو، دوائیں، سلیٹ پنسل دے کر گاؤں کی صاف صفائی کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ بیماروں کی تیمارداری کرتے اور تعلیم کا پرچار کرتے تھے۔

ابھئے کمار کی طرح بابا مانوداس بھی گاندھی جی پر اٹوٹ عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ گاندھی جی بھگوان کے اوتار ہیں۔ وہ گیتا میں لکھے اس قول پر بھی یقین رکھتے تھے کہ ہر دور میں بھگوان جنم لیتے ہیں تاکہ بھلائی کی حفاظت کریں اور برائی کا خاتمہ کرکے دھرم قائم کریں۔ بابا مانوداس ایک مرتبہ سیوا گرام گئے وہاں انہوں نے خود گاندھی جی سے یہ باتیں کہیں۔ لیکن بابا کبھی سیاست سے واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ انہیں صرف تعمیری کاموں سے دلچسپی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان کی سیوا اور ملک کی خدمت یا مذہبی خدمات دراصل اللہ کی عبادت کے مختلف طریقے ہیں۔ نئے زمانے کے مطابق وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھے لیکن ان کی تقاریر ہمیشہ یہ غلط فہمی ختم کردیتی تھی۔ ان کے وجدان و مشاہدے اور تجربات کے فوّارے سے ان کے خیالات جیسے اچھال مارتے تھے۔ ان کا لہجہ نرم اور نازک تھا۔ وہ رحمدلی اور عجز و انکساری کی تصویر تھے۔ جس نے بھی ان سے تعلق قائم کیا گویا وہ ان کا گرویدہ ہوگیا۔ اس علاقے میں لوگ انہیں خدا رسیدہ مانتے تھے۔

جمعرات کے دن بابا گھوگھری گاؤں میں بھجن کرتن کیا کرتے تھے۔ نو بجے رات کو بھجن شروع ہوتا تھا، آس پاس کے آٹھ۔ دس گاؤں سے کثیر تعداد میں لوگ اس سنت کو سننے کے لیے آتے تھے۔ کیا آدمی کیا عورتیں کیا بچے کیا بوڑھے سب شریک رہتے تھے۔ اس کے ایک روز پہلے گاؤں کے تین کوس دور پولس نے گولیاں چلائی تھیں 'فاگو' نامی ایک کسان اس میں مارا گیا تھا۔ یہ افواہ بھی پھیل رہی تھی کہ یہاں عورتوں کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ فضا مخدوش اور

www.urduchannel.in

مغموم تھی۔ 'فاگو' کی دردناک موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آس پاس کے گاؤں میں پھیل گئی۔ 'فاگو' بہت مشہور ہوگیا۔ وہ شریف اور نیک دل انسان تھا۔ وہ بابا کا معتقد اور ماننے والا تھا۔ گاؤں والے اس کی موت سے ششدر رہ گئے۔ اس کے باوجود گاؤں کے لوگ بابا کا بھجن سننے کے لیے امڈ پڑے تھے۔ وہ بابا کے بھگتی گیت سن کر اپنا غم بھلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے درمیان 'فاگو' کی بوڑھی ماں بھی تھی۔ وہ غم سے نڈھال تھی اور ضعیفی کی وجہ سے چلنے سے لاچار تھی۔ اس لیے اسے گاؤں کے دو کسانوں کے کاندھوں پر لایا گیا تھا۔ اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ 'فاگو' اس کا اکلوتا بیٹا تھا وہ انگریزی حکومت کو کوس رہی تھی کہ اس نے اس کے معصوم بیٹے کی جان لے لی تھی۔ جیسے ہی وہ بھجن منڈپ میں پہنچی ہر طرف سنّاٹا چھا گیا۔ لوگ کانا پھوسی کرنے لگے کہ ''فاگو کی ماں ہے''۔

جیسے ہی لوگوں نے اس بوڑھی ماں کو دیکھا تو کیا عورتیں کیا مرد اپنے آنسو نہ روک سکے۔ عورتیں مردوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی حسّاس ہوتی ہیں۔ بابا مانوداس نے جیسے ہی شہید کی بوڑھی ماں کو دیکھا تو احتراماً کھڑے ہوگئے۔ اسے ڈائس پر لایا گیا۔ بابا نے جھک کر اس کے پیر چھوئے۔

''ماں، آپ بڑی نصیب والی ہو کہ آپ کے بیٹے نے ایک اچھے مقصد کے لیے اپنی جان نچھاور کردی۔ آپ واقعی بہادر ماں ہو، بھگوان آپ کو سلامت رکھے''۔

اس رات بابا مانوداس پورے موڈ میں تھے۔ سامعین مبہوت اور مسحور تھے۔ بابا جب کبھی حمدیہ کلام گاتے تھے تو خود کو فراموش کردیتے تھے لیکن اس رات وہ غیر معمولی حرکتیں کر رہے تھے۔ وہ گا رہے تھے ناچ رہے تھے جیسے کسی نے ان کو مسخر کرلیا ہو۔ زبردست اور لرزہ خیز بول ان کے ہونٹوں سے نکل رہے تھے اور سامعین جھوم رہے تھے، انہوں نے

www.urduchannel.in

سورداس کا مقبول نغمہ گایا۔

"گردھاری! ہماری عزت کی حفاظت کرنا اور کم از کم اس وقت ہماری لاج رکھنا"۔

ان کا دل پسیج رہا تھا۔ باباگڑگڑا رہے تھے کہ اے بھگوان اس مشکل گھڑی میں ہندوستان کی مدد کرنا۔ حکمرانوں کے ظلم کی چکی سے عوام بیزار تھے اور آہ و زاری کر رہے تھے۔ اپنے آپ کو بے یارو مددگار محسوس کر رہے تھے اور عورتیں خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی تھیں۔

"جس طرح سے آپ نے دروپتی کی عزت بچائی اور اسے سب کے سامنے برہنہ ہونے سے بچالیا"۔ کوروراجاؤں کے دربار کا سارا منظر ان کی آنکھوں میں گھوم گیا۔ جب ظلم و جبر کے ہاتھوں دروپتی کی شرم و غیرت کی دھجیاں اڑنے والی تھیں اور وہ راج کمار دُس شاسن کے ہاتھوں برہنہ ہوکر ذلیل و رسوا ہونے والی تھی اور اس کے پانچوں شوہر بے بسی کے ساتھ یہ سب دیکھ رہے تھے تو اس نے بھگوان کرشنا سے پرارتھنا کی تو وہ اس کی مدد کے لیے بھاگے آئے۔ اس لمحے باباماناوداس دلخراش دعا کرتے ہوئے جوش و خروش کے ساتھ گانے لگے:

"اے بھگوان! میری غیرت کی بھی حفاظت کرنا آپ کے سوا کون ہے جو میری حفاظت کرے گا"۔

سارے سامعین ان کلمات کی گہرائیوں تک پہنچ گئے تھے جو جذبات سے لبریز تھے اور سننے والے گویا جذبات کے سمندر میں موجزن تھے۔ وہ اپنے غم بھول گئے تھے اپنی رسوائیاں فراموش کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ 'فاگو' کی ماں بھی اپنے آنسو پونچھ چکی تھی اور گیت میں مست ہوگئی تھی۔ لوگوں کے مایوس دلوں میں دوبارہ حوصلہ آگیا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے محبوب لیڈر گاندھی جی کو قید کر لیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ تنہا نہیں تھے۔

www.urduchannel.in

بھگوان خود ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے تھے۔ بھجنوں سے وہ بیحد متاثر ہو رہے تھے۔ ایسے ہی پر کیف ماحول میں بابا مانو داس دوسرا بھجن شروع کر دیتے تھے۔

"تم کیوں سو رہے ہو؟ آسودگی کے مارے بچو! جاگو، انسانو جاگو!"

سامعین محسوس کرتے کہ اچانک کسی نے جھنجھوڑ دیا ہو اور وہ بیدار ہو جاتے۔ ایسا لگتا کہ بابا ان کو گھر کی طرف لے جاتے اور بھگوان کے درشن کراتے اور انہیں کام کرنے پر اُکساتے۔ وہ بار بار دہراتے، "تم کیوں سو رہے ہو؟ آسودگی کے مارو بچو! جاگو، انسانو جاگو!"

ان کی آواز ایسی لگتی گویا پہاڑ سے کوئی جھرنا بہ رہا ہو۔ ان کی کھنجڑی ایسی بجتی گویا شیوا کا ڈھول بج رہا ہو۔ لوگ خواب غفلت سے جاگ جاتے اور مستعد ہو جاتے۔ بابا اپنا گیت جاری رکھتے:

"بیداری کی طرف آؤ جیسے ایک دفعہ دُھروا اور پرہلاد مست ہوئے تھے، دُھروا امر ہو گیا تھا، پرہلاد بادشاہ بن گیا تھا۔" پھر وہ آگے کہتے:

"روح، مقدس سفر پر ہے اور ہمارا جسم اس کا چھوٹا سا گھر ہے۔ اُس سے وابستگی میں تم خود کو کیوں گنواتے ہو؟ مت بھولو کہ ایک مختصر رات کے لیے تمہیں وہاں آرام کرنا ہے۔ صبح ہوتے ہی تمہیں وہاں سے آگے بڑھ جانا ہے"۔

آخری حمد جو انہوں نے گائی وہ بھیروی راگ میں سنت انند گھن کی تھی۔

"ہم اب امر ہو گئے ہیں۔ ہم مر نہیں سکتے"۔

آخر میں انہوں نے رام دھن گائی اور سامعین سے اسے دہرانے کے لیے کہا۔

"رگھوپتی راگھوراجا رام؛ پتیت پاون سیتا رام"۔

سارے سامعین اس بند کو مل کر گاتے تھے۔ بھکتی سنگیت کیساتھ چار گھنٹے تک گیت

www.urduchannel.in

بجتا رہا اور سارے بدن میں جھر جھری پیدا کرتا رہا اور جذبات کو بھڑکاتا رہا۔ گاؤں واسیوں کے گلے رندھ گئے پھر بھی وہ رام دھن کورس میں گاتے رہے۔

یہ سلسلہ آدھا گھنٹہ تک چلتے رہا۔ منٹوں میں ماحول بن گیا۔ منجیرا، کھنجڑی، مِردنگ ماحول گرماتے رہے۔ سامعین موسیقی کی تھاپ پر تالیاں بجاتے رہے۔ یہ مسرت بھرے لمحے کچھ پل کے لئے ہی سہی مگر لوگ سب کچھ فراموش کر گئے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور وہ کیا کر رہے ہیں۔ وہ اپنے آس پاس کو بھی بھول گئے۔ انہیں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ صرف اور صرف بابا مانوداس ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ بابا جب گاتے تھے تو اپنی آنکھیں موند لیتے تھے، انہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن ان کے کھچڑی بال، پھولوں کا ہار، گلے میں پڑا منکا اور فقیروں کی طرح گلے میں زعفرانی رنگ کا رومال سب کو نظر آتا تھا۔ وہ محسوس کرتے تھے گویا بابا کی شکل میں وہ اپنے مستقبل کا سپنا دیکھ رہے ہوں۔

جیسے ہی لوگ مل کر گانا ختم کرتے، بھگوان کرشنا کی جئے، راجا رام کی جئے، بھارت ماتا کی جئے کے نعرے اس زور سے لگاتے جیسے آسمان میں شگاف پڑ جائے گا۔

وہاں موجود لوگوں نے بابا کو کبھی اس زور شور سے گاتے نہیں سنا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ رہے تھے اور مسرور ہو رہے تھے۔ صبح سویرے کسان اپنے گھر پہنچے بھی نہیں تھے کہ انہوں نے سنا کہ پروگرام کے ایک گھنٹے بعد پولس اور ملٹری نے گھوگری گاؤں پر دھاوا بول دیا اور بابا مانوداس کو گرفتار کر لیا اور انہیں ایک چھکڑے میں بٹھا کر ضلع جیل بھیج دیا گیا۔

www.urduchannel.in

باب(۲۱)

باباماناوداس کی اچانک گرفتاری سے لوگوں کو سخت صدمہ ہوااور وہ مشتعل ہوگئے۔ایک دن قبل 'فاگو' کو گولی مار کر شہید کیا گیا اور اب باباکو گرفتار کرلیا گیا۔ گورنمنٹ کے پاس کوئی قانون اور ضابطہ نہیں رہ گیا تھالوگ کب تک ان کے مطیع و فرمابردار بن کر رہ سکتے تھے۔تُف ہے ان پر اگر وہ اب بھی یونہی خاموش تماشائی بن کر بیٹھے رہے! جاگو دوستوں! اور کچھ کر گزرو، 'کرو یا مرو'۔

گھوگھری کے نوجوان متحد ہو چکے تھے۔ گاؤں کے ریونیو آفیسر پٹیل کی کوشش تھی کہ یہ لوگ کسی طرح کی بھی کوئی حرکت نہ کریں۔ گاؤں میں مذہبی پروگراموں کے کرتا دھرتا برہمن بھی احتیاط برتنے کی ہدایت کرتے تھے۔ دوایک بزرگ نوجوانوں کو جوکھم بھرا کام کرنے سے باز رکھ رہے تھے۔ وقت نازک تھا بغیر سوچے سمجھے کوئی قدم اٹھانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لیکن نوجوان کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔ان کا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔لٹکا دیا جائے! کون پرواہ کرتا ہے؟ مرنا تو طے ہے پھر اس راہ میں کیوں نہیں! کم از کم کچھ لوگ یہ تو یاد کریں گے کہ انہوں نے ملک کی خاطر اپنی جان بھی نچھاور کر دی۔

نوجوانوں کے اس حوصلے کے آگے پٹیل برہمن اور بزرگ خاموش ہوگئے۔ ابھئے کمار گھوگھری گاؤں سے سات کلومیٹر دوری پر تھا اسے جب معلوم ہوا کہ گھوگھری گاؤں کے لوگ باباماناوداس کی گرفتاری پر بھڑک گئے تھے تو اس نے دین بندھو سے کہا ہمیں گھوگھری جانا چاہئے، یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ایسے موقع پر ہم وہاں رہیں۔

"لیکن ممکن ہے پولس اور ملٹری نے اسے گھیر رکھا ہو۔ تو ہم گرفتاری سے بچ نہیں

www.urduchannel.in

سکیں گے۔ پھر ہم موت کے پنجے میں کیوں جائیں۔ لوگ تمہیں تلاش کرنے میں زمین آسمان ایک کیے ہوئے ہیں"۔

"جانے دو! اگر گھوگھری کے لوگ مشتعل ہوگئے تو پھر ایک بڑے سانحہ کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ ہمیں انہیں خاموش کرنا ضروری ہے۔ ان کی توانائی اور طاقت کو ہمیں صحیح سمت میں موڑنا ہوگا"۔

ابھئے کمار کو گھر سے نکلے دو ہفتے ہو چکے تھے۔ اس کے پاس اتنا بھی وقت نہیں تھا کہ وہ داڑھی بنواتا، اسی لیے اس کی داڑھی بڑھ چکی تھی اور جب سے اس نے سنا تھا کہ پولس اسے گرفتار کرنا چاہتی ہے تو اس نے جان بوجھ کر داڑھی بڑھانی شروع کر دی تھی۔ اس کا رنگ گورا اور وہ لحیم شحیم تھا اس لیے وہ کالی داڑھی میں نوجوان سادھو کی طرح نظر آتا تھا۔ گھوگھری کے لوگوں نے اس کا دل سے خیر مقدم کیا۔ جب وہ گاؤں میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ پولس بابا مانو داس کے ہمراہ کچھ گھنٹے قبل ہی یہاں سے روانہ ہوگئی تھی۔ لیکن لوکل اسٹیشن ہاؤس آفیسر گاؤں میں موجود تھا۔ اس کے ساتھ سرکل انسپکٹر بابو رام بھی تھا۔ اس تھانے کے تحت صرف آٹھ پولس کانسٹبل تھے۔ جب سرکل انسپکٹر نے دیکھا کہ گھوگھری میں لوگ مضطرب اور بے چین ہیں تو اس نے مزید فورس کے لئے کانسٹیبل کو ضلع ہیڈ کوارٹر روانہ کیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سب ڈیوژنل مجسٹریٹ کو گھوگھری جانے کا حکم دیا۔ مجسٹریٹ ایک تحصیلدار اور دو چپراسی کے ہمراہ آئے، پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ کے ریسٹ ہاؤس میں آرام کے لئے چلے گئے اور پولس فورس کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

www.urduchannel.in

باب(۲۲)

گھوگھری کے دس بارہ معزز شہریوں نے ابھئے کمار اور دین بندھو سے ملاقات کی۔ گاؤں کے مکھیا نے کہا، ''ابھئے! ہمیں بتاؤ کہ ہم کیا کریں؟ اگر تم ہمیں کہو کہ جلتی آگ میں کود جاؤ تو ہم کود جائیں گے۔ ہم تو تیار ہیں! کیوں سوما''، اس نے ایک گاؤں واسی کو مخاطب ہو کر کہا۔

سوما نے کہا، ''ہاں ہاں ہم تیار ہیں''، پھر باری باری سب نے ہامی بھری۔

''ہمیں یوں ہی آگ میں کودنا نہیں ہے''، ابھئے نے کہا۔ ''ہمیں انقلاب کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔ اگر انقلاب کے لیے آگ میں کودنے کی ضرورت پڑی تو ہمیں اس کے لیے تیار رہنا ہوگا''۔

''نہیں''، مکھیا نے دخل اندازی کی اور کہا۔ ''ہم برٹش گورنمنٹ کو آگ لگا دیں گے۔ اگر ضرورت پڑی تو خود کو بھی آگ کے حوالے کر دیں گے۔ انہوں نے غریب فاگو کو مار ڈالا اور دوسرے دن ہماری عورتوں کی بے عزتی کی اور اب ہمارے بابا مانو داس کو گرفتار کر کے لے گئے۔ کیا ہم خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔ ہم نے کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں''۔

''بے شک تم نے چوڑیاں نہیں پہنی ہیں''، ابھئے کمار نے کہا۔ ''تم یونہی بے یارو مددگار نہیں رہ سکتے۔ تمہیں مدافعت کرنی چاہئے۔ تمہیں ہر وہ کام کرنا چاہئے جس سے گورنمنٹ مفلوج ہو جائے''۔

''ہم نے پولس اسٹیشن پر قبضہ کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ اگر پولس نے مجبور کیا تو ہم اس کو آگ کے حوالے کر دیں گے''۔

بہتر ہے کہ تم پولس تھانے میں گورنمنٹ کاغذات کو نذر آتش کر دو لیکن بلڈنگ کو نقصان مت پہنچاؤ۔ کیوں کہ اس میں پولس والے زندہ جل کر مر جائیں گے''۔ ابھئے کمار نے کہا۔

www.urduchannel.in

"اس سے کیا؟" سوما نے کڑک کر کہا۔ "انہوں نے بے قصور فاگو کو جان سے مار ڈالا کیا ہم اس کا بدلہ نہیں لے سکتے؟ اور اب انہوں نے بابا کو جیل میں ٹھونس دیا ہے۔ ان کا کیا قصور تھا؟ وہ صرف پوجا کرتے تھے اور بھگوان کے گن گان کرتے تھے۔ اس حکومت میں کیا یہ سب کرنا جرم ہے؟ نہیں یہ سب اب نہیں چلے گا۔ اب جب تک پولس ان سب سے باز نہیں رہتی ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے"۔

"تم اس طرح بدلہ نہیں لے سکو گے۔ اگر تم صحیح معنوں میں گاندھی جی کے پیرو کار ہو تو تمہیں سرکاری کاغذات کو جلانا ہوگا۔ تم پولس والوں سے کہو کہ وہ اپنے یونیفارم تمھارے حوالے کر دیں، تم انہیں نذر آتش کر دو، کیونکہ یہ تمام چیزیں برٹش گورنمنٹ کی علامتیں ہیں۔ پھر تم اپنا قومی جھنڈا ان تھانوں پر لہرا دو۔ اس طرح تمھاری فتح ہوگی اور اس طرح تم ان سے بدلہ لے سکتے ہو۔ اگر تم صرف ایک گھنٹہ کے لیے پولس تھانوں کو اپنی تحویل میں کر لو تو تم اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ پھر وہ تم پر گن اور بندوق تان دیں گے جو سراسر غنڈہ گردی اور لوٹ ہوگی کیونکہ تھانے پر تمھارا قبضہ ہوگا اور وہ تھانے پر قبضہ کے اپنے اخلاقی حق سے محروم ہو جائیں گے۔" ابھئے نے تفصیل سے سب کو سمجھایا۔ بعض تو سمجھ گئے اور بعض کے کچھ بھی پلّے نہیں پڑا۔ 'سوما' نے پوچھا "اگر پولس نے مداخلت کی تو پھر کیا ہوگا"۔

"ہاں وہ مدافعت کرے گی اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ان سب کے باوجود تمہیں آگے بڑھنا ہے اور پولس تھانے پر قبضہ کرنا ہے۔ وہ تم پر گولیاں برسائیں گے۔ تمھارے لوگ مارے جائیں گے یا زخمی ہونگے تمہیں ان سب کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ لیکن اگر ایک مرتبہ تم نے تھانے پر قبضہ کر لیا تو سمجھ لو کہ تم جیت گئے اور تمھاری ساری قربانیاں وصول ہو گئیں۔ اگر احتجاج کرنے والے خاموش رہے تو تمھاری کامیابی یقینی ہے۔ جب پولس والے تمھارے

www.urduchannel.in

عزائم دیکھیں گے تو خود بخود اپنی بندوقیں اور ہتھیار ڈال دیں گے۔ جو ہندوستانی ولایت والوں کی غلامی کر رہے ہیں اگر ان کا دل بھی پگھل جائے تو غور کرو کہ یہ ولایتی کس طرح ہندوستان پر حکومت کر سکیں گے۔ عدم تشدد کے ذریعے دراصل ایسا ہی انقلاب آسکتا ہے"۔

"ابھئے! ہم ہر ممکن کوشش کریں گے"، مکھیا نے کہا۔ "لیکن اگر پولس جنگ پر آمادہ ہوئی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ عوام زبردست جوش میں ہیں ان پر کنٹرول کرنا محال نظر آرہا ہے"۔

"پھر میں تمھارے ساتھ چلوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن میں گاندھی جی کے جھنڈے کو کبھی نیچے گرنے نہیں دوں گا"۔

"نہیں نہیں ابھئے! تم ہمارے ساتھ مت آؤ، گھوگھری کے عوام ہی اس کام کے لیے کافی ہیں۔ اپنے گاؤں کی حفاظت کے لیے ہم تمھاری جان کو جوکھم میں نہیں ڈال سکتے"۔ مکھیا نے ابھئے کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا۔ تمام لوگوں نے مکھیا کی ہامی بھری۔

"خطرے کی کیا بات ہے"، ابھئے نے کہا۔ "ہمیں ایک چانس لے کر دیکھنا چاہئے۔ جب پورا ملک جنگ کا میدان بنا ہوا ہے تو کون خطرے سے باہر ہے؟"

"یہ تو سب ٹھیک ہے"، سوما نے کہا۔ "لیکن اگر تمھاری جان کو کچھ ہو گیا تو گھوگھری گاؤں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر سکے گا۔ ہم نے تمھاری ہدایتوں پر عمل کیا ہے اب تم ہماری یہ بات مان لو تم یہاں سے نکل چلو۔ سوناگھاٹ کی طرف سے تم چلے جاؤ۔ ہم تمہیں کچھ آٹا اور کچھ چاول دیئے دیتے ہیں۔ تم کسی غار میں بیٹھ کر پکا لینا۔

"سوما تم نے بالکل ٹھیک کہا"، مکھیا نے کہا۔ "ابھئے تم اور دین بندھو جتنی جلدی یہاں سے جاؤ گے تو ہمیں اتنا ذہنی سکون میسر آئے گا"۔

قبل اس کے کہ ابھئے اس تجویز کی مخالفت کرتا ایک کارکن نے کھانے کی چیزوں سے

www.urduchannel.in

بھرے دو تھیلے اور دو کھچّر لادیئے اور اس کو اور دین بندھو کو گاؤں کے باہر کردیا کہ مبادا وہ پولس کے ہتھے نہ لگ جائیں۔

www.urduchannel.in

باب(۲۳)

گھوگھری گاؤں نے اتنا بڑا اور زبردست جلوس کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس جلوس کی قیادت گاؤں کے نوجوان کررہے تھے جو باباماناوداس کے ماننے والے تھے۔ جلوس میں جتنے مرد ہونگے شاید اتنی ہی عورتیں بھی ہونگی۔کچھ عورتوں نے تو اپنی گودوں میں بچے بھی سنبھالے ہوئے تھے۔ گاؤں کے نام نہاد لیڈروں نے لاکھ کوشش کی کہ عورتیں جلوس میں شریک نہ ہوں، انہوں نے عورتوں کو سمجھایا کہ جلوس میں شریک نہ ہوں ورنہ پولس تمہیں گولی سے بھون دے گی۔ مردوں کو گولیاں کھانے دو۔لیکن عورتوں نے ایک نا سنی۔ الٹا انہوں نے کہا، ”کیا فرق پڑتا ہے، فاگو مرگیا، ہم بھی مرجائیں گے۔ باباماناوداس نے گذشتہ شب کہا تھا کہ اگر ہم اس جدوجہد میں ماری گئیں تو سورگ واسی ہوجائیں گے۔کیا تم بھول گئے ؟ باوجود خطرے کے ہم جائیں گے۔ بچوں کو ہم اکیلا نہیں چھوڑ سکتے نہ معلوم ہم انہیں دوبارہ دیکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ جو کچھ ہمارے ساتھ ہوگا وہ ان کے ساتھ بھی ہوگا“۔ایسے عزم اور قوتِ ارادی کے آگے کوئی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

سوما نے کہا، ”مکھیا جی انہیں آنے دیجئے۔ وہ ہماری مائیں ہیں۔ دیوی سمان ہیں جن کی وجہ سے زمین میں رونق ہے۔ وہی تو ہماری قوت اور حوصلہ ہیں۔ یہ ہماری کمزوری کیسے ہوسکتی ہیں ان کے آگے سے کوئی بچ کے جانہیں سکتا انہیں آنے دیجئے“۔

صبح کے نو بجے جلوس آندھی طوفان کی طرح شروع ہوا۔ لوگوں نے بے شمار قومی جھنڈے ہاتھوں میں اٹھا رکھے تھے۔ رضاکاروں کے ہاتھوں میں عظیم قومی رہنماؤں کے نعرے لکھے ہوئے بینرز اور کارڈز تھے۔ایک بینر پر لکھا تھا، ”جس کام کا آغاز ۱۸۵۷ء میں ہوا

www.urduchannel.in

تھا وہ ۱۹۴۲ء میں اختتام کو پہنچے گا"، ایک پر لکھا تھا، "بھارت چھوڑو" اور ایک پر "کرو یا مرو" کچھ کارکنوں کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ مکھیا نے لاکھ سمجھایا کہ نوجوان لاٹھیاں لیکر جلوس میں شریک نہ ہوں لیکن انہوں نے دوٹوک جواب دے دیا کہ "یہ تو ہماری شناخت ہے، ہم اسے کس طرح چھوڑ سکتے ہیں، یہ تو ہمیشہ ہمارے ساتھ ساتھ رہی ہیں تو پھر کیا آج انہیں گھر میں رکھ دیں؟ اگر کوئی ہمیں مشتعل نہیں کرے گا تو اس کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی، ہم وعدہ کرتے ہیں"۔

"اگر انہوں نے ہمیں گرفتار کیا تو ہم کچھ نہیں کریں گے۔ لیکن اگر ہماری عورتوں کو ہاتھ بھی لگایا تو پھر انہیں بھگتنا پڑے گا۔ اس وقت میں انہیں بتادوں گا کہ کُشتی کے اکھاڑے کا داؤ پیچ کیسا ہوتا ہے"۔ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے ہنومان اکھاڑے کے صدر بھولا ناتھ پہلوان نے بڑے ہی پُرعزم انداز میں دعویٰ کیا۔

مکھیا کو خطرے کا خدشہ ہوا۔ انہوں نے کہا، "بھولا ٹھاکر دیکھو! جلوس شانتی سے نکلنا چاہئے کسی قسم کا تشدد بالکل نا ہونے پائے اس کا خیال رہے۔ ہمیں مرنے کے لیے تیار رہنا ہے مارنے کے لیے آمادہ نہیں ہونا ہے۔ پولس کو لاٹھی چارج کرنے دو، گولیاں چلانے دو مگر گاندھی جی کی ہدایت کے مطابق کسی بھی حال میں ہمیں لڑنا نہیں ہے۔

"گاندھی جی نے کہا ہے 'کرو یا مرو' تم صرف مرنے کا سوچ رہے ہو اور ہم کرنے کی بات کہہ رہے ہیں۔ ہم اس وقت خاموش نہیں رہ سکتے"۔ بھولا ناتھ نے کہا۔

'کرو' کے معنی ہیں آزادی حاصل کرو۔ اس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ آزادی حاصل کرنے کے لیے مرنا ضروری ہے۔ کرنے کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ ہم تشدد پر آمادہ ہوجائیں اور خون بہائیں۔ مکھیا نے بحث کرتے ہوئے وضاحت کی۔

www.urduchannel.in

"مکھیاجی! یہ میری سمجھ سے پرے ہے۔ یہ دیکھو مجھے یہ سرخ بلیٹن ملا ہے جس میں ایکشن کا سارا پروگرام لکھا ہے"۔ بھولا ناتھ نے کہا اور اپنی کمر سے ایک سرخ رنگ کا مڑا ہوا کاغذ نکال کر دکھانے لگا۔ یہ بلیٹن دراصل آرمڈ ریولیوشنری پارٹی کی جانب سے شائع ہوا تھا۔ جس میں لوگوں کو اکسایا گیا تھا کہ وہ گورنمنٹ کی عمارتیں نذر آتش کریں، پُلوں کو اڑادیں، اسلحہ خانے پر حملہ بول دیں اور جابر حکمرانوں کو ان کے کیے کی سزادیں۔

"یہ گاندھی کی منصوبہ بندی نہیں ہوسکتی"، مکھیا نے زور دے کر کہا۔ "یہ کسی اور پارٹی کی باتیں ہیں جس پر ہم عمل نہیں کرسکتے"۔

بھولا ناتھ نے برجستہ کہا، "کیا ہر بلیٹن پر گاندھی جی اپنی دستخط کریں گے۔ وہ جیل میں ہیں۔ وہ کس طرح کسی پرچہ پر دستخط کرسکتے ہیں اور پھر یہ کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ بلیٹن کسی دوسری پارٹی نے شائع کروایا ہے۔ لیکن وہ بھی تو ہندوستانی ہیں۔ پروگرام چھپا ہوا ہے کوئی ہاتھ سے لکھا ہوا تھوڑی ہے۔ پھر یہ کس طرح جھوٹا ہوسکتا ہے"۔

اسی درمیان 'سوما' بھاگتے ہوئے آیا اور کہنے لگا "مکھیاجی آپ کیا کررہے ہو جلوس کا آغاز ہوچکا ہے اور عوام کے صبر کا باندھ ٹوٹ رہا ہے۔ اس لیے ہمیں چلنا چاہئے"۔

جلوس میں شریک لوگوں کے نعروں سے اور چلانے سے پوری فضا گرما گئی تھی۔ لوگ چیخ رہے تھے 'بھارت ماتا کی جئے'، 'ہندوستان ہمارا ہے'، 'کرو یا مرو'، 'آگے بڑھو! جوانو آگے بڑھو' ان نعروں کے ساتھ جلوس آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک ٹولی جلوس کے آگے آگے گا رہی تھی، "ہمیں نقصان پہنچانے ایک انگلی بھی اٹھے گی تو یاد رکھو اس کا جواب موت ہوگی"۔

بھولا ناتھ پہلوان ایک ٹولی کی قیادت کررہا تھا وہ ٹولی گا رہی تھی، "ماں میرا کرتا زعفرانی رنگ میں رنگ دو، بھگت سنگھ نے جب بم پھینکا تھا تو یہی کرتا پہنے ہوئے تھے، ماں میرا کرتا

www.urduchannel.in

زعفرانی رنگ میں رنگ دو"۔

جلوس پولس اسٹیشن کی جانب رواں دواں تھا۔ جو گاؤں کے آخری کنارے ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ صرف چند بوڑھوں اور بیماروں کو چھوڑ ہر گھر خالی تھا۔ آدمی، عورتیں اور بچے جوش و خروش کے ساتھ جلوس میں شریک تھے۔ 'فاگو' کی موت اور باباما نوداس کے گیت نے جو انہوں نے ایک رات قبل گائے تھے لوگوں کے دلوں میں نئی جان ڈال دی تھی اور نئی روح پھونک دی تھی۔ وہ ہنستے ہنستے اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھے۔ چاہے انہیں مشین گن کا سامنا کرنا پڑے۔ وہ اس کی بھی پرواہ نہیں کریں گے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھے وہ محسوس کر رہے تھے گویا کوئی غیبی طاقت ان کی رہنمائی کر رہی ہو۔

www.urduchannel.in

باب(۲۴)

گھوگھری پولس اسٹیشن کا انچارج سب انسپکٹر گلاب راؤ تھا۔ وہ گذشتہ ایک سال سے یہاں تعینات تھا اس لیے وہ گھوگھری سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کی بیوی جانکی بائی، بھگوتی دیوی کی ماننے والی تھی۔ وہ روزانہ ایک گھنٹہ اس کی پوجا کرتی تھی۔ اپنے شوہر کے منع کرنے کے باوجود وہ بابا مانوداس کے بھجن پروگرام میں گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہیڈ کانسٹبل کی بیوی بھی تھی۔ وہ دونوں اندھیرے میں ایک کونے میں جاکر بیٹھ گئے تھے تاکہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے، انہوں نے خوب لطف اٹھایا۔ دوسرے دن جب جانکی بائی کو معلوم ہوا کہ بابا مانوداس کو گرفتار کر لیا گیا تو اسے بہت افسوس ہوا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے شوہر کو اس سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ حکم تو اوپر سے آتا تھا۔ اپنی بیوی کی اس عقیدت کی وجہ سے ہی گلاب راؤ نے کبھی سخت گیری اور تشدد کا طریقہ نہیں اپنایا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ گلاب راؤ کی امیج اس معاملے میں صاف تھی۔ وہ شیریں زبان، نرم گفتار اور اعتبار کے لائق تھا۔ اسی وجہ سے وہ مقبول تھا لوگ اس کی بات سنتے بھی تھے۔ وہ غیر ضروری طور پر کسی معاملے میں دخل اندازی بھی نہیں کرتا تھا۔

لیکن سرکل انسپکٹر جس کو گلاب راؤ کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا الگ قسم کا شخص تھا۔ اس کا نام بابورام تھا لیکن اس میں اتنی تمکنت تھی کہ وہ اپنے ماتحتوں کو کہتا تھا کہ اسے لالہ بابورام صاحب کہا جائے۔ کچھ تو صحیح تلفظ کے ساتھ اس کا نام پکارتے تھے اور کچھ جو پڑھے لکھے نہیں تھے وہ اسے بابورام کہتے تھے تو اسے بہت برا لگتا تھا وہ ان کو گالیاں دیتا تھا۔ بعض ماتحت چاپلوسی کے انداز میں اسے جب ڈپٹی صاحب کہتے تو سن کر وہ اکڑتا تھا اور اس کے بھدے چہرے پر گندی مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔

www.urduchannel.in

لالہ بابورام لمبا تڑنگا کالا بھُج تھا۔ وہ ہمیشہ تمباکو والا پان چباتا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے دانت کالے پڑ گئے تھے۔ وہ بڑا عیش پسند شخص تھا۔ اس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں جس کو وہ اکثر تاؤ دیتے رہتا تھا۔ اسے مرغّن غذائیں خوب پسند تھیں۔ گوشت، مرغی اس کی مرغوب غذا تھی اس پر بلاناغہ شراب پینا اس کی عادت میں شمار تھا۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو پیٹتا نہ ہو۔ اگر وہ ذرا بھی چیختی یا چلاتی تو اس کی مزید پٹائی ہوتی تھی۔ اس کی ایک بارہ برس کی بیٹی اور آٹھ سال کا بیٹا بھی تھا۔ بچوں کے سامنے اکثر وہ اپنی بیوی سے جھگڑا کرتا تھا۔ وہ اسے لاتوں گھونسوں سے مارتا اس پر ہی بس نہ کرتا بلکہ بعض اوقات ڈنڈے اور جوتوں سے بھی پٹائی کرتا تھا۔ اور چلّا چلّا کر جان سے مارنے کی دھمکی دیتا تھا۔ ان مظالم کے باوجود خود کو بڑا پارسا اور رحمدل انسان سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ دیکھو میں نے اس کی جان بخش دی۔

اسے ذرا بھی پرواہ نہیں تھی کہ بچوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہونگے۔ جیسے ہی بچے اس کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سنتے وہ سہم جاتے اور خود کو ایک کمرے میں مقفل کر لیتے اور سونے کا بہانہ کرتے اور اتنی جلدی نیند کی آغوش میں چلے جاتے کہ گھر کے دوسرے حصہ میں کیا ہو رہا ہے انہیں کچھ بھی خبر نہیں رہتی، چاہے زلزلہ آجائے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

لالہ بابورام اکثر فخر سے کہتا کہ اس کی بیوی اس سے کبھی آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرأت نہیں کرتی۔ اس کو وہ اپنا اصول بتاتا تھا۔ جب وہ یہ کہتا تو اپنی مونچھوں کو تاؤ دینا نہیں بھولتا تھا خود ہی بولتا اور خود ہی اپنی پیٹھ تھپتھپاتا تھا۔ وہ اپنی بیوی سے کہتا کہ قانونی طور سے اس نے اس سے شادی کی تھی اور بیوی بنایا تھا۔ لیکن وہ کبھی بھی اس کے ساتھ وفادار نہیں رہا۔ ایک پولس آفیسر کا کام تو جفاکشی ہونا چاہئے۔ خوش مزاجی اور نظر انداز کرنا اس کے مزاج کا حصہ ہونا

www.urduchannel.in

چاہئے۔ وہ پولس کے کام کا بہانہ کرکے اکثر کئی کئی روز کے لیے گاؤں سے باہر جاتا تھا۔ سب انسپکٹر اور ہیڈ کانسٹبل اس کے لیے سارا انتظام کرتے تھے۔ اپنے صاحب کو خوش رکھنا کیا برا تھا؟

سرکل انسپکٹرز کی تنخواہ کتنی ہونی چاہئے لیکن بابورام نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ اوپری آمدنی کے متعلق اسکی رائے تھی کہ جب ڈاکٹرز اور سول سرجن پرائیوٹ پریکٹس کرسکتے ہیں تو ایک پولس والا کیوں نہیں کرسکتا؟ اور کسی کو اس سے کوئی بحث بھی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے اوپری آمدنی کا کسی کو اندازہ بھی نہیں تھا۔ بیوی کے جسم پر جوتوں اور لاٹھی کے نشانات اگر تھے تو بابورام اسے ساٹن اور سلک کی ساڑی سے ڈھانک بھی تو دیتا تھا۔ اس کے بدن پر اصلی سونے کے زیورات ہوتے تھے۔ بابورام کا خیال تھا کہ اگر بدقسمتی سے کوئی برا وقت ان پر آن پڑا تو یہی سونا ان کے کام آئے گا۔

اس کے ماتحت اس سے تھر کانپتے تھے۔ لیکن جو اسے جانتے تھے اسے نچوا دیتے تھے۔ جب کبھی گاؤں کا ملتوی شدہ دورے کا پروگرام بنتا تو مقامی پولس گاؤں میں آشرم کے مالک کے خلاف قتل کی تفتیش کا شوشہ چھوڑ دیتے تھے۔ تب تو بابورام کے عیش ہوجاتے۔ انڈے، گوشت، شراب، گرم بستر اور رات بھر کے لیے پہلو میں ایک ہمنشیں! جیسے انتظامات کیے جاتے تھے۔ جب وہ دورے سے واپس جاتا تو سونے کی انگوٹھی اور نیکلس اسے ہدیہ کے طور پر پیش کئے جاتے تھے۔ بڑے صاحب اس سے بہت خوش رہتے تھے چاہے کیسا ہی پیچیدہ اور سخت کام کیوں نہ ہو لالہ بابورام کو یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے آفیسرز جانتے تھے کہ بابو رام معاملے کو سنبھالنا بخوبی جانتا تھا۔ ان برے دنوں میں بھی اس نے پولس ڈپارٹمنٹ کی دھاک جمائی تھی۔

www.urduchannel.in

گھوگھری پولس اسٹیشن کے تحت آنے والے علاقے میں جب حالات نازک تھے اس وقت بھی بابورام کو حالات قابو میں کرنے کے لیے خاص طور پر تعینات کیا گیا تھا۔ وہ گذشتہ چار دنوں سے تحقیقات میں جٹا تھا۔ دراصل آم گاؤں کی فائرنگ میں فاگوکی کی موت کا اصل ذمہ دار یہی شخص تھا۔ باباما نوداس کی گرفتاری میں بھی اسی کا ہاتھ تھا۔ وہ گھوگھری گاؤں کے واسیوں کو سبق سکھانا چاہتا تھا کہ انہوں نے برٹش گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کی جرأت کیسے کی؟ وہ سمجھ رہا تھا کہ ایک مرتبہ کیسے بھی گھوگھری کے حالات قابو میں آجائیں تب تو اس کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولس کا عہدہ پکّا ہی تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۲۵)

جیسے ہی جلوس پولس اسٹیشن کے قریب پہنچا جلوس میں شریک جم غفیر کا جوش و خروش پورے شباب پر پہنچ گیا۔ ان کے نعرے بلند تر ہو گئے۔ قومی ترانوں سے جذبات میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ جیسے جیسے لوگوں کا ہجوم آگے بڑھ رہا تھا ان کی گرفت مضبوط ہو رہی تھی۔ تھانے کے سو گز کے فاصلے پر ایک پرائمری اسکول تھا۔ اس کے سامنے گھوگھری گاؤں کے مکھیا کی بیوی رامیشوری دیوی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کی بڑی تھالی تھی جس میں پوجا کا سامان رکھا تھا۔ جیسے ہی جلوس اس کے قریب پہنچا اور اس کا سامنا ہوا تو اس نے کافور اور اگربتی جلائی اور لوگوں کی آرتی اتارنے لگی۔

بھیڑ کے بالکل سامنے یعنی صف اول میں رام ناتھ مکھیا، ٹیلر سوما، رام داس مقامی پرار تھنا سبھا کا سکریٹری اور پرائمری گرلز اسکول کی صدر معلمہ سرسوتی دیوی تھیں۔

رامیشوری دیوی نے سب کے ماتھے پر کُم کُم لگایا۔ اس کا ہلکا لال رنگ سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس نے سب کے گلے میں موگرے کے ہار ڈالے اور ان پر چاول نچھاور کیے۔ اس نے ایک بار پھر سے آرتی اتاری اور پھر سیدھی کھڑی ہوئی اور پھر زمین پر اپنا ماتھا ٹیک دیا اور اس طرح پورے مجمع کے سامنے اُس نے عقیدت و تعظیم کا اظہار کیا۔

یہ تمام رسمیں اس نے چند منٹوں میں ادا کر دیں۔ رامیشوری دیوی جس کا لوگ دل کی گہرائی سے احترام کرتے تھے اس نے جیسے ہی اپنا سر زمین پر جھکایا پورے مجمع پر جذبات سے مغلوب ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ ان کے نعرے اتنے بلند ہو گئے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ دیوانگی کے عالم میں چیخ پکار کر رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ آسمان پھٹ پڑے گا

www.urduchannel.in

اور کبھی ایسا لگتا تھا کہ مہابھارت کی جنگ میں کُروک شیتر کے میدان جنگ میں پانچ سیپوں نے اپنا ناقوس بجادیا ہو۔

کرو یا مرو، کرو یا مرو، کرو یا مرو، مہاتما گاندھی کی جئے ایسے فلک شگاف نعروں سے پورا علاقہ گونج رہا تھا۔ اتنا زبردست ہجوم تھا جس میں زبردست دھکامّکی ہو رہی تھی کہ خدا کی پناہ۔ اللہ ہی جانتا تھا ان کو ایسی طاقت کہاں سے حاصل ہو رہی تھی گویا عوام کا ہجوم نہ ہو کوئی طوفانی لہر ہو۔ ایک دن قبل تک یہی لوگ مسکین، مطیع و فرمانبردار اور سیدھے سادے جیسے اللہ میاں کی گائے کی طرح تھے۔ کوئی بھی ان کو ذلیل کر سکتا تھا یا دھتکار سکتا تھا۔ وہ اتنے شریف تھے کہ اپنا دفاع کرنا بھی نہیں جانتے تھے ان کا خون اس قدر سرد پڑ چکا تھا کہ اس سے حرارت کی کوئی امید بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ بعض اوقات تو گمان ہوتا تھا کہ یہ انسان نہیں ہیں بلکہ محض مٹی کے پتلے ہیں جس میں احساس و جذبات بالکل معدوم تھے۔ لیکن آج ان مٹی کے پتلوں میں زندگی کی رمق جاگ اٹھی تھی۔

ان میں سے تین چار لوگوں نے ہی شاید گاندھی جی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن گاندھی جی کا جذبہ ان سب کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ کیا وجہ تھی کہ کل تک کے خاموش پانی میں آج اتنا زبردست طوفان اُمڈ پڑا تھا۔ یہ سب کیسے ممکن ہوا؟ یہ مطیع و فرمانبردار لوگ شیو بھگوان کی طرح طوفانی و ہنگامہ خیز کیسے بن گئے۔ کیا بات تھی کہ اس خاموش اور اونگھتے پہاڑوں میں ظالم آتش فشاں اور سفّاک لاوا پھوٹ پڑا؟ قلب و نظر میں اچانک اس تبدیلی کی وضاحت کون کر سکتا تھا۔ کوئی نہیں! لیکن شاید صرف ایک ذات جو سب کچھ جانتی تھی وہی علیم و خبیر ہے۔

www.urduchannel.in

باب(۲۶)

سب انسپکٹر گلاب راؤ نے ہجوم کا رجحان دیکھا تو بے چین ہو گیا۔ سرکل انسپکٹر بابورام بھی تھوڑا فکر مند ہوا۔ لیکن وہ ایسے نازک حالات کو بے رحمی اور طاقت کے بل پر قابو میں کرنا جانتا تھا۔

اس نے عوام کی طرف حقارت بھری نظروں سے دیکھا اور جائزہ لیا کہ ایسے حالات میں وہ کیا کر سکتے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ مجمع میں قوت مدافعت کی کمی تھی اور یہ محض پانی کا بلبلہ ہیں جو ہوا کے معمولی جھونکے سے ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ بظاہر یہ مرد نظر آتے تھے لیکن سب دکھاوے کے تھے۔ اسی لئے تو ایک دو لاکھ برٹشرز چالیس کروڑ ہندوستانیوں پر حکومت کر رہے تھے۔ فالتو، بے وقوف، بزدل کہیں کے! بھیڑ کی مانند سارے بھیڑ چال چلنے والے ۔ایک معمولی خرگوش سے بھی خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ انہیں چھڑی دکھاؤ تو یہ پناہ مانگتے ہوئے دوڑ پڑیں گے۔ پھر اس بھیڑ کو کنٹرول کرنے کے لیے ہم کیوں اتنی فکر کریں۔ لالہ بابورام تو ان کو کنٹرول پلک جھپکتے ہی کر لے گا۔ اچانک اس کا ہاتھ کمر سے بندھے لوڈیڈ پستول پر چلا گیا۔ بابورام کو ایک بات ستائے جا رہی تھی کہ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر سے ابھی تک کوئی امدادی فورس یہاں تک نہیں پہنچی تھی لیکن کسی بھی لمحہ وہ آسکتی تھی۔ اس نے گلاب راؤ سے مشورہ کیا، سب انسپکٹر کو اطمینان تھا کہ گھوگھری گاؤں کے لوگ فطری طور پر امن پسند ہیں اگر انہیں اکسایا نہ گیا تو کوئی وجہ نہیں وہ کسی قسم کا نقصان کریں یا کسی کو تکلیف پہچائیں۔ اس نے مشورہ دیا کہ پہلے معلوم کیا جائے کہ لوگ اصل میں کیا چاہتے تھے؟

"تم یہ کیسے کرو گے؟" بابورام نے پوچھا۔

www.urduchannel.in

"مکھیا سے بات چیت کر کے"۔

"لیکن ان کو گمان ہو گا کہ ہم ان سے ڈر گئے ہیں، اس لیے وہ تشدد پر آمادہ ہو جائیں گے"۔

"نہیں سر! میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔ ایک معمولی حکمت عملی اور تھوڑی سی نرمی اختیار کی جائے تو یہ لوگ ہمارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم نے ان کو مشتعل کیا تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ یہ بڑا نازک وقت ہے ہمیں احتیاط برتنی ہوگی"۔

سرکل انسپکٹر نے پھر کہا، "یہ کیا چاہتے ہیں؟ اور یہ کیا کریں گے؟"

"میری خفیہ اطلاعات کے مطابق یہ ہمارے کاغذات جلانا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی وردی ان کو دے دیں تاکہ وہ اسے نذر آتش کر دیں اور ہاں وہ تھانے پر قومی پرچم بھی لہرانا چاہتے ہیں"، گلاب راؤ نے تفصیل سے بتایا۔

"ہم یہ سب کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب کیسے ہوتا دیکھ سکتے ہیں؟" لالہ بابورام نے غصہ میں سوال کیا۔

"سر، جب تک طوفان تھمتا نہیں ہمیں ان کے ساتھ نرم رویّہ اختیار کرنا چاہئے"، گلاب راؤ نے کہا۔

"میرے پاس کوئی اہم کاغذات نہیں ہیں۔ کچھ تحقیقاتی کاغذات، تین یا چار ابتدائی رپورٹ پر مبنی کچھ کاغذات اور ڈاک رجسٹر کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر یہ جلائے جاتے ہیں تو پھر زیادہ نقصان نہیں ہو گا۔ اگر وہ ہمارا یونیفارم نذر آتش کرتے ہیں تو ہمیں دوسرا یونیفارم مل جائے گا۔ تھوڑی دیر کے لیے انہوں نے اپنا پرچم لہرا بھی دیا تو اس میں ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ جیسے

www.urduchannel.in

ہی ڈسٹرکٹ پولس آئے گی تو ہم فوراً پرچم اتار دیں گے اور یونین جیک لہرادیں گے۔ بس کچھ گھنٹوں کی ہی بات ہے۔ طوفان ہوا کے جھونکے کی طرح نکل جائے گا"۔

"تم کیا بکواس کرتے ہو گلاب راؤ" لالہ بابورام نے گرجدار آواز میں کہا۔

"تم انسپکٹر آف پولس ہو یا اکسائز انسپکٹر ہو؟ انہیں کاغذات جلانے دیں، انہیں یونیفارم نذر آتش کرنے دیں، انہیں اپنا پرچم لہرانے دیں، ارے شرم کرو! کیا تم نہیں جانتے کہ ڈی آئی جی ہمیں زندہ چبا ڈالے گا؟ اگر کسی نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو یاد رکھو چمڑی ادھیڑ دی جائے گی۔ یہ جلوس والے آخر کیا کریں گے؟ بس دو یا تین گولیاں داغو تو دیکھو گے کہ خرگوش کی طرح بھاگیں گے۔ ہمارے کاغذات جلانے دو، کن احمقوں سے پالا پڑا ہے!"۔

"لیکن ہمارے پاس کتنے کارتوس ہیں۔ میری بندوق تو بھری ہوئی ہے۔ شاید تمھاری بھی ہوگی۔ لیکن جیسے ہی خالی ہوگی تو سمجھ لو کہ عوام تشدد پر آمادہ ہوجائیں گے۔ اس وقت ہمارے پاس ری لوڈ کرنے کا وقت بھی نہ ہوگا"۔ گلاب راؤ نے توجہ دلائی۔

"تمھیں زیادہ کارتوس رکھنے چاہئے تھے"۔

"یس سر! میرے کوارٹر میں مزید ایک بیلٹ موجود ہے"۔

"جلدی لاؤ اسے، مجھے یقین ہے کہ مجمع دو یا تین گولیوں میں تتر بتر ہوجائے گا اور ہمیں ری لوڈ کرنے کی بھی نوبت نہیں آئے گی۔ اس طرح کے فسادات تو میں نے پہلے بھی دیکھے ہیں"۔ سرکل انسپکٹر نے کہا۔

"سر! مجھے یہ ایسا نہیں لگتا۔ ہوسکتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں لیکن میری یہ ذمہ داری ہے کہ آپ کو آگاہ کردوں، ان حالات کو معمولی سمجھنا میرے خیال میں خطرے سے خالی نہ ہوگا"۔

"اس میں خطرے کی کیا بات ہے؟" لالہ بابورام نے پوچھا اور کہا، "مت گھبراؤ، تم

www.urduchannel.in

دیکھ لینا میں حالات کو کیسے قابو میں لاتا ہوں۔ مجسٹریٹ کو بلانے کے لیے ایک کانسٹبل کو بھیجو"۔

"میں نے پہلے ہی بھجوادیا ہے"، گلاب راؤ نے کہا۔ لیکن ڈاک بنگلہ ندی کے اس پار ہے اور ندی میں طوفان آیا ہوا ہے جب تک وہ آئیں گے تب تک جلوس دروازے تک پہنچ چکا ہوگا"۔

ہجوم کا شوروغل اس قدر جاری تھا کہ مزید بات چیت کرنا مشکل ہورہا تھا۔ ہجوم دروازے تک پہنچ چکا تھا اور تھانے کا محاصرہ کرچکا تھا۔ فضا میں اب نیا نعرہ گونج رہا تھا۔

"جیل کا دروازہ توڑو

ہمارے قومی رہنماؤں کو چھوڑو"

انہوں نے پھر نعرہ بدل دیا اور کہا۔

"پولس اسٹیشن کا دروازہ توڑو، گورنمنٹ کے سارے کاغذات جلاڈالو"

لوگ گلا پھاڑ کر چلّا رہے تھے۔ تبھی سرکل انسپکٹر لالہ بابورام نے بھی گلا پھاڑ کر چلّایا۔ "کیوں چلا رہے ہو؟ دیکھو، سنبھل جاؤ، اگر تم نے پولس اسٹیشن کے اندر ایک قدم بھی رکھا تو میں گولی چلادوں گا"۔

لالہ بابورام مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اس کی آواز بھی زبردست تھی، سب پر چھا جاتی تھی۔

کچھ دیر کے لئے سوئی پٹک سناٹا چھا گیا تھا۔ کچھ لمحے بعد مکھیا اور سوما نے اپنا جھنڈا اٹھایا اور زور سے چلائے، "پولس اسٹیشن کے دروازے توڑ ڈالو، گورنمنٹ کے تمام کاغذات جلاڈالو!"

پہلی نفسیاتی فتح تو ہوچکی تھی۔ سارا مجمع نعرے لگا رہا تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی اور یوں لگتا تھا گویا آسمان پھٹ پڑے گا۔ بھولا ناتھ پہلوان کی قیادت میں فزیکل

www.urduchannel.in

کلچرل انسٹی ٹیوٹ کے کچھ رضا کار آپہنچے اور انہوں نے اس قدر زبردست دھکّا دیا کہ پلک جھپکتے ہی لکڑی کا کمزور دروازہ اکھڑ گیا۔ سارا مجمع پولس کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا۔ دروازے کا ٹوٹنا دراصل فتح کی علامت ثابت ہوا۔ سارے لوگ چلّا پڑے "پولس اسٹیشن کا دروازہ ٹوٹ گیا ہے، پولس اسٹیشن کا دروازہ ٹوٹ گیا ہے"۔

سرکل انسپکٹر بابورام نے دیکھا کہ جم غفیر کا ارادہ نیک نہیں ہے تو اس نے اپنی بندوق نکالی اور سیدھا سامنے فائر کردیا۔ پہلی گولی رام داس کی ران میں لگی اور دوسری گولی سرسوتی دیوی کے سینے کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی "ہے رام" وہ وہیں ڈھیر ہوگئی۔ اس طرح رام داس بھی چل بسا۔ گولی کی آواز سے مجمع میں دہشت پھیل گئی اور لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ لیکن جیسے ہی انہوں نے سنا کہ سرسوتی دیوی شہید ہوگئیں، عورتیں ایک دم بھڑک گئیں اور چلانے لگیں۔

"او بزدلو! تم کہاں جارہے ہو؟ ایک عورت ماردی گئی اور تم میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہو۔ بے شرمو، کمینو"۔

جیسے ہی عورتوں نے انہیں کوسنا شروع کیا سارے مرد پلٹ آئے اور پولس اسٹیشن کی طرف لپک گئے۔

لالہ بابورام نے اپنے ساتھی کو حکم دیا، "فائر! تم کس کا انتظار کررہے ہو۔ مجھے اپنی بندوق دو، جب تک تم میری بندوق لوڈ کرو"۔

گلاب راؤ نے فوراً اپنی بندوق سرکل انسپکٹر کے حوالے کردی اس نے فوراً دو شاٹ فائر کئے۔

لالہ بابورام اچھا نشانہ باز تھا۔ وہ جب گولی چلاتا تو اس کا نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔ سو ایسا

www.urduchannel.in

ہی ہوا۔ دو آدمی مزید شہید ہو گئے۔ ایک گولی بھولا ناتھ کے کندھے کو چھو کر نکل گئی اور اس کے انسٹی ٹیوٹ کے ایک کارکن کو جو اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا جا لگی۔

بھولا ناتھ نے دیکھا کہ سرکل انسپکٹر کی بندوق خالی ہو چکی ہے۔ وہ شیر کی طرح اس پر جھپٹ پڑا اور اس کی گردن دبوچ لی۔ یہ سب اس قدر سرعت کے ساتھ ہوا کہ بابورام تقریباً ادھ مرا ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر کارکنوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ مزید آگے بڑھنے لگے اور انہوں نے گلاب راؤ کے ہاتھ سے بندوق چھین لی اور کارتوس نکال پھینکے۔ دوسرے شخص نے اسے اکٹھا کیا اور اپنے پاس رکھ لیے۔

بابورام چلایا اور گلاب راؤ سے کہا، ''کارتوس کو راٹر سے منگواؤ اور فائر کرو''۔

گلاب راؤ نے ایک کانسٹبل کو بھیجا کہ وہ کارتوس کا بیلٹ اٹھا لائے۔ لیکن کانسٹبل لوٹ کر ہی نہیں آیا۔ جانکی بائی نے وہ بیلٹ کنویں میں ڈلوا دیا تھا۔ جب بھولا ناتھ کو یقین ہو گیا کہ پولس کے پاس ایک بھی کارتوس نہیں ہے تو اس نے جلوس کی کمان سنبھال لی۔ اس نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو۔ پولس اسٹیشن پر قبضہ کر ڈالو۔ ان کے پاس گولہ بارود ختم ہو چکا ہے۔

سارا مجمع پولس اسٹیشن میں گھس پڑا۔ سب انسپکٹر گلاب راؤ سے کہا گیا کہ وہ اپنا یونیفارم ان کے حوالے کر دے، اس نے فوراً کر دیا۔ وہ صرف انڈرویئر پہنے کانپ رہا تھا۔ دو تین پولس کانسٹبل نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن سرکل انسپکٹر بابورام اور ہیڈ کانسٹبل منّو خان اپنی ضد پر اڑے رہے۔ ان کے اور بھولا ناتھ کے رضاکاروں کے درمیان کافی تو تو میں میں ہوتی رہی۔ بھولا ناتھ نے دونوں کو ایک ستون سے باندھنے کا حکم دیا۔

www.urduchannel.in

بابورام کا ہاتھ اور پیر ایک ستون سے باندھا گیا اور منّو خان کا دوسرے ستون سے۔

پولس اسٹیشن سے ملے تمام کاغذات اور فرنیچر کو ایک ڈھیر کی شکل میں ایک جگہ کر دیا گیا اسکے ساتھ کمپاؤنڈ کا ٹوٹا دروازہ بھی اس پر ڈال دیا گیا۔ کسی نے گاؤں سے ایک ڈبہ کیروسین (مٹی کا تیل) لے آیا اور ڈھیر پر اسے انڈیل دیا۔ دیواروں، دروازوں اور کھڑکیوں پر بھی چھڑک دیا گیا اور اسے آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ مکھیا جی اور سوما نے بہت کوشش کی کہ لوگ ایسا نہ کریں مگر ان کی ساری محنت بے سود ثابت ہوئی اور کسی نے ان کی ایک نہ سنی کیونکہ اب جلوس کی قیادت بھولا ناتھ اور اس کے فزیکل کلچرل انسٹی ٹیوٹ کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔

پولس اسٹیشن جلد ہی آگ میں دھوں دھوں جلنے لگا اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ ان شعلوں میں سرکل انسپکٹر بابورام اور ہیڈ کانسٹبل منّو خان بھی جل کر خاک ہو گئے۔ پولس نے چار افراد کو شہید کیا تھا ان میں سے ایک خاتون تھی، مشتعل ہجوم نے برٹش گورنمنٹ کے دو ملازمین کی زندگی لے کر اس طرح اپنے ردّعمل کا اظہار کیا۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اس انتقام کو روک سکے یا روکنے کی کوشش کرے۔ کوئی غیبی طاقت تھی جو لوگوں کو ایسے سفاکوں اور ظالموں کے خلاف تشدد کرنے پر آمادہ کر رہی تھی۔ حالانکہ اس کی اہمیت سے کوئی واقف نہیں تھا۔ کسی کو خود پر کنٹرول تھا نہ ہی دوسرے کو وہ ایسا کرنے سے باز رکھ سکتے تھے۔ انہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے تھے۔ انہیں ایک عجیب سی طاقت ایسا کرنے پر آمادہ کر رہی تھی۔ یہ طاقت ان کی نہ تھی بلکہ ایسا لگتا تھا کہ کوئی جنّات ان کے قبضے میں ہو جو انہیں ایسا کرنے پر اکسا رہا تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۲۷)

گھوگھری کی خبروں نے حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کیونکہ عوام نے انکے دو وفادار پولس آفیسرز کو یہاں زندہ جلا دیا تھا۔ گورنر نے فوراً ایک کانفرنس بلائی جس میں چیف سکریٹری، انسپکٹر جنرل آف پولس ، ایک یا دو اہم آفیسرز شریک تھے ایک کو چھوڑ کر تمام انگریز تھے۔ کانفرنس میں بڑی تفصیل سے تمام واقعات کا جائزہ لیا گیا اور اس واقعہ کا سیاسی طور پر کیا ردّعمل ہوگا اس پر بھی بحث کی گئی۔ ان کو احساس تھا کہ گھوگھری کے یہ حالات دراصل برٹش اتھارٹی کے لیے ڈائرکٹ چیلنج تھے۔ حالانکہ یہ اگست کرانتی کی طرح ہی تھا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ جس کی وجہ سے ہندوستانی افسران کی وفاداری پر سوالیہ نشان لگ گیا تھا۔ شاید ہی کوئی گورنمنٹ ملازم ایسا ہوگا جس کے نزدیک یا دور کے رشتہ دار اس تحریک میں شریک نہ ہوں۔ ہندوستانی گھروں میں گاندھی جی کا نام محترم اور مقدس سمجھا جانے لگا تھا۔ سی آئی ڈی کی خفیہ معلومات کے مطابق انڈین اعلیٰ افسران کی بیویاں بھی جب پوجا کرتی تھیں تو گاندھی جی کی تصویر سامنے رکھتی تھیں۔

یورپ میں ایک ہولناک جنگ شروع تھی اور برطانیہ کے شہروں پر بے رحمی سے بم برسائے جارہے تھے۔ برٹش افسران کے رشتہ دار اور بیٹے اس سے متاثر ہورہے تھے۔ ہندوستان میں مقیم برٹشرز کے دل و دماغ پر بس وہی چھایا ہوا تھا۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ آفیسرز کی ہمت افزائی کی جائے تاکہ گورنمنٹ پر ان کا اعتماد قائم رہے۔ اگر ہندوستانی آفیسر یہ محسوس کرنے لگ جائیں کہ ان کی جانیں یہاں محفوظ نہیں ہیں جیسے سرکل انسپکٹر بابورام کے ساتھ ہوا تو یقیناً ان کا حوصلہ پست ہوجائے گا اور یہ زبردست نقصان ہوگا۔

www.urduchannel.in

گھوگھری سانحہ کا انتقام لینا ہوگا، چاہے کتنے ہی سخت اقدامات کرنے پڑیں۔ اگر برطانوی حکومت گھوگھری کے جذبہ کو کچلنے میں ناکام رہتی ہے تو دوسرے دیہات بھی اس کی گرفت سے نکل جائیں گے۔ یہ ان کی حکمت عملی تھی کیونکہ یہاں معاملہ برٹش حکومت کے وقار اور اقتدار کا تھا۔ کانفرنس اس بات پر ختم ہوئی کہ سارے معاملے کو سختی اور بے مروتی سے نپٹا جائے۔

لیکن انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ لالہ بابورام کی بیوہ کو پانچ ہزار اور منّو خان کی بیوہ کو دو ہزار روپیئے نقد کے انعام کا اعلان کیا۔

پولس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ گھوگھری کے سانحہ سے کچھ گھنٹے قبل ابھئے کمار نامی شخص نے گاؤں کا دورہ کیا تھا۔ وہی بمبئی سے بلیٹن لایا تھا وہ پولس کی گرفت سے ابھی تک دور تھا۔ کسی حال میں بھی اسے فوراً گرفتار کرنا ضروری تھا۔ اس کی تصویر کیساتھ اشتہارات ہر طرف لگا دیئے گئے تھے اس میں یہ بھی درج تھا کہ جو ابھئے کمار کو زندہ یا مردہ پولس کے حوالے کرے گا اسے دس ہزار کا انعام دیا جائے گا۔ اس اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ ابھئے نے ہی گھوگھری کے بھولے بھالے اور معصوم عوام کو قتل اور آگ زنی پر اکسایا تھا علاوہ ازیں بادشاہ کے خلاف سازش رچنے کے جرم میں اس پر مقدمہ چلایا جانا چاہئے۔

فوج کا خصوصی دستہ ڈی آئی جی آف پولس اور ضلع مجسٹریٹ کے ہمراہ گھوگھری بھیجا گیا تاکہ لوگوں کو باور کیا جائے کہ حکومت سے غداری اور لوٹ مار کا انجام کیا ہوتا ہے! وہ گھوگھری سانحہ کا انتقام لینا چاہتے تھے خون کا بدلہ خون آگ کے بدلے آگ! ہندوستان میں برٹش پالیسی ہمیشہ سے یہی رہی تھی کہ اگر انفرادی تشدد بھی رونما ہو تو وہ اسے منظم ریاستی تشدد سے کچل کر رکھ دیتے تھے۔ جس طرح بلیک ہول آف کلکتہ میں ہوا تھا۔ وہی معاملہ ۱۸۵۷ء میں باغی سپاہیوں کے ساتھ ہوا تھا۔ پھر ۱۹۴۲ء میں یہ کیونکر نہیں ہو سکتا تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۲۸)

جب ملٹری کا عملہ گھوگھری پہنچا تو دیکھا کہ ہر طرف سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ بازار، اسکول اور سڑکوں پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ گاؤں واسیوں نے کسی طرح بھی سرسوتی دیوی اور تین نوجوانوں کا انتم سنسکار کیا جو پولس فائرنگ میں جاں بحق ہوگئے تھے۔ اس کے بعد سے تو وہ گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ پورا گاؤں ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ نہ صرف مرد، عورت بلکہ مویشی، کتّے اور دوسرے جانور بھی غم زدہ نظر آرہے تھے۔ یہاں تک کہ ہوائیں جو صبح کے وقت تیز چلتی تھیں آج بڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھیں کیونکہ آج ہی کے دن شہیدوں کے جسم اور پولس اسٹیشن خاک میں تبدیل ہوچکے تھے۔ ہر طرف تیرگی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ ہنومان مندر کے پاس گاؤں کے چوراہے پر پیپل کا درخت حالانکہ آج بھی اپنے وجود کی نشاندہی کررہا تھا مگر وہ بھی بالکل ساکت وجامد کھڑا تھا گویا جو کچھ اس نے دیکھا تھا اس کے درد وغم سے وہ نڈھال نظر آرہا تھا۔

گھروں میں بیٹھے لوگ کانا پھوسی کررہے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ رام ناتھ مکھیا، سوما ٹیلر اور بھولا ناتھ پہلوان کے علاوہ جو لوگ بھی پولس کی نظر میں مشکوک ہیں انہیں جنگل میں روپوش ہوجانا چاہئے ورنہ پولس انہیں گرفتار کرکے قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ گورنمنٹ کا انتقام لینے کا طریقہ انتہائی خطرناک تھا۔ گاؤں چھوڑنے میں ہی ان کی عافیت تھی۔

یہ مشورہ گاؤں والوں کو بالکل پسند نہ آیا۔ ان کی دلیل تھی کہ وہ بزدلوں کی طرح کیوں بھاگیں۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ خود اس کے ذمہ دار تھے۔ اس کے لیے جو بھی سزا

www.urduchannel.in

انہیں دی جائے گی وہ بسر و چشم قبول کرلیں گے۔ انہوں نے جو اچھا برا کیا اپنے ملک کی خاطر کیا تھا۔ اگر انہیں اپنی زندگی ملک کی خاطر نچھاور کرنی پڑے گی تو وہ خوشی خوشی کر دیں گے وہ کیوں بھاگیں اور چھپتے پھریں۔ جو کچھ بھی ہوگا اس سے نمٹنے کے لیے وہ تیار تھے۔ وہ بزدل نہیں تھے۔

ملٹری فورسز پہنچ چکی تھی، ایک ڈیڑھ گھنٹے کے اندر ہی انہوں نے گاؤں کی گھیرا بندی شروع کر دی تھی۔ راستے اور گلیاں بند کر دی گئیں۔ ڈی آئی جی نے گاؤں کے پولس اسٹیشن کے پاس ہی اپنا خیمہ نصب کر دیا اور اپنے لوگوں کو گاؤں میں گھومنے کی کھلی چھوٹ دے دی تھی۔

یہ لوگ بندوقیں تانے گاؤں کے ہر گھر میں داخل ہوتے اور ہٹے کٹے لوگوں کو گرفتار کر لیتے تھے۔ اگر کوئی ذرا بھی آنا کانی کرتا تو اس پر بندوق تان دی جاتی تھی۔ یہ خونریزی دیکھ کر دوسروں کا بھی صبر کا باندھ ٹوٹ رہا تھا۔ سپاہی گھر میں گھس کر ایک ایک سامان کی چھان بین کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے باورچی خانہ اور پوجا گھر تک کونہ چھوڑا وہ گھر کا کونہ کونہ چھان رہے تھے اگر انہیں کوئی قیمتی چیز نظر آتی تو وہ اسے اپنے قبضہ میں کر لیتے تھے۔ کتنا پیسہ اور زیورات انہوں نے ضبط کیا اس کا کوئی حساب نہیں تھا۔ وہ گندی گالیاں بک رہے تھے انہوں نے عورتوں کو بھی نہیں بخشا، یہ سب دیکھ کر نوجوانوں کا خون کھول گیا۔

بھولا ناتھ کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے ایک گستاخ سپاہی سے کہا، ”خاموش، کتے کی اولاد! چاہے تو مجھے پھانسی پر بھی لٹکا دے بھگوان بجرنگ کی قسم تجھے چیر کر رکھ دوں گا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا، سنبھل جا مردود!“

سپاہی تھوڑی دیر کے لئے لرز گیا، لیکن اپنے دوسرے تین ساتھی سپاہیوں کی مدد سے اس نے بھولا ناتھ پہلوان کو ہتھکڑی اور بیڑی پہنا دی، پہلوان بڑی مشکل سے چل پا رہا تھا۔

www.urduchannel.in

جب وہ لڑکھڑاتا تو سپاہی اس کو کیلوں والے جوتوں کی نوک سے کمر پر لات مارتا تھا، اس کی آنکھیں آگ بگولا ہوگئی تھیں لیکن وہ ان جنگلی اور ظالموں کے آگے بالکل نہتا اور بے سہارا محسوس کررہا تھا۔ اس کو صرف یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہاں اپنی روایتی حوصلہ مندی نہ دکھائی جائے کیونکہ یہ ظالم ہی غالب تھے۔

دو گھنٹے کے درمیان تقریباً سولہ اور چالیس سال کی عمر کے تمام لوگ گرفتار کرلیے گئے اور انہیں گاؤں کے کانجی ہاؤس میں بھیج دیا گیا۔ جہاں انہیں قید کردیا گیا اور ان پر نظر رکھنے کے لیے ہتھیار بند گارڈ تعینات کردئے گئے۔ قیدیوں کی تعداد ایک سو بیانوے تک تھی۔

جب گرفتاریاں ختم ہوئیں تو انہیں ہتھیار بند سپاہیوں کی نگرانی میں دو دو کی قطار میں باہر نکالا گیا۔ انہیں گڑھا کھودنے پر مجبور کیا گیا۔ نئی اینٹیں اکٹھا کی گئیں اور پولس اسٹیشن کی تعمیر نو کی جانے لگی۔ وہ ہاتھ جنھوں نے اس عمارت کو منہدم کیا تھا انہیں ہاتھوں سے تعمیر نو! ذرا ہچکچاہٹ محسوس ہورہی تھی۔ لیکن ذراسی آناکانی کی یا تذبذب دکھایا کہ کمر پر لات اور گھونسے یہاں تک کہ بندوق کے کندے بھی مارے جاتے تھے۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق بادل ناخواستہ ایک ہاتھ سے آنسو پوچھے اور دوسرے سے اینٹ گارا لگایا۔ کام کے درمیان کوئی آرام نہیں تھا صرف ایک گھنٹہ کا وقفہ ملتا جس میں سوکھی بریڈ اور سوکھی سبزی پروسی جاتی جس کو زہر مار کرلیا جاتا تھا یہ سب اسی اناج سے تیار ہوتا تھا جو سپاہیوں نے ان کے گھروں سے ضبط کیا تھا۔

تین دن اور تین رات مسلسل سخت محنت کے بعد گھوگھری پولس اسٹیشن کی چھوٹی سی عمارت دوبارہ کھڑی ہوگئی۔ اس کے بعد بوڑھی عورتوں، مردوں اور سولہ سال سے کم عمر بچوں

www.urduchannel.in

کا ایک جلوس نکالا گیا جس پر بندوق دھاری سپاہی کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ بوڑھے لوگ سامنے کی صف میں تھے انہیں یونین جیک لہرانے پر مجبور کیا گیا۔ جلوس غمگین، خاموش اور انکے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ یہاں بات کرنے کی سخت ممانعت تھی، شور کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ جلوس مُردوں کا جلوس تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ سڑک پر جب سپاہی نوکیلے جوتے پہنے بھاری قدموں سے چلتے تو خوفناک آواز آتی تھی۔ کبھی کبھار بندوق کا سرا کسی پتھر سے ٹکراتا تو اس سے بھی خاموشی ٹوٹ جاتی تھی۔ جلوس میں زیادہ تر عورتیں تھیں ان کے چہرے اداس اور دل مایوس تھے ان کے ہاتھ پیر ایسے کام کر رہے تھے گویا کوئی بے جان مشین ہو۔

جب جلوس پولس کمپاؤنڈ تک پہنچا تو کانجی ہاؤس کا دروزہ کھولا گیا۔ قیدیوں کو دو دو کی قطار میں نکالا گیا اور ان سے کہا گیا کہ جلوس کے مکھیا کے سامنے سے مارچ کرتے ہوئے گزرو جس طرح وہ بغاوت کے دن گزرے تھے۔

مکھیا رام ناتھ سامنے کھڑا تھا جو کڑی محنت، کرب و اذیت اور ذلالت کے باعث محض ہڈی کا ڈھانچہ نظر آرہا تھا۔ ایک پولس آفیسر زور سے چلّایا کہ باہر آؤ۔ وہ چند قدم آگے بڑھا اور پھر کھڑا ہو گیا جیسے کوئی لٹا پٹا آدمی ہو۔ اس کا چہرہ زرد اور سوکھا تھا۔ جیسے کسی نے خون چوس لیا ہو۔ جلوس میں شامل اس کی بیوی رامیشوری نے جب اسے دیکھا تو بچے کی طرح بلک پڑی۔ دوسری عورتیں بھی اپنے شوہروں کو دیکھ کر چیخ اٹھیں۔

ڈی آئی جی نے ایک انڈین آفیسر کو انگلی کے اشارے سے کہا۔ اس نے رام ناتھ سے پوچھا۔

"تمھارا کیا نام ہے؟"

www.urduchannel.in

"رام ناتھ"۔

"کیا تم باغیوں کے جلوس کی قیادت کر رہے تھے؟"

"جی ہاں!"

"کیا تم نے ترنگا پرچم پولس اسٹیشن پر لہرایا تھا؟"

"جی ہاں!"

"اب یہ گورنمنٹ پرچم لو اور اسے لہراؤ، چلو جلدی کرو!"

رام ناتھ تھوڑا ہچکچایا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ چشم زدن میں اس کے گالوں پر ایک زوردار طمانچہ پڑا، اسے تقریباً چکّر آگیا اور اس کا سر گھوم گیا وہ بمشکل خود کو سنبھال پایا۔

"یہ پرچم لہراؤ! وقت ضائع مت کرو"۔ آفیسر زور سے چلایا۔

رام ناتھ بالکل ساکت کھڑا تھا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ رسّی سے بندھے تھے۔ کسی نے اس کی پیٹھ پر زور سے گھونسہ مارا جس کی وجہ سے اس کی رسی تک ضرب پہنچی اور پرچم آدھا کھل گیا۔ اسی درمیان پیچھے سے کسی نے دوسری لات ماری اور پرچم ہوا میں پورا کھل گیا۔ لیکن ابھی وہ ہوا میں لہرا نہیں رہا تھا کیونکہ وہاں ہوا بھی ساکت تھی۔

رام ناتھ کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے گر پڑے۔ ایسا لگتا تھا گویا اس کے جسم سے خون کا رشتہ ختم ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھیں اوپر کیں اور پرچم کو دیکھا اور زمین پر گر پڑا۔ گرنے سے اس کا سر پتھر سے ٹکرایا اور خون جاری ہو گیا۔ جلوس میں سے ایک کمزور آواز ابھری۔ یہ درد بھری آہ ایک خاتون کی تھی۔

www.urduchannel.in

"اے بھگوان!"

فوجی دھن پر ترانہ بج رہا تھا۔ لیکن گھوگھری کے عوام کے لیے یہ پیام اجل کی مانند تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۲۹)

۹/اگست کے ایک یا دو ہفتہ کے بعد حکومت کی جڑیں ہل گئیں۔ افسروں کو عوامی بغاوت کو سمجھنے میں کچھ وقت لگا۔ یہ اپنی نوعیت کا انوکھا واقعہ تھا جس کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ کرنا مشکل نظر آرہا تھا۔ کوئی بھی پیشن گوئی نہیں کر سکتا تھا کہ طوفان کتنا شدید ہو سکتا ہے۔ لیکن حکومت نے باغیوں کو دبانے کے لیے جو طریقہ کار اپنایا وہ انتہائی سخت اور بے رحمانہ تھا۔ جیل بھر چکے تھے، ہر طرف قبرستان کا سا سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔

تمام فعال انقلابی رضا کار جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے قید تھے۔ جو ان کے ہمدرد تھے وہ لاتعلقی کا اظہار کر رہے تھے اور جو لاتعلق تھے وہ حکومت کی تائید کر رہے تھے۔ زیادہ تر لوگوں کا خیال تھا جنگ میں مدد کرنا دراصل وقت کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اس سے انہیں بڑے بڑے ٹھیکے ملیں گے اور خوب فائدہ ہوگا۔ اس طرح وہ افسران کو جھانسہ دینے کی کوشش کرتے اور ان کی ہمدردی بٹورتے تھے۔ اس لیے کسی کو دور دور تک احساس نہیں ہوتا تھا کہ اس تحریک سے کس کو ہمدردی ہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۱ء کے عدم تعاون تحریک کے موقع پر جن لوگوں نے سفید رنگ کی قومی ٹوپیاں پہنی ہوئی تھیں انہوں نے ذاتی روپیہ خرچ کر کے اس پر کالا رنگ چڑھا دیا تھا۔

سرمایہ داروں اور تاجروں کی اخلاقی پستی اور تنزلی دیکھتے ہی بنتی تھی ان کے سر میں چاندی کے سکّوں کا سودا ایسا سوار تھا کہ گاندھی یا ملک سے نسبت ظاہر کرنا ان کے خیال میں خود کو پریشانی میں ڈالنا تھا۔ فوج میں تیزی سے بھرتی جاری تھی۔ مہنگائی آسمان چھو رہی تھی۔ غریب اور متوسط طبقہ دو وقت کے کھانے کو محتاج تھا۔ روزی روٹی کے لیے وہ جنگ کے کام کرنے پر بھی راضی تھا جو بڑی تعداد میں حاصل ہو رہا تھا۔

www.urduchannel.in

یورپ اور ملک حبش کے باشندے میدان جنگ میں خوں کی ہولی کھیل رہے تھے اور ہمارے مفلوک الحال لاغر و کمزور ہندوستانی دنیا کی مال و شاع میں گرفتار تھے۔ برطانیہ حکومت لندن کی پارلیمنٹ اور ہندوستانی مجلس قانون ساز اسمبلی میں فخر سے دعویٰ کر رہی تھی کہ گاندھی کی بغاوت کا جنگی سامان کی فراہمی پر ذرّہ برابر اثر نہیں ہوا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق ایک کروڑ مسلم اور ایک کروڑ ۳۰ لاکھ ہندوستانی عوام مختلف ریاستوں میں رہ رہے تھے۔ ایک کروڑ دس لاکھ لوگ پس ماندہ طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور تین کروڑ ہندو مہاسبھائی جو گاندھی کے اثر سے کوسوں دور تھے۔ یہ دونوں طبقے جنگ میں بھرپور تعاون کر رہے تھے۔ اس بات کو ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ ۴۰ کروڑ ہندوستانی عوام میں سے ۶ کروڑ ۴۰ لاکھ لوگ کس طرح گاندھی کے اثرات سے بچے ہوئے تھے۔

گاندھی اور دیگر قومی رہنماؤں کی گرفتاریوں سے دراصل ہندوستان کی روح مجروح ہوئی تھی۔ پوری قوم ذلّت اور ہتک محسوس کر رہی تھی۔ ایسے وقت میں دو طاقتیں ہندوستان کو کنٹرول کر رہی تھیں ایک ولایتی حکومت کی طاقت اور دوسری ہندوستانی قوم۔ ایک تو خوب منظم اور طاقت کے حصار میں قلعہ بند تھی اور اپنے آدمی اور وسائل کے بل پر قبضہ جمائے ہوئے تھی جب کہ دوسری طاقت ادھر ادھر منتشر بھٹک رہی تھی اور ذلّت و رسوائی ان کا مقدر بن گیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان کا دل اور ان کی روح ہندوستان کے لیے دھڑکتی تھی۔ بھگوان رام تخت پر براجمان ہونے ہی والے تھے اور بادشاہت کا تاج پہننے ہی والے تھے کہ اسی وقت ان کی سوتیلی ماں کی بددعا نے انہیں جنگل میں پہنچا دیا جہاں انہیں کانٹوں کا تاج پہننا پڑا۔ لیکن اس سے ان کی شہنشاہیت میں کوئی کمی نہ آئی۔ رام تو رام ہی رہے چاہے وہ ایودھیا میں رہیں یا پنچ وٹی کے جنگلوں میں۔

www.urduchannel.in

حالانکہ گاندھی جی جیل میں تھے لیکن وہ لوگوں کے دلوں پر راج کررہے تھے۔ یہ سچ تھا کہ لوگ جسمانی اعتبار سے بددلی کے ساتھ گورنمنٹ مشنری میں کام کررہے تھے لیکن ان کے دل نیم برہنہ فقیر کے قدموں پر نچھاور تھے جو آغاخان پیلس کی چار دیواری والے قید خانے میں مقید تھا۔ بھگوان کرشنا سے لے کر اب تک قیدیوں کی ایک روشن روایت رہی تھی۔ لوگ ہمیشہ ان کی پوجا کرتے ہیں جو دنیا کے ستائے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کو سولی پر چڑھادیا جاتا ہے۔ جو لوگ قسمت کے حرکت کرتے ہوئے پہیوں کو بہت دور تک دیکھ سکتے تھے وہ اپنے دلوں میں غیر متزلزل یقین رکھتے تھے کہ گاندھی نے انگریزوں سے کہا بھارت چھوڑو۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ انگریزوں کو جانا ہی ہوگا، آج نہیں تو کل۔ ان کی فوج، بندوقیں اور مشین گن بھی انہیں بچا نہیں سکیں گی۔

لیکن زیادہ تر لوگ پریشانی اور مایوسی کا شکار تھے۔ تہواریوں ہی پھیکے پھیکے اور سونے سونے گذر جاتے تھے کیونکہ شاید ہی کوئی ایسا خاندان ہوگا جس کا کوئی نہ کوئی فرد گھر سے دور نہ ہوگا۔ چاہے وہ جیل میں ہو یا پھر جنگ کی جدوجہد میں لگا ہوا ہو۔ اس لہر اور ہیجان نے انہیں در بدر بھٹکنے پر مجبور کردیا تھا لیکن عورتیں اور بچے اس جدائی کی ٹیس محسوس کررہے تھے۔ لوگ اس دیوالی پر چراغاں بھی نہ کرسکے تھے اور نہ ہی انہوں نے مٹھائیاں بنوائیں تھیں۔ پورا ملک گویا ایک صدمہ میں تھا۔

ایسے ماحول میں، ابھئے کمار نے کہا: ”دین بندھو ہم کب تک جیل سے باہر رہیں گے۔ جو کچھ ہوگا وہ تو ہو کر رہے گا۔ ملک نے اپنا لوہا منوالیا ہے لیکن ملک کی ساری فضا تبدیل ہوچکی ہے۔ پھر گرفتاری سے بچنا کیا معنی رکھتا ہے۔ پولس نے مجھ پر کڑی نظر رکھی ہوئی ہے۔ میں زیادہ دنوں تک بچ نہیں سکوں گا“۔

”تم آگ میں کیوں کودنا چاہتے ہو؟“ دین بندھو نے کہا۔ ”دیکھو حقیقت یہ ہے کہ تم

www.urduchannel.in

گرفتاری سے بچے ہوئے ہو، تمھاری موجودگی روپوش کارکنوں کے لیے غنیمت ہے۔ وہ تمام باہر نکل آنے کے لیے موقع کی تلاش میں ہیں۔ مشرقی حصہ سلگ رہا ہے اور تمام نظریں سبھاش چندر بوس پر ٹکی ہوئی ہیں۔ وہ جرمنی میں ہیں یا پھر جاپان میں ہونگے۔ ہمارا اگلا قدم ان کی لبریشن آرمی کے ساتھ مل کر حملہ کرنا ہوگا"۔

وہ سب بنگال ناگپور ریلوے لائن کے کنارے ایک چھوٹے سے ویٹنگ روم میں بیٹھے ٹرین کا انتظار کر رہے تھے۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا دین بندھو کی داڑھی اور ابھئے کی کھچڑی داڑھی بھی بڑھ گئی تھی۔ دونوں نے گیروے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور بالکل سادھو جیسے لگ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لوہے کا ایک چمٹا اور لکڑی کا کشکول تھا جیسا درویشوں اور فقیروں کے پاس ہوتا ہے۔ ایسے بھیس کی وجہ سے پولس انہیں پکڑنے میں اب تک ناکام رہی تھی۔ لیکن ہر لمحہ انہیں احساس ہوتا تھا جیسے پولس کے جال سے وہ بہت دور نہیں ہیں اور کسی بھی لمحہ وہ گرفتار کیے جاسکتے ہیں۔

یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جال ان کے لیے پھانسی کا پھندا ثابت نہ ہوگا۔

پھانسی کے پھندے کا خیال آتے ہی ابھئے کانپ اٹھا۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ جیسے وہ بہت تھک گیا ہو۔ اس نے زندگی میں کبھی ایسی تھکاوٹ محسوس نہیں کی تھی۔

رات کا اندھیرا چھٹ رہا تھا اور صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ ویٹنگ روم میں کوئی چراغ بھی نہیں تھا جس کی وجہ سے گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا لیکن وہ بھی اب کم ہو رہا تھا۔ روشنی کی کرنیں بکھر رہی تھیں کہ ابھئے کی نظر اچانک دیوار پر لگے ایک پوسٹر پر ٹک گئی، پوسٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا "دیکھو دین بندھو!"۔

دین بندھو نے دیکھا کہ ایک بڑے پوسٹر پر ابھئے کی تصویر نمایاں ہے اور لکھا تھا انعام۔

www.urduchannel.in

مبلغ دس ہزار۔ پھر آگے لکھا تھا:

"صوبائی حکومت یہ اعلان کرتی ہے کہ یونیورسٹی اسکالر ابھئے کمار ایک باغی ہے جو مفرور ہے، وہ پولس کی گرفتاری کے ڈر سے روپوش ہے۔ اس شخص کی تلاش ہے جو ناقابل معافی گناہوں کا مرتکب ہے، وہ لوگوں کو تشدد کے لیے بھڑکاتا ہے، قتل پر آمادہ کرتا ہے اور گورنمنٹ کے قانون میں رخنہ اندازی کرتا ہے، بے شمار وجوہات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ گھوگھری کے افسوس ناک واقعہ کا ذمہ دار بھی تنہا یہی شخص ہے۔ وہ آگ زنی اور قتل وغارت گری کا ذمہ دار ہے۔ جیسے ہی وہ گرفت میں آتا ہے اس پر خصوصی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا کیونکہ ریاست کے خلاف جرم کا مرتکب وہی ہے۔ وہ امن امان اور نظم ونسق کے لیے زبردست خطرہ ہے۔ اور یہ وہی شخص ہے جو ہندوستان میں جنگی جدوجہد میں رخنہ بنا ہوا ہے۔

چنانچہ حکومت یہ اعلان کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتی ہے کہ ابھئے کمار کو کسی بھی حالت میں زندہ یا مردہ ہمارے حوالے کیا جائے تو لانے والے کو دس ہزار کا انعام دیا جائے گا۔

حکومت مزید یہ اعلان کرتی ہے کہ ابھئے کمار فرار ہے۔ اس کو پناہ دینا یا کسی بھی طرح اس کی مدد کرنا چاہے کھانا، پانی یا پناہ دے کر اس کی مدد کی جاتی ہے تو یہ غیر قانونی کام ہے۔ اگر کوئی اس قسم کے جرم کا مرتکب ہوگا تو اس کے خلاف سخت قانونی کاروائی کی جائے گی۔ (صوبائی پولس ڈپارٹمنٹ کی جانب سے جاری کردہ)

دین بندھو نے لفظ بہ لفظ اس کو غور سے پڑھا پھر اس نے اسے دوبارہ پڑھا۔ وہ محو حیرت تھا، اسے ٹھنڈہ پسینہ چھوٹ گیا آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اور سارا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ ابھئے کمار نے کہا، "دیکھو کہیں چائے کی دکان کھلی ہے کیا؟ ایک کپ چائے ہمارے دماغ کی ساری رگیں کھول دے گی"۔

www.urduchannel.in

باب(۳۰)

اب ٹرین یا بس سے سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ دو سیلانی، ابھئے کمار اور دین بندھو چھندواڑہ ضلع کے کوہِ ست پڑا کی خوبصورت وادی میں مٹر گشتی کر رہے تھے۔ وہ پاتل پانی کی گہری وادی میں چھپے ہوئے تھے جو مہادیو پہاڑی سے زیادہ دور نہیں تھی۔

اچانک ابھئے نے کہا، ''دین بندھو! اب کچھ وقت کی بات ہے کہ ہم جیل میں ٹھونس دئے جائیں گے۔ تب ہم ان پہاڑیوں، ندیوں اور دلکش مناظر کو دوبارہ نہ دیکھ سکیں گے۔ ایسا کچھ ہونے سے پہلے میں بھگوان مہادیو کی ایک جھلک دیکھنے کا متمنّی ہوں۔ اگر میں وہاں دو تین دن بھی گذار آؤں تو یہ میری خوش بختی ہوگی۔ میں وہاں ماں اور وجیا کی حفاظت کے لیے بھگوان سے دعا کروں گا۔

''تجویز بری نہیں ہے!'' دین بندھو نے کہا، 'وہ یہاں سے تیس پینتیس میل کی دوری پر ہوگا۔ ہم جنگلوں کے تنگ راستوں سے جائیں گے، ہمیں کوئی شناخت نہ کر پائے گا''۔

ابھئے متفکر اور سنجیدہ ہوگیا۔ اس نے کہا ''دین بندھو! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ قبل اس کے کہ میں گرفتار کر لیا جاؤں، وجیا کو دیکھ آؤں۔ شاید اس نے بھی وہ اشتہار دیکھا ہوگا۔ بھگوان جانے اس پر کیا بیتی ہوگی''۔

''پولس تمھارے گھر کی نگرانی کر رہی ہوگی ابھئے! اگر تم جاتے ہو تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہی دھر لیے جاؤ گے اور پھر تم وجیا کو دیکھنے کے لیے بھی ترس جاؤ گے۔ تم ایسا خطرہ کیوں مول لیتے ہو؟''

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پہلے مہادیو جانا بہتر ہوگا۔ گھر جانے کے متعلق بعد میں

www.urduchannel.in

سوچیں گے"۔

مہادیو پہاڑی کی بچھمڑی کے بغل میں ہی واقع ہے۔ شیومندر کی طرح وہ صدیوں سے اسی طرح اٹل ہے۔ پہاڑیوں کے دامن میں ایک خوبصورت غار ہے جو شاندار پہاڑوں کے درمیان ہے۔ جسے مہادیو لنگ کہا جاتا ہے۔ یہ پوجا استھان ہے جہاں اس علاقے کا بڑا طبقہ پوجا کے لیے آتا ہے۔ یہ بچھمڑی سے محض ۷ میل کی دوری پر واقع ہے۔ یہاں صاف شفاف ٹھنڈے پانی کا جھرنا ہے جس سے خوش گوار فضا بنتی ہے۔ اسی غار میں لوگ لنگ پوجا کے لئے جاتے ہیں۔ عقیدت مند یہاں صاف، شفاف پانی سے غسل کرکے پوجا ارچنا کرتے ہیں۔ یہ مقام قبائلیوں کے لیے مقدس اور پوتر سمجھا جاتا ہے۔ اسے وہ بڑا مہادیو کہتے ہیں۔ مدھیہ پریش سے ہزاروں عقیدت منداس پوتر استھان پر پوجا کے لیے آتے رہتے ہیں اور بھگوان شیو کے درشن کرتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ دو سو میل کی مسافت پیدل ہی طے کرتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ سواری کی بجائے پیدل چل کر یہاں جانا زیادہ ثواب اور پنیہ کا کام ہے۔ مہاشیوراتری کے دن یہاں ایک زبردست میلہ لگتا ہے۔ یہ جگہ بڑی پر سکون، پاکیزہ اور خوبصورت ہے۔

دین بندھو اور ابھئے پوتر یاترا کے ایک گروپ میں شامل ہوگئے۔ گروپ کے لوگ بیل گاڑی پر سفر کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں بھی مہادیو کی طرف ان کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ مقدس جگہ کا مقدس سفر بڑا سہانا تھا۔ موسم برسات آدھا بیت چکا تھا۔ ست پڑا کے سرسبز و شاداب خوبصورت جنگلات پر گویا بہار آئی ہوئی تھی۔ اترا تا بل کھاتا جھرنا پتھروں پر سے ایسا گذر رہا تھا گویا موسیقی پر رقص کر رہا ہو۔

جب ابھئے کی پہلی نظر اس منظر پر پڑی تو وہ لاٹھی کے سہارے جھک گیا اور قدرت کے ان مناظر میں محو ہوگیا۔ بھگوان بہتر جانتا ہے کہ ابھئے نے قدرت کے اس شاہکار میں کیا

www.urduchannel.in

تلاش کیا تھا۔ لامتناہی خیالات کا ہجوم اس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ کیا یہ مناظر وہ دوبارہ دیکھ سکے گا؟ یہ دھرتی کتنی سندر ہے۔ کتنی پوتر ہے۔ لیکن افسوس ہندوستانی اس سرزمین کے مالک نہیں ہیں۔ یہ ولایتیوں کی جاگیر ہے۔ ان خوبصورت پہاڑیوں پر اور دلکش وادیوں میں آزادی کا سورج کب چمکے گا۔ گنگا اور نرمدا کا ہلکورے کھاتا پانی اور یہ عظیم الشان ہمالیہ پہاڑ بھگوان کی گود ہیں۔ یہ کب آزاد ہونگے او بھگوان کب! آخر کب!

مہادیو کے غار سے نکلے صاف و شفاف تازہ پانی میں جب اس نے غوطہ لگایا تو اس نے بڑا سکون اور شانتی محسوس کی۔ اس کے خیالات کی سلگتی ہوئی چنگاری اور بھڑکتے جذبات کو جیسے ٹھنڈک مل گئی تھی۔ وہ بڑے روحانی اذیت ناک دور سے گذر رہا تھا۔ اس کا سارا جسم تھکا تھکا سا تھا۔ اب وہ یہ تھکاوٹ اپنے دل کی گہرائیوں میں بھی محسوس کر رہا تھا۔ ایک پنہاں درد اور کرب وہ اپنے اندر پنپتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ ملک کے حالات کو دیکھ کر وہ بڑا جذباتی اور حساس ہو گیا تھا۔ خاص طور پر گھوگھری کے حالات نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ملک میں ظلم وستم کا لامتناہی دور شروع تھا۔ ملٹری اور پولس کے اعلیٰ افسر مسلسل ہندوستانیوں کو ذلیل کرنے پر آمادہ تھے۔ بچے اور عورتیں بے یار و مددگار، بے سہارا اور حیران و پریشان نظر آرہے تھے۔

ایسے مایوس کن اور افسوس ناک حالت میں زندگی کا مقصد کیا رہ جاتا ہے؟ کیا کوئی راستہ نہیں ہے، کیا اس کا کوئی علاج نہیں ہے، کیا ملک کے واسیوں کے لیے اور ملک سے اس اندھیرے کو ختم کرنے کے لیے وہ اپنی زندگی نچھاور کر دے؟ مہادیو لنگ کے روبرو اس نے اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور گڑگڑایا ”او دنیا کے رکھوالے! تم شمال میں کیلاش کی پہاڑیوں میں براجمان ہو اور جنوب میں رامیشورم کی پہاڑیوں پر جلوہ افروز ہو۔ اور ہندوستان کے دل میں بسے ست پڑا کی پہاڑیوں میں تمھاری آگ سلگ رہی ہے۔ ہندوستان کا کوئی کونہ کوئی گوشہ نہیں ہے

www.urduchannel.in

جہاں تیری پوجا کے لیے لوگوں نے مندر نہ بنائے ہوں اس سچائی کے باوجود تیرا غصہ کیوں نہیں بھڑکتا۔ اس ملک میں تیری پوجا ہوتی ہے لیکن اس دھرتی پر ان ولایتیوں کا پرچم لہرایا جاتا ہے۔ جب کہ یہ ولایتی تجھے مانتے تک نہیں ہیں۔ وہ تجھے صرف اور صرف پتھر مانتے ہیں اور تیری پوجا کرنے والے ان کے نزدیک محض وحشی جانور جیسے ہیں۔ ۹/اگست سے تیرے اس عظیم، قدیم اور شاندار ملک پر ظلم وستم کی انتہا ہوگئی ہے، تیرے ماننے والوں کو کچلا جارہا ہے اور سولی پر چڑھایا جارہا ہے۔ پاروتی کی بیٹیوں کو جو دنیا کی ماں کا درجہ رکھتی ہیں ذلیل ورسوا کیا جارہا ہے۔ اے بھگوان تم اپنی تیسری آنکھ کیوں نہیں کھول دیتے۔ اس آنکھ سے تم جس طرف دیکھوگے تو ہر چیز تمھارے غصہ اور شعلہ سے برباد و نیست ونابود ہوجائے گی۔ تم کب تک آنکھیں موندے پڑے رہوگے ؟ کب تک لوگ دردوغم سہتے رہیں گے۔ کہیں لوگوں کا تمھارے اوپر سے وشواس اُٹھ نہ جائے! اگر واقعی ایسا ہوگیا تو تمھاری پوجا کون کرے گا؟ ظلم و زیادتی کے زیر سایہ ولایتیوں نے ہمیں صدیوں سے غلام بناکر رکھا ہے۔ اور تم بھی خوشامد پسند ہوگئے ہو۔ تم نے اپنی روحانی تجلّی تک کھودی ہے۔ جاگو، کھڑے ہوجاؤ، اے طوفان نوح کے لانے والے۔ تم اپنا نقارہ پھر سے بجاؤ! اب ملک کے ان لوگوں کو جگا ہی دو جو خواب غفلت کی چادر تانے پڑے ہوئے ہیں۔ ہلاکت و بربادی کا تانڈو ناچ ناچو تاکہ ہمارے سارے گناہ، کمزوری اور غلامی اس لرزہ براندام آتش فشاں میں بہہ جائیں اور تیرے ماننے والے دوبارہ اپنی روایتی عزت وتوقیر کے ساتھ کھڑے ہوجائیں۔

ابھئے کو پتہ نہیں تھا کہ آیا مہادیو بھگوان یہ باتیں سن بھی رہے تھے یا نہیں۔ اگر سن رہے تھے تو انھوں نے کیا جواب دیا اور کس بات کا یقین دلایا۔ ابھئے کچھ نہیں سمجھ پارہا تھا۔ لیکن اس نے جو کچھ سوچا تھا اس سے اس کا من ہلکا ضرور ہوگیا تھا۔ اس نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور کہا، ”

www.urduchannel.in

دین بندھو اب ہمیں چلنا چاہئے، ہماری پاکیزہ یاترا کامیاب رہی۔ اب چلو گھر چلیں خواہ کچھ بھی ہو!"۔

www.urduchannel.in

باب(۳۱)

ابھئے نے دین بندھو سے کہا پہلے تم اپنے گھر جاؤ کیونکہ پولس کی تم پر کڑی نظر نہیں ہے۔ جیل ٹھسا ٹھس بھرے تھے۔ حکومت کو مزید گرفتاری کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن اس کے باوجود وہ ابھئے پر نظر رکھے ہوئے تھے جیسے اگر وہ کسی لمحہ بھی مل جائے تو اسے نگل ہی جائیں گے۔ دین بندھو آسانی سے اپنے گاؤں جاسکتا تھا لیکن وہ اپنے گھر سے پہلے ابھئے کے گھر گیا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے آہستہ سے ماں کو آواز دی۔ وہ فوراً جاگ گئی۔

"کون ہو؟"

"دین بندھو ہوں، ماں!"

"ابھئے کہاں ہے ؟ جس دن سے وہ گیا ہے مجھے اس کی فکر لاحق ہے۔ خدانخواستہ وہ کہیں مر تو نہیں گیا۔ میں کبھی سوچتی ہوں کہ وہ کہیں جیل میں تو نہیں ہے، یا اسے مار تو نہیں دیا گیا؟"

"نہیں ماں، وہ بالکل خیریت سے ہے"۔

"بھگوان اچھا رکھے اسے۔ بس ایک بار اسے دیکھ لوں تو بھگوان ستیہ نارائن کی پوجا کروں گی"، ماں نے کہا۔

"وہ بھگوان مہادیو کی پوجا کر کے گھر کے لیے نکل پڑا ہے۔ یہ ڈیڑھ سو میل کی مسافت ہے اس لیے پانچ چھ دن تو لگیں گے ہی"۔

اس درمیان وجیا بھی آگئی۔ دین بندھو نے دیکھا چھ ہفتوں میں اس کی صحت بہت گر گئی تھی اور وہ کمزور اور پیلی پڑ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر دین بندھو ہکّا بکّا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو

www.urduchannel.in

تیرنے لگے۔ اس نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی اور ہمت سے کہا "ابھئے سادھو کے بھیس میں تنہا ہی پیدل آرہا تھا۔ کیونکہ پولس کی اس پر کڑی نظر تھی اس لیے کسی پبلک ٹرانسپورٹ سے سفر کرنا مناسب نہیں تھا۔

"اچھا!" ماں نے کہا۔ "ہاں میں نے سنا ہے کہ اسے پکڑنے کے لیے پولس نے اشتہارات نکالے ہیں۔ ہماری دیواروں پر بھی وہ پوسٹر لگے تھے۔ پولس بھی یہاں کئی بار آچکی تھی۔ انہوں نے تو ہمیں بھی دھمکی دی کہ ابھئے کے متعلق نہیں بتایا تو وہ ہمیں بھی گرفتار کرلیں گے۔ وہ چھ سات مرتبہ ہمارے گھر کی تلاشی لے چکے تھے کہ شاید کسی خط میں ہی اس کے متعلق معلوم ہوجائے کہ وہ کہاں ہے۔ میں تو دل و جان سے اس کی منتظر ہوں۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ ہیرے جیسے بیٹا۔ اگر وہ پولس کے ہتھے چڑھ جائے تو بھگوان جانے وہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے۔ کچھ اشتہاروں میں تو یہ بھی لکھا تھا کہ اگر وہ مل جائے تو اسے گولی ماردی جائے گی۔ وہ اس کے خون کے پیاسے ہیں۔ اے خدائے علیم و بصیر آپ ہی میرے بچے کی حفاظت کرسکتے ہو"۔ ماں کا یہ کہتے کہتے گلا رندھ گیا۔

دین بندھو بھی ابھئے کے متعلق ایسے ہی شکوک و شبہات میں مبتلا تھا۔ وہ ماں کو کیسے دلاسادے۔ وہ بھی کمزور ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے ماں کو سنبھالا۔

"ماں! فکر مت کرو۔ ابھئے کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے وہ گرفتار کرلیا جائے اور شاید اسے چھ سات سال کی جیل بھی ہوجائے"۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے دین بندھو، میں اس کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اگر وہ گرفتاری سے بچتا رہا تو اسے گولی ماردی جائے گی"۔ وہ گرفتاری سے کیوں بچے گا، ماں؟ اسے پورا یقین ہے کہ اس کا باہر رہنے کا اب کوئی جواز نہیں ہے۔ جیل جانا اس کے فرض میں شامل

www.urduchannel.in

ہے۔ وہ پولس اسٹیشن جائے گا اور خود کو وہاں پیش کر دے گا۔ وہ اپنا دفاع نہیں کرے گا اور پھر وہ کیوں ایسا کرے گا۔ وہ جیل جانے سے نہیں گھبراتا ہے"۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی دین بندھو! اب مجھے اچھا محسوس ہو رہا ہے۔ گذشتہ ایک ماہ سے اس کی کوئی خیر خیریت کی اطلاع نہیں مل رہی تھی۔ اس کے متعلق کئی طرح کی افواہیں گردش میں تھیں جس کی وجہ سے میں بہت مایوس اور فکر مند تھی۔ اب تم آ گئے ہو اور تم نے ابھئے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے تو مجھے بالکل اطمینان محسوس ہو رہا ہے۔ اب تم بھی اپنے گھر اپنی بیوی لکشمی کے پاس جاؤ۔ وہ بھی تمھارا شدت سے انتظار کر رہی ہوگی، لیکن ذرا سنبھل کر جانا۔ سی آئی ڈی چپہ چپہ پر موجود ہیں"۔ وجیا خاموش کھڑی یہ سب سن رہی تھی۔ اس نے گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ لیکن اس نے ماں کا اطمینان اور اس کی خوشی محسوس کی۔ اس کے لیے اس نے دین بندھو کا شکریہ ادا کیا اور اس کی قدم بوسی کی۔

www.urduchannel.in

باب(۳۲)

ابھئے کمار جب مہادیو کی پہاڑیوں سے اتر رہا تھا اس وقت ماحول کو تاریکی نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ وہ پولس کے خوف سے اکثر رات میں ہی سفر کرتا تھا۔ لیکن وہ اس گھنے اور ویران جنگل میں کہاں آرام کریگا؟ یہ علاقہ جنگلی جانوروں کے لیے مشہور تھا اگر کسی جانور نے اس پر حملہ کر دیا تو؟ وہ موت سے نہیں ڈرتا تھا لیکن ایسی موت کا کیا مطلب جس کا کوئی مقصد نہ ہو! بغیر کوئی ذاتی یا سماجی مقصد کے ایسی موت کے منہ میں جانا کوئی دانشمندی نہیں تھی اور وہ بھی اس گھنے جنگل میں؟ اب اس نے بھگوان مہادیو کے آگے سر تسلیم خم کر دیا وہی تنہا اس کے رکھوالے اور مارگ درشک ہیں۔

آج شاید اماوس کی رات تھی۔ چاند بھی غائب تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اگر وہ راستہ سے بھٹک جائے تو اسے کوئی راستہ دکھانے والا بھی نہیں تھا۔ اگر ایک مرتبہ راستہ بھٹک گیا تو بس وہ موت کے بھگوان 'یم راج' کے یہاں سیدھا پہنچ جائے گا۔ اے بھگوان! کیا مصیبت ہے! وہ مایوس ہونے لگا۔ اس کا جسم پسینہ سے شرابور ہو گیا۔ اس کے پیروں میں کپکپی چھوٹ گئی۔ وہ مایوسی میں خود کو بے یار و مددگار محسوس کر رہا تھا۔ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ تھک ہار کر وہ ایک چٹان پر بیٹھ گیا اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا، "ہے رام!" اچانک ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، "بندے اپنا حوصلہ نہ کھو"۔ اسے لگا گویا اندھیری رات میں روشنی کی کرن پھوٹ پڑی ہو۔

ابھئے نہیں جانتا تھا کہ یہ آواز کس کی تھی شاید یہ اس کا وہم تھا کہ یہ آواز بھگوان کی ہوگی؟ خوشی سے اس کے لب تھرتھرانے لگے اس نے اپنی لاٹھی ایک پتھر پر زور سے ماری۔ پھر

www.urduchannel.in

سے ایک آواز گونجی ”گھبراؤ نہیں میرے بچے، میں بھی تمھارے جیسا ایک انسان ہوں، میں ایک جھونپڑی میں رہتا ہوں، آؤ میرے ساتھ آؤ اور رات میرے ساتھ ہی گذارو“۔

ابھئے خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس نے یقین کر لیا اور اس غیبی آواز کے پیچھے چل پڑا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی لکڑی کے کھڑاوے پہنے چل رہا تھا۔ ابھئے بھی اس آواز کے پیچھے ہو لیا۔ دس منٹ تک وہ اوبڑ کھابڑ راستوں پر چلتا رہا، اچانک وہ انجان شخص رک گیا۔

”ہم یہاں ہیں، یہ میری جھونپڑی ہے، ایک منٹ ٹھہرو، میں پہلے اندر جاؤں اور قندیل جلاؤں“۔

ابھئے اس وقت تک اندھیرے کا عادی ہو گیا تھا اور چیزیں بھی اسے نظر آنے لگی تھیں۔ اس کے سامنے ایک شخص کے خدوخال نظر آ رہے تھے۔ اس شخص نے جھوپڑے کے دروازے کو دھکا دیا دروازہ کھل گیا۔ کچھ لمحہ بعد ایک لیمپ جل اٹھا۔ اندھیرے جنگل میں اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ملگجے اندھیارے میں پہلی مرتبہ ابھئے نے اس شخص کو دیکھا۔

وہ ایک سادھو تھا۔ اس کی لمبی ملگجی داڑھی اس کے پیٹ تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کے بالوں کی لٹیں کمر تک لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ ستّر اسّی سال کا بوڑھا ہو گا۔ وہ اس سنسان اور خطرناک جنگل میں تنہا ہی رہتا تھا۔ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہاں ہر طرف زہریلے سانپ اور بچھّو تھے، یہاں تک کہ شیر اور چیتے بھی موجود ہوں گے۔ شاید بھوت اور بری بلاؤں نے بھی یہاں اپنا مسکن بنا رکھا ہو گا۔ اس کے باوجود یہ بوڑھا شخص ان کے درمیان پورے اطمینان کے ساتھ خوش رہتا تھا۔ ہاں شاید اس کے پاس کچھ روحانی طاقت اور مخفی قوت ہو۔

”میں اندھیرے میں رہنے کا عادی ہوں“ بوڑھے نے کہا۔ ”یہ پہلا اتفاق ہے کہ میں نے یہ قندیل جلائی ہے بھگوان جانتا ہے کہ کتنے عرصے کے بعد میں نے اسے جلایا ہے، تم

www.urduchannel.in

اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتے جتنی آسانی سے میں دیکھ سکتا ہوں"۔

"میں خوش قسمت ہوں کہ آپ سے ملاقات ہوگئی ورنہ نہیں معلوم اس رات میرے ساتھ کیا ہوتا؟" ابھئے نے احسان مندی جتاتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمھیں مہادیو کی پہاڑی سے نیچے آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ تم جس راستے سے آئے ہو مجھے اس کا علم ہے۔ میں تمھاری ہمت کی داد دیتا ہوں جب کہ رات کی تاریکی میں ان راستوں پر کوئی شخص چل نہیں سکتا۔ میں تمھارا انتظار کر رہا تھا"۔

یہ کہتے کہتے اچانک وہ ابھئے کی کالی داڑھی کو غور سے دیکھنے لگا جس کی وجہ سے وہ ایک درویش کی مانند لگ رہا تھا۔ پھر کہنے لگا، "میرے بچے تم اس جوانی میں کیوں دنیا چھوڑنے پر آمادہ ہو، کیا تم کسی رنج و غم میں مبتلا ہو؟"

سادھو کے مشفقانہ لہجہ سے ابھئے کو بڑا دلاسا ہوا۔ اس نے محسوس کیا کہ شاید وہ اس کے دل کی کیفیت سے واقف ہے۔ سادھو مکمل طور پر دنیا سے لاتعلق تھے۔ اس نے سوچا ان کو اپنا حال بتانے میں کیا ہرج ہے۔ ممکن ہے کوئی بہتر راستہ نکل آئے۔ "نہیں سوامی جی! میں نے دنیا نہیں چھوڑی ہے۔ رنج و غم اور تکلیف تو ہے لیکن یہ میرا دکھ نہیں ہے، پورا ملک ولایتی حکومت کے ظلم و ستم سے تنگ آچکا ہے۔ ہمارے لوگ اس قدر ذلیل و خوار کیے جا رہے ہیں کہ ایک معزز شہری اپنی عزت بچانے میں ہی عافیت محسوس کر رہا ہے۔ غریب، بے سہارا اور معصوم لوگوں پر زبردست ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہے۔ بس یہی درد ہے جو مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہا ہے"۔

"یہ ظلم و ستم کیوں ہے؟"

"مہاتما گاندھی نے اسے قومی جنگ بتایا ہے۔ یہ صرف ایک معمولی جدوجہد نہیں ہے

www.urduchannel.in

بلکہ یہ ایک ایسا انقلاب ہے جس نے پورے ملک کو زلزلے کی طرح ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس انقلاب کو دبانے کے لیے برٹش حکومت پاگل ہوگئی ہے۔ جبکہ عوام کی مصیبتوں اور تکالیف کی کوئی حد نہیں ہے۔ لوگ مکمل طور پر ٹوٹ چکے ہیں"۔

"میں سمجھ گیا۔ ۱۸۵۷ء میں جیسا ہوا تھا ویسا ہی ۱۹۴۲ء میں دہرایا جارہا ہے۔ لیکن تم کیوں فکرمند ہو میرے بچے؟ آزادی کی دیوی یونہی راضی تھوڑے ہوتی ہے اسے تو خون کا نذرانہ چاہئے۔ تمھیں تو قیمت چکانی پڑے گی۔ وہ اتنی آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔ تم مضبوطی سے اپنا کام کیے جاؤ وہ کبھی کسی کو ناکام و نامراد نہیں کرتی"۔

ابھئے حیرت میں پڑ گیا کہ سوامی جی ۱۸۵۷ء کی جنگ کا حوالہ دے رہے تھے۔ انہیں ہماری قومی تاریخ کا علم کیسے ہوا؟ اس نے کہا "سوامی جی تمھیں ۱۸۵۷ء میں کیا ہوا اس کی معلومات کیسے ہوئی؟"

"میں اس وقت نہیں تھا۔ لیکن میرے گرو جو اس جھونپڑی میں رہتے تھے انہوں نے بیس برس قبل یہیں سمادھی لی تھی۔ میں نے ۱۸۵۷ء کی داستان ان کی زبانی ہی سنی تھی۔ جب برٹش حکومت نے ناگپور پر قبضہ کیا تھا۔ اپّا صاحب بھونسلے نے راہ فرار اختیار کرکے اسی جنگل میں پناہ لی تھی۔ ہمارے گرو نے ہی انہیں پناہ دی تھی۔ اس کے بعد وہ چترکوٹ کی طرف چلے گئے تھے۔ میرے گرو نے جھانسی کی رانی لکشمی بائی کو دیکھا تھا اس وقت وہ بدری ناتھ کی تیرتھ یاترا سے لوٹ رہے تھے۔ برٹش حکومت نے اس بغاوت کو دبانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا۔ یہ ان کی تقدیر تھی کہ جب وہ جڑ سے اکھڑنے والے تھے۔ انہوں نے کسی بھی طرح اپنے قدم جمانے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ جھانسی کی رانی نے اپنی پوری زندگی جنگ کے لیے وقف کردی تھی۔ اس وقت ہزاروں مرد و زن نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ یہ ایک "یگیہ" (قربانی کی

www.urduchannel.in

آگ) کی طرح تھا کہ اگر کامیابی چاہتے ہو تو پھر آگ میں کود کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرو۔ اب ایک بار پھر سے ملک نذرانہ دینے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ کوئی قربانی ضائع نہیں ہوتی، تمھاری تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا"۔

"واقعی ایسا ہی ہوتا ہے بابا! یا آپ میری تسلی کے لیے یہ باتیں کہہ رہے ہو" ابھئے نے پوچھا۔

"نہیں میرے بچے! میں کسی کو جھوٹی تسلی نہیں دیتا۔ ہم تو بس سنیاسی ہیں۔ ہمیں دنیاداری سے کیا لینا دینا۔ ہمارے گرو جھانسی کی رانی کے سردار کو بھی اکثر تنبیہ کرتے تھے کہ بغیر خون کے عطیہ کے کوئی مقصد پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ رانی کی وفات کے بعد ۱۸۵۷ء کی بغاوت ناکام ہو گئی اور ملک کو مایوسی اور ناامیدی نے گھیر لیا۔ کئی باغیوں نے ہمالیہ کی آغوش میں پناہ لی اور راہ خدا میں اپنی زندگی گذار دی، کچھ تو اب تک بقید حیات ہیں"۔

"لیکن انھوں نے دنیا ترک کیوں کر دی؟ اور وہ میدان جنگ سے کیوں بھاگ کھڑے ہوئے؟"

"میں ان کی بے چینی اور دکھ سمجھ سکتا ہوں میرے بچے! وہ اس لیے گئے کہ وہ مایوس تھے لیکن جب انہیں نے شکست کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے اپنا ذہن اور نظریہ بدل ڈالا۔ تم ملک کی سیاسی نجات کے لیے لڑ رہے ہو لیکن ہم اس کی روحانی نجات کے لیے کام کرتے ہیں۔ تمھارا یقین ہے کہ تمھارے تمام مسائل کا حل سیاسی آزادی میں مضمر ہے۔ لیکن ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے جب تک ہم اس قدیم اور عظیم ملک کی روحانی قدروں کی بحالی کے لیے جدوجہد نہیں کریں گے تو ہم کس طرح خوش حالی اور شانتی حاصل کر سکتے ہیں؟ ملک ہی نہیں بلکہ ساری دنیا دائمی امن و شانتی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ روحانیت ہندوستانی طریقۂ زندگی کی

www.urduchannel.in

بنیاد، جوہر اور روح ہے۔ اگر کوئی کسی دوسرے طرز پر اس ملک کی تعمیر کرے گا تو وہ ناکام ہی رہے گا۔ گنگا کبھی الٹی نہیں بہہ سکتی، اسی طرح ہمالیہ کی چوٹی اپنا برف پگھلا نہیں سکتی"۔

"پھر تو یہ سیاسی انقلاب فضول سی بات ہے"۔

"نہیں میرے بچے! میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے۔ سیاسی آزادی دراصل روحانی تقویت اور استحکام حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ پھر یہ کس طرح فضول اور بے کار ہو سکتا ہے؟"

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی آزادی، مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ہتھیار ہے، وہی سب کچھ نہیں ہے۔ یہ منزل کی طرف جانے کا ایک قدم ہے، صرف ایک قدم، منزل نہیں ہے۔ اگر ہم نے اس نکتہ کو سمجھ لیا تو پھر ہمیں کبھی مایوسی اور تکلیف نہیں ہوگی۔ ہمیں حقیقت کو ماننا چاہئے، سپنوں کو نہیں۔ آزادی تو محض ابتداء ہے، ہندوستان کی تاریخی مشن کی انتہا نہیں"۔

"سوامی جی میں سمجھ گیا"، ابھئے نے کہا۔ "میں محسوس کرتا ہوں کہ حکومت کے آہنی شکنجے کے زیر اثر ہماری سیاسی آزادی ہم سے مزید دور ہوتی جا رہی ہے۔ ہیجان، مایوسی اور اخلاقی تنزل نے سارے ملک کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ مجھے لگتا ہے اگر یہی حال رہا تو ہم اگلے دس بارہ سال تک سر اٹھانے کے لائق نہیں رہیں گے"۔

"ارے نہیں میرے بچے! زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رکھو! تمھاری سوچ سے زیادہ تیز یہ وقت کا لٹو گھومتا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب انگریزوں کی طاقت کا سورج ہندوستانی سمندر میں ڈوب جائے گا۔ جو کچھ تم نے تشدد کے واقعات دیکھے ہیں وہ سب تو بجھتے شعلوں کی آخری بھڑک ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ انگریزوں کے اقتدار کا خاتمہ ہی تمھیں سکون پہنچا سکتا ہے تو تم میری طرف سے یہ لکھ لو کہ تم اپنے مقصد سے بہت زیادہ دور نہیں ہو۔ سوامی رام

www.urduchannel.in

تیرتھ نے چالیس برس پہلے پیشین گوئی کردی تھی کہ اس صدی کے وسط تک ہندوستان آزاد ہوجائے گا۔ وہ پیشن گوئی اب سچ ہونے ہی والی ہے۔ لیکن اس کا سنہرا دور شروع ہونے کے لیے مزید بیس پچیس برس درکار ہیں۔ دیکھئے آگے آگے ہوتا ہے کیا"۔

سوامی جی کی باتیں سن کر ابھئے کو بڑا سکون اور تسلّی حاصل ہوئی۔ چاہے ان کی باتیں سچ ثابت ہوں یا نہیں ابھئے کو نہیں معلوم لیکن ان باتوں میں زبردست وزن تھا، ان کی باتیں اس نوجوان کو متاثر کررہی تھیں اور اسے سوچنے اور فکر کی دعوت دے رہی تھیں۔ مستقبل تو خدا ہی جانتا ہے، اس نے آخر کار کہہ ہی دیا۔ "سوامی جی! جیسا کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم سیاسی آزادی کے بہت نزدیک ہیں تو پھر ہمیں فکر و تردّد اور مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک میرے جیسے نوجوانوں کی بات ہے سوامی جی ہم نے اپنی زندگی ملک کی آزادی کے لیے وقف کردی ہے۔ اگر ہم آزاد ہوگئے تو ہزاروں دعائیں ملیں گی۔ اس کے بعد آنے والی نسلیں طے کریں گی کہ حصول آزادی کے بعد وہ کیا کریں۔ کس انداز میں نئی نسل کی تعمیر و تربیت کریں۔ ہمارا فرض تھا کہ ہم نے ملک کی آزادی کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگادیا، یہاں تک کہ اگر ہمارے جسم کے سلگنے سے آزادی کی مشعل جلتی ہے تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ اس عظیم، نیک اور قابل فخر کام سے بڑھ کر کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ یہی ہمارا منتہا ہے اور یہی ہمارا خواب ہے۔ کل کیا ہوگا اس سے ہمیں بحث نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں اس کی فکر کرنی ہے"۔

"تم نے واقعی بڑی معقول بات کہی۔ تم تو بنیاد کا پتھر ہو جس پر مندر تعمیر کیے جاتے ہیں۔ اگر تم نے خود کو زندہ دفن نہ کیا تو بھلا مندر کی تعمیر کس بنیاد پر رکھی جائے گی؟ خود کو مٹانا اور فنا کرنا ہی تمھارا فرض ہے۔ ممکن ہے کہ تمھارے اس ایثار و قربانی کی کوئی قدر نہ کرے اور تم سے کسی کو ہمدردی تک نہ ہو، کوئی اس کام کو عظیم کام نہ لکھے لیکن یاد رکھو اس بنیاد کے پتھر کے

www.urduchannel.in

بغیر بھگوان کا کوئی مندر بھی تعمیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہی پتھر ہے جو اس کی زندگی کی آخری سانس تک اس کے ساتھ رہتا ہے۔ ہمارے ملک کے قابل ذکر مرد و زن، جھانسی کی رانی بائی سے لے کر تمھارا وجود تک بنیاد کا پتھر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم خود بھگوان کے درجہ پر فائز ہو۔ میں تمھارے آگے اپنا سر خم کرتا ہوں"۔

قبل اس کے کہ ابھئے سمجھ پاتا کہ سوامی جی کیا کرنے والے ہیں انہوں نے دھرتی کو چھوا اور ابھئے کے آگے اپنی پیشانی جھکا دی۔

ابھئے ایک دم ہکّا بکّا رہ گیا۔ "آپ کیا کر رہے ہو سوامی جی؟ آپ مجھ سے بڑے ہیں اور زیادہ دانش مند ہیں اور میں محض ناسمجھ بچہ ہوں۔ میں آپ کے آشیرواد کا محتاج ہوں۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ میرے حق میں دعا کریں کہ میں نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے اس پر مستقل مزاجی سے چلتا رہوں۔ اس لیے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا، چاہے آگ لگ جائے، طوفان آجائے یا موت ہی واقع ہو جائے میں آخری دم تک اپنا سر بلند رکھنا چاہتا ہوں"۔

"میرے بچے! تمھاری آرزو ضرور پوری ہوگی"، سوامی جی نے جذباتی ہو کر مزید کہا۔

"تم تو تقدیر سنوارنے کے لیے ہی پیدا ہوئے ہو"۔

www.urduchannel.in

باب(۳۳)

ابھئے کمار دوسرے دن بھی جنگل میں پیدل چلتا رہا، رات اس نے ایک گاؤں میں گزاری ورنہ صاف اور میدانی حصّہ میں اس نے رات میں ہی سفر کیا تھا۔ دن کے اجالے میں وہ کسی مندر یا مسافر خانے میں قیام کرتا تھا۔ اس کے دماغ میں بس ایک ہی سودا سمایا تھا کہ وہ کسی بھی طرح گھر پہنچ جائے اور اپنی ماں اور بیوی کو ایک نظر دیکھ لے اور ایک لمحہ کے لیے ہی سہی ان سے بات کرلے۔ اس کے بعد تو وہ اسیری کی صعوبتیں بھی خوشی خوشی برداشت کرلے گا یا جو بھی اس کی قسمت میں ہوگا اس کے لیے وہ تیار تھا۔ وہ بڑا مضطرب اور بے چین تھا۔ وہ کسی بھی طرح ان کی ایک جھلک دیکھنا چاہتا تھا۔ بس یہی اس کی تمنا تھی اور یہی خواہش اس کے ذہن و دل پر چھائی ہوئی تھی۔ اور وہ اسی دھن میں تھا کہ ان سے ملنے کی کیا سبیل نکل سکتی تھی۔ اسے صرف ڈیڑھ ماہ ہوئے تھے ان سے بچھڑے ہوئے۔ بچاس دن کے اس دورابتلا میں اس کی پچاس سالہ زندگی کے سارے تجربے کام میں آئے اور اس میں بھی اسے بڑے گہرے اور ناقابل فراموش تجربات حاصل ہوئے جو بڑے شدید اور گہرے تھے جس سے اس کا رووا رووا کانپ اٹھتا تھا۔ اس نے زندگی کو بڑے کینواس پر دیکھا تھا جو مضبوط اور انسانی زندگی کے مختلف النوع جذبات سے پُر تھے۔ اس نے تجربات میں کیا نہیں حاصل کیا۔ انتہائی خود غرضی، خود کو برباد کرنے کا جذبہ، مثالیت اور بے انتہا مادہ پرستی، شجاعت و بزدلی، بہترین انسانی اقدار اور بیہودہ و شرمناک حیوانیت، ہمدردی و سفّاکی، اخلاقی طور پر ترغیب و حوصلہ دینے والی طاقت اور حقوق سلب کرنے والے افراد۔ گویا انسانی فطرت کے تمام رنگوں کا اس نے مشاہدہ کیا۔ اس نے خیر و شر کو بھی دیکھا۔ وہ بھگوان صفت انسانوں سے بھی ملا تو شیطان صفت انسانوں

www.urduchannel.in

سے بھی اس کا سابقہ پڑا۔ گویا یہ دیومالائی سمندر منتھن تھا جو زہر اور امرت دونوں نکال رہا تھا۔ اس سے قبل اس نے اپنی زندگی میں اس کائنات کا یہ روپ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اگر کوئی اسے یہ سب پہلے بتاتا بھی تو شاید اس کو یقین نہ آتا۔ قدرت و فطرت کا نزدیک سے مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے بعد اکثر ایک سوال اس کا پیچھا کرتا کہ بھگوان کے اس عظیم سفر میں، کائنات کے ماہ سال میں اور انسانی تاریخ میں ایک عظیم معاشرتی انقلاب و تغیر برپا ہونے والا ہے اور دنیا نئے نظام کے پیدا ہونے کی کسک اور تکلیف محسوس کر رہی ہے۔ اس سب میں اس کے وجود کا مقصد کیا ہے اور وہ کہاں کھڑا ہے؟ قسمت کے اس کھیل میں اس کا کیا رول ہے؟ کسے پرواہ ہے کہ وہ کیا کرے یا کیا نہ کرے؟ تنہا میں کچھ نہیں ہوں! محض صفر! اگر میں کچھ کرتا ہوں تو یہ محض غیبی طاقت ہے جو مجھ سے کام لے لیتی ہے ورنہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں اپنی قسمت کے ستاروں کی رہنمائی خود نہیں کر سکتا۔ کیا ایک معمولی تنکا اپنے سفر کا تعین کر سکتا ہے۔ وہ تو خود سر طوفانی ہواؤں کے طابع ہوتا ہے۔ اس کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ طوفان اسے جہاں لے جائے۔ اس کی مرضی اور اس کی رضا کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کس کو پرواہ ہے کہ وہ کہیں جائے یا نہ جائے۔ سارے نظام میں اس کے لیے کوئی مقام نہیں ہے۔ ابھئے کمار نے اپنی کشتی منجدھار میں چھوڑ دی تھی اور چپّو چلانا بھی بند کر دیا تھا جو واقعی فضول اور بیکار تھا۔ دراصل یہ کام وہ نہیں کر رہا تھا بلکہ ملّاح کوئی اور ہی تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس ملّاح کے دماغ میں کیا تھا وہ خود کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ تو ملّاح کی مرضی کا طابع اور اطاعت گذار تھا۔

اس کی صرف ایک ہی آرزو تھی کہ ایک بار اپنی ماں کو دیکھ لے تاکہ اس کے پیروں میں اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر سکے اور اپنی معصوم اور رنجیدہ بیوی وجیا کو اپنے بازوؤں میں لے

www.urduchannel.in

سکے تاکہ اس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھ سکے۔ اگر بھگوان کی مرضی ہوئی تو اس کی یہ مراد بھی ضرور پوری ہوگی۔ اسے اس کے سوا کچھ بھی نہیں چاہئے تھا۔

ان خیالات کے آتے ہی اسے تقویت ملی اور اس کے قدم آہستہ سے حرکت میں آئے اور وہ اپنے گاؤں کے قریب پہنچ گیا۔ اب اس نے اپنی رفتار تیز تر کردی۔ حالانکہ اس نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا کہ وہ دن کے اجالے میں چل رہا تھا۔ لیکن مزید انتظار اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس کی یہی لگن اور خواہش اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس کا سارا جسم تھکاوٹ سے چور چور تھا۔ اکثر سارا سارا دن وہ کچھ بھی نہیں کھاتا تھا۔ بھوک اور تھکاوٹ سے وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ اسے تنہا یہ سب جھیلنا ہی تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ زیادہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ یہ بات اس کی عقل و فہم سے بعید تھی لیکن وہ محسوس کرتا تھا کہ خود سپردگی کے لیے اس کے پاس اب وقت نہیں بچا تھا۔ اس کا بس ایک ہی مقصد تھا ایک ہی مشن تھا کہ بس کسی بھی طرح گھر پہنچ جائے۔ اس کے پاس خطرہ مول لینے کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ وہ چلتا رہا چلتا رہا آگے اور آگے۔

شام کے آخری حصّہ تک وہ اپنے گھر سے چوبیس میل کی دوری پر ایک چھوٹے سے قصبہ تک پہنچ گیا جو ایک چھوٹی تحصیل کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہ اس قدر تھک چکا تھا کہ اس نے سوچا کہ اگر وہ یہاں آرام نہ کرے گا تو شاید سڑک کنارے گر کر دم توڑ دے گا۔ لیکن وہ ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا اسے تو اپنی ماں اور بیوی کو ایک بار دیکھنا ہی تھا۔ وہ تھک کر بے دم ہو چکا تھا اور اسے ابھی ایک دن مزید سفر کرنا باقی تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ یہاں وہ رات بھر آرام کر لے ورنہ سانسیں اس کا ساتھ نہیں دیں گی۔ قصبہ میں اس نے ایک چھوٹی سی دو منزلہ عمارت میں روشنی دیکھی۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا، ''مائی، سادھو کو بھیک دلاؤ''۔

www.urduchannel.in

دروازہ فوراً کھلا۔ ایک معزز نوجوان خاتون اس کے سامنے کھڑی تھی۔ شاید وہ ۲۵ یا ۲۶ سال کی ہوگی۔ اس نے معمولی سی سفید ساڑی پہنی ہوئی تھی۔ جس میں وہ پروقار اور سنجیدہ معلوم ہورہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک تھکا ماندہ اور غبار آلود نوجوان سادھو کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں ایک کشکول تھا۔ اسے لگا کہ یہ شخص واقعتاً سادھو ہے، کوئی شعبدہ باز یا مکّار نہیں ہے۔ بلکہ اسے محسوس ہوا کہ وہ واقعی ایک راہب ہے۔

اس نے بڑی گرم جوشی سے کہا، ''بابا! تشریف لائیے، یہ میرا سوبھاگیہ کہ آپ میرے گھر میں خود تشریف لائے۔ آئیے، آئیے اندر آئیے''۔

''مجھے صرف ایک روٹی کا ٹکڑا چاہئے اور ایک کونہ جہاں میں پڑا رہوں گا۔ کیا تمھارے گھر میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں تنہا عبادت کرسکوں اور شانتی سے بیٹھ سکوں؟ بڑی مہربانی ہوگی''۔

''ہاں، ہاں ضرور مہاراج! یہ گھر آپ کا ہی ہے، میں بھی آپ کا بھجن سنوں گی''۔

''مائی! میں اندھیرے میں خاموش عبادت کرتا ہوں، ہم راہبوں کا یہی طریقہ ہے''۔

''جیسا آپ فرمائیے بابا۔ آئیے اندر آئیے۔ میرے ساتھ آئیے''۔

گھر بہت بڑا نہیں تھا اور کچھ ایسا بھی نہیں لگتا تھا کہ یہاں بچے بھی ہوں گے۔ ابھئے جیسے ہی اندر کے کمرے میں گیا ایک کونے میں پولس یونیفارم ٹنگا ہوا دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ وہ اندر کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے من میں خیال آیا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے لیکن وہ ایسا کیسے کرسکتا تھا؟ یہ تو شک شبہ پیدا کردیگا اور یہ خاتون تو بڑی شریف اور خداترس معلوم ہورہی تھی۔ وہ کبھی اس کو مصیبت میں نہیں ڈالے گی۔ اس نے سوچا جو ہوگا اس کا وہ سامنا کرلے گا۔ لیکن اس کے باوجود وہ متفکّر تھا۔

www.urduchannel.in

اسے اوپر کی منزل میں علیحدہ کمرہ دیا گیا۔ اس نے اپنی چٹائی بچھائی اور دراز ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں خاتون نے ٹھنڈے پانی کی صراحی اور گلاس لاکر رکھ دیا اور کہا "باباجی! اب آپ آرام کر لیجئے۔ کچھ دیر بعد میں آپ کے لیے روٹی اور سبزی لادوں گی۔ اس وقت تک میرے شوہر کلب سے آبھی جائیں گے۔

"مائی! تمھارے شوہر کیا کرتے ہیں؟"

"وہ پولس سب انسپکٹر ہیں"۔

"اچھا!" ابھئے کمار نے بے ساختہ کہا۔ اس کو احساس نہیں ہوا کہ خاتون نے اس کے لہجہ میں تعجب کا احساس کیا یا نہیں۔

"ہم صرف دو ہیں، ہمارے بچے نہیں ہیں۔ ایک عرصے سے میں بھگوان کی پوجا کرتی ہوں کہ مجھے ایک بچے سے نواز دے۔ میں اُپاس بھی رکھتی ہوں اور برہمن کو کھانا بھی کھلاتی ہوں، لیکن بھگوان نے ابھی تک میری ایک نہ سنی۔ اگر آپ کے جیسے بزرگ مجھے دعاؤں سے نوازیں تو شاید بھگوان کچھ مہربانی کرے۔ اس لیے میرے گھر سے کوئی بھی سادھو خالی ہاتھ نہیں جاتا ہے۔ کیا پتا کہ بھگوان کس شکل میں اپنے درشن دے دیں؟"

'مائی! میرے جیسا چھوٹا آدمی تم جیسی خدا ترس خاتون کو کیا دے سکتا ہے؟ لیکن میں بھگوان سے ضرور کہوں گا کہ وہ تمھاری مراد پوری کر دے"، ابھئے نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

خاتون اس کے سامنے عقیدت سے جھک گئی اور پھر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد اس کا شوہر کلب سے لوٹ آیا۔ خاتون نے اس کو اور سادھو کو جو ان کے گھر میں مقیم تھا کھانا دیا۔ ابھئے کی چھٹی حس جاگ اٹھی اور اس نے کچھ عجیب سا محسوس کیا کیونکہ خاتون کا شوہر اسے گھور رہا تھا۔

www.urduchannel.in

پولس انسپکٹر کے لیے اس قسم کا واقعہ کوئی نیا نہیں تھا۔ وہ اپنی بیوی کے مزاج کو سمجھتا تھا اور وہ اس کی پوجا پاٹ یا دان خیرات میں کبھی دخل نہیں دیتا تھا۔ ایسا اکثر ہوتا تھا کہ وہ جب باہر سے آتا تو گھر میں کوئی نہ کوئی سادھو یا برہمن اس کے دسترخوان پر ہوتے ہی تھے۔ وہ کچھ خیال نہیں کرتا تھا وہ اپنی بیوی کو خوش رکھنا چاہتا تھا اس لیے کبھی اس کے راستے میں روڑا نہیں بنتا تھا۔ لیکن اس کی وسیع القلبی اور صبر میں دال میں کچھ کالا ضرور نظر آتا تھا۔ وہ مایوس تھا کہ اس کی بیوی نے اب تک کوئی بچہ جنم نہیں دیا تھا۔ حالانکہ اس سے زیادہ اس کی بیوی کو اس کا ملال تھا۔ لیکن وہ اپنا دکھ ملک کی ہزاروں لاکھوں عورتوں کی طرح صبر و شکر میں چھپا دیتی تھی۔ اس کا دکھ ناقابل بیان تھا۔ وہ تنہائی میں آہیں بھرتی تھی۔ سب انسپکٹر کے کافی اصرار کرنے پر آخر وہ میڈیکل چیک اَپ کے لیے راضِی ہوگئی تھی۔ لیکن وہ اپنے خیال پر بضد تھی، اس کا خیال تھا کہ بچے وغیرہ تو بھگوان کی مرضِی پر منحصر ہیں۔ ڈاکٹر اس معاملے میں کیا کر سکتے ہیں۔ یہ تو ہمارے پچھلے جنم کے گناہوں کا بدلہ ہے جو ہم اس جنم میں بھگت رہے ہیں کہ میری کوکھ خالی ہے۔ صرف اُپاس اور پوجا پاٹ ہی اس میں مدد کر سکتے تھے۔

ایک روز شوہر نے زیادہ اصرار کیا تو وہ اس کے ساتھ شہر چلی گئی کیونکہ وہ اپنے شوہر کی کوئی بات نہیں ٹالتی تھی۔ جب پولس والے کو میڈیکل رپورٹ ملی تو اسے بڑی شرمندگی ہوئی کیونکہ اس کی بیوی کی صحت بالکل ٹھیک تھی کمی تو اس میں ہی تھی۔ اس لیے ڈاکٹر نے اسے علاج کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن اس نے سچائی اپنی بیوی کو نہیں بتائی بلکہ صرف اتنا کہہ دیا کہ ڈاکٹر ابھی تک کسی قطعی نتیجہ پر نہیں پہنچ پائے ہیں۔

"ایک بات میں تم سے کہوں، ڈاکٹروں پر پیسے خرچ مت کرو"، خاتون نے کہا۔

اس کے بعد انسپکٹر کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنی بیوی سے کوئی بحث کرے۔ اس سلسلے

www.urduchannel.in

میں اس نے اسے مذہبی چھوٹ بھی دے دی، وہ اس کے کردار پر پورا بھروسہ کرتا تھا کہ وہ کبھی غلط راستہ اختیار نہیں کرے گی اور اگر مذہبی رسم ورواج میں اسے ذہنی سکون ملتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟

پولس انسپکٹر برہمن تھا اور اس کی بیوی مذہبی رجحان رکھتی تھی۔ گاؤں کی عورتیں اس سے وعظ و نصیحت سنتیں یا پوتر جل اور مٹھایاں لیتیں اور اس کی تعظیم کرتی تھیں۔ اس کی اس غیر معمولی شخصیت کی وجہ سے شوہر کو بھی اس پر فخر محسوس ہوتا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد شوہر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اپنی بیوی سے اس نے کہا، ''یہ سادھو مجھے ابھئے کمار جیسا لگتا ہے''۔

''کون؟'' بیوی نے پوچھا۔

''وہ مشہور انقلابی، سرکار نے اس کے لیے دس ہزار انعام کا اعلان کیا تھا۔ کیا تم نے پوسٹر میں اس کی تصویر نہیں دیکھی؟''

بیوی کو خیال آیا اور اس نے پوسٹر کی تصویر میں اور اس سادھو میں بڑی مماثلت محسوس کی۔ اس نے سوچا ممکن ہے انقلابی سادھو کے بھیس میں سفر کر رہا ہو۔

''ممکن ہے''، اس نے کہا ''پھر کیا کیا جائے؟''

''اگر میں اسے گرفتار کرتا ہوں مجھے انعام ملے گا اور ترقی سے نوازا جاؤں گا۔ سرکل انسپکٹر تو ضرور بنا دیا جاؤں گا''۔

''گرفتاری! ایک ایسے شخص کی جو ہمارا مہمان ہے؟ نہیں نہیں۔ یہ پاپ ہے، میں اس کی اجازت نہیں دوں گی''، بیوی نے کہا۔

''کیا تم کو معلوم ہے کیا ہوگا؟ اگر میں اسے گرفتار نہیں کرتا ہوں تو اسے عارضی طور پر

www.urduchannel.in

پناہ دینے کے جرم میں مجھے اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑسکتا ہے اور ممکن ہے مجھے خود کو گرفتار کرنا پڑے"۔

"جیل، اے بھگوان!" بیوی نے مایوس ہوکر کہا۔

اس نے سپنے میں بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک انجان شخص کو پناہ دینے کی پاداش میں اس کو اتنی بڑی قیمت چکانی پڑے گی۔ وہ خود کو بڑے دھرم سنکٹ میں محسوس کر رہی تھی۔

ایک طرف اس کا ذہن یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ کسی مہمان کو تکلیف پہنچائی جائے یہ عمل اس کے دھرم اور تہذیب کے خلاف تھا۔ بچپن سے اس کے سنسکار تھے کہ اگر کسی نے بھگوان کی طرح اسے آشیرواد دیا تو اس کی قدر کرنی چاہئے۔ ایسے ہی سنسکار اور تہذیب میں اس کی پرورش ہوئی تھی اور وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کے اپنے گھر میں ایک مہمان کے ساتھ دھوکا ہونے والا تھا۔ ناممکن، بھگوان اس پاپ پر کبھی اس کو معاف نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کی گذشتہ زندگی کے گناہ بھی کبھی معاف نہیں ہوں گے۔ اگر وہ اس گناہ کی مرتکب ہوئی تو اس کی تلافی کئی بار جنم لینے کے بعد بھی نہیں ہوسکے گی۔ پھر وہ کیونکر کسی بچے کی آرزو کر سکتی تھی ؟نہیں، بالکل نہیں، یہ ناممکن تھا۔

دوسری طرف اس کا شوہر بھی جن حالات سے دوچار تھے اس کو بھی وہ نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے شوہر کی نوکری چلی جائے اور اسے جیل جانا پڑے، اس کی ذمہ دار تو وہ خود ہوگی نا؟ اس کا شوہر بھی تو اس کا ناخدا تھا بھگوان کے روپ میں۔ اس کے وقار کو ٹھیس پہنچے، اس کی پوزیشن اور اس کی خوشی خطرے میں پڑے تو اس سے بڑھ کر اس کے ساتھ دھوکا کیا ہوسکتا ہے۔ واقعی یہ بڑی ناقدری ہوگی۔ وہ اس میں کیونکر ملوث ہوسکتی ہے؟ بھگوان آپ ہی مجھے اس مصیبت سے نکال سکتے ہو۔ اس نے دل ہی دل میں دعاء کی۔ آپ کمزوروں کے والی،

www.urduchannel.in

بے سہاروں کے مددگار ہو۔ میں خیر و شر کے درمیان کھڑی ہوں! میں کیا کروں ؟ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

رات کے اندھیرے میں اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہوئے شوہر نہیں دیکھ سکا۔ لیکن اس نے محسوس کیا کہ جو کچھ اس نے کہا اس کا اثر اس کی بیوی پر ضرور ہے۔ نوکری سے برطرفی کا خیال یا جیل جانے کا اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ تو بڑے انعام پانے کی خوشی سے اور سرکل انسپکٹر کے عہدے پر پرموشن کے خیال سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اس لمحہ کا خیال کر کے ہی اس کی آنکھیں حیرت و خوشی سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ جو کچھ جال وہ بچھا رہا ہے اس کی بیوی اس کو برداشت نہیں کر پائے گی۔ یہ اس جال کو ''پولسیہ دماغ'' کہہ رہا تھا۔ ابھئے کمار تو دیر سویر گرفتار کیا جائے گا ہی۔ کسی کو اگر اس کا کریڈٹ ملتا ہے تو کیا حرج ہے ؟ پھر وہ ہی کیوں نہیں۔ کہتے ہیں کہ دولت کی دیوی جب کسی پر فیاضی کرتی ہے اور کسی سے خوش ہوتی ہے تو وہ خود اس کے گھر چل کر آتی ہے۔ جس طرح اس رات ابھئے کمار چل کر ان کے گھر کے دروازے پر پہنچا۔ کوئی بھی یقین نہیں کریگا کہ کلب سے جب وہ شخص واپس گھر آئے گا تو اس کے ہی گھر میں باغیوں کا سرغنہ موجود ہوگا۔ اس سارے واقعہ کے پیچھے بھگوان کا ہی ہاتھ تھا۔ ابھئے ان کے گھر میں آیا یہ دراصل اس کی بیوی کی پرائشچپت کا ہی نتیجہ ہے ایسا وہ سوچ رہا تھا۔ اس کی خوش قسمتی اس شخص کو گرفتار کرائے گی۔ بیوی تو زندگی میں جنم جنم کی ساتھی ہوتی ہے۔ اگر وہ اس شبھ گھڑی کا فائدہ نہ اٹھا سکا تو قسمت اس پر ہنسے گی! اگر اس نے موقع کا فائدہ نہیں اٹھایا تو بھگوان کے فیصلے پر اسے ندامت اٹھانی پڑے گی۔

انسپکٹر دو مختلف باتوں کے درمیان بڑے تذبذب میں تھا۔ اس کی پولس ٹریننگ نے اس کے دماغ کو قانونی داؤ پیچ سکھائے تھے اور اس کی بیوی کی صحبت نے اسے مذہبی رجحان

www.urduchannel.in

بخشا تھا۔ جہاں تک اس کے ذاتی مفاد کا معاملہ تھا تو دونوں باتیں اس کو مجبور اور مضبوط کر رہی تھیں۔ جب کبھی وہ ایسی کسی ذہنی خلفشار کا شکار ہوتا تھا تو وہ بیت الخلا چلا جاتا تھا جہاں وہ گھنٹوں بیٹھتا اور خوب سوچ بچار کر کے کوئی فیصلہ پر پہنچتا تھا۔ ایسے موقع پر اسے تیس پینتیس منٹ لگتے تھے۔ لیکن وہ اپنے مسائل کا حل ضرور نکال لیتا تھا۔ اس کا فیصلہ صحیح ہوتا تھا یا غلط یہ الگ بات ہے۔

جیسے ہی شوہر بیت الخلا گیا اس کی بیوی دبے پاؤں ابھئے کمار کے کمرے میں گئی اور سرگوشی کے انداز میں کہا "بابا! خاموشی سے میری بات سنو، اگر تم نے ذرا بھی شور کیا تو آپ مصیبت میں پڑ سکتے ہو۔ میں نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں؟ اگر آپ انقلابی ابھئے کمار ہو تو آپ فوراً اس گھر سے بھاگ نکلو، آپ کی زندگی خطرے میں ہے اور بہت ممکن ہے کہ آپ گرفتار کر لیے جاؤ۔ آپ میرے مہمان ہو اور مہمان بھگوان کے سمان ہوتا ہے۔ میں آپ کا احترام کرتی ہوں اس لیے آپ سے کہتی ہوں کہ آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں۔ سادھو بابا مہربانی ہوگی۔ مجھے اس برتاؤ پر آپ معاف کرنا لیکن یہ میرا فرض ہے۔ اگر آپ ابھئے کمار نہیں ہو تو پھر کوئی بات نہیں جب تک چاہیں آپ یہاں رہیں، یہ گھر آپ کا ہی ہے"۔ پھر وہ جیسے خاموشی سے آئی ویسی ہی لوٹ گئی۔

ابھئے فوراً اٹھا، اپنا کٹورہ اور لاٹھی اٹھائی اور خاموشی سے گھر سے نکل گیا۔

بیت الخلاء میں پولس انسپکٹر کا دماغ اپنے مسئلہ کو حل کرنے میں مصروف تھا۔ وہ کافی دیر تک سوچتا رہا جس کی وجہ سے کافی وقت لگ گیا۔ وہ آسمان میں ہوائی قلعہ تعمیر کرتا رہا کہ کس طرح ابھئے کو گرفتار کر کے انعام واکرام کا حق دار بن جائے گا۔ قلعہ کتنا بڑا ہوگا اور اسے تعمیر کرنے میں کتنا وقت صرف ہوگا۔

www.urduchannel.in

باب(۳۴)

جب انسپکٹر کو علم ہوا کہ مجرم فرار ہو گیا ہے تو وہ خوب جھلّایا اس کا گویا دماغ خراب ہو گیا۔ بھگوان کا شکر کہ اس نے اس فرار میں اپنی بیوی کا ہاتھ محسوس نہیں کیا۔

''انقلابی بہت شاطر اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ممکن ہے جب میں آیا تھا تو وہ اسی وقت سمجھ گیا ہو گا کہ میں پولس والا ہوں جیسے ہی میں بیڈروم میں سونے کے لیے گیا اس نے مجھے چکما دے دیا۔ وہ کہاں گیا ہو گا؟ اگر وہ شہر کی طرف گیا ہو گا تو وہ پولس کے چنگل سے بچ نہیں سکتا۔ سادھو کے بھیس میں آیا تھا مکار کہیں کا۔''

انسپکٹر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے فوراً یونیفارم پہنا اور موٹر سائیکل اٹھائی اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں وہ اپنے اعلیٰ افسران کو اس کی اطلاع دینا چاہتا تھا۔ ابھئے کے گھر کی گھیرابندی سخت کر دی گئی تھی۔

گھوگھری کی شورش اور بغاوت کو تقریباً دو ہفتے گذر چکے تھے لیکن اس کے سرکردہ لیڈرز جن کے خلاف بھیڑ کو اکسانے اور مشتعل کرنے کا الزام تھا وہ ابھی تک گرفت سے باہر تھے۔ یہ پولس کی کارکردگی پر سوالیہ نشان کھڑا کرتا تھا۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی سرکاری رپورٹ میں بھی یہ بتایا گیا تھا کہ ابھئے کمار ہنوز گرفتاری سے دور ہے۔ اگر دو دنوں میں وہ پکڑ میں نہیں آتا ہے تو تیسری مرتبہ اس کی خبر شائع ہو گی کہ وہ ابھی تک پولس کے ہتھّے نہیں چڑھا ہے۔ یہ پولس محکمہ کی حقیقت میں نااہلی تھی۔

گورنر مسلسل پولس کو تنبیہ دے رہے تھے اور روزانہ رپورٹ مانگ رہے تھے۔ مگر ابھئے کمار کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا ان کے پاس اطلاع تھی کہ شاید وہ مہادیو کے جنگلوں اور

www.urduchannel.in

ست پڑا کی خطرناک پہاڑیوں میں بھٹک رہا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اطلاع نہیں تھی۔ وہ شخص بڑا شاطر اور خطرناک تھا۔ وہ خاموش بیٹھنے والا نہیں تھا۔

انسپکٹر جب ابھئے کمار کے متعلق تازہ خبر لے کر ہیڈ کوارٹر پہنچا تو وہاں افراتفری مچ گئی۔ گورنر کو فوراً مطلع کیا گیا۔ اور پچاس میل کے اطراف میں پولس بندوبست دوبارہ سخت کر دیا گیا۔ قیاس کیا جا رہا تھا کہ ابھئے رات کے وقت اپنے گھر ضرور آئے گا۔ اس لیے رات کا پہرہ دوہرہ کر دیا گیا تھا۔

ابھئے کو اندازہ نہیں تھا کہ اس کے "استقبال" کے لیے اتنی زبردست تیاری کی گئی ہوگی اور وہ اتنا مشہور اور معزز شخصیت کا مالک ہوگا۔ اکثر آدمی خود کو کمتر ہی محسوس کرتا ہے اور جب اس نے سنا کہ دشمن نے اسے برباد کرنے کے لیے کیا کیا تیاریاں کی ہیں تو اسے اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا۔

لیکن ابھئے ان سب سے بے خبر اور بے نیاز تھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ اب آزادی کے دن گنتی کے رہ گئے ہیں۔ قبل اس کے کہ وہ جیل کے وزنی دروازے کے پیچھے کر دیا جائے اسے اپنی ماں اور بیوی کو ایک نظر دیکھنے کی تمنّا تھی۔ اگر وہ گرفتاری سے پہلے انہیں ایک نظر دیکھ لے تو پھر اس کو کسی بات کی پرواہ نہیں رہے گی۔ کیا بھگوان اس کی اتنی سی مراد پوری نہیں کرے گا؟

آدھی رات کے کچھ دیر بعد ابھئے نے انسپکٹر کا گھر چھوڑا تھا اور کھیتوں کھلیانوں کو عبور کرتے ہوئے ریلوے لائن کی طرف سے شہر میں داخل ہوا تھا۔ اس نے سڑک سے جانے سے جان بوجھ کر اجتناب کیا کیونکہ یہاں پولس کی گاڑیاں گشت کر رہی تھیں۔ اسی طرح خاص طور سے ریلوے کراسنگ سے بھی گریز کرتے ہوئے اس نے کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے جانے کو

www.urduchannel.in

ترجیح دی۔ اتنا گھپ اندھیرا تھا کہ راستہ تک سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن چونکہ وہ رات میں چلنے کا عادی تھا اس لیے اسے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔

اس نے جوتا بھی نہیں پہنا تھا اس لیے کوڑا کرکٹ اور کانٹوں سے اس کے پیر لہولہان ہوگئے تھے جس میں شدید درد بھی ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کے پیر کیچڑ میں دھنس جاتے تھے۔ اس کے زخموں سے خون بھی نکلنے لگتا تھا۔ وہ اگر کبھی ٹھوکر کھا کر گر پڑتا تھا تو اس کے ہاتھ کی لاٹھی بھی اس سے چھوٹ جاتی تھی۔ زعفرانی رنگ کا اس کا درویشی جبّہ بھی جھاڑیوں میں اٹک اٹک کر پھٹ گیا تھا۔ لیکن یہ تمام باتیں اس کے لیے بے معنی تھیں۔ اگر وہ نہیں ہوتا تو کسی نہ کسی کے ساتھ یہ سب تو ہونا ہی تھا۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اس کی ماں اور بیوی کے روتے بلکتے چہرے ہی اس کے پیشِ نظر تھے۔

ان دونوں عورتوں نے اسے کتنی شفقت اور محبتوں سے نوازا تھا۔ اس کی خاطر وہ کتنی تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ ان کی صرف یہی بدقسمتی تھی کہ وہ غلام ملک میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کی قسمت ایک ایسے شخص کے ساتھ جڑ گئی تھی جو غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے لڑ رہا تھا اور سب کچھ قربان کر بیٹھا تھا۔ یہ دونوں عورتیں تنہا نہیں تھیں بلکہ اس طرح کی کئی عورتیں بھی تھیں جو اس بدبخت ملک میں سانس لے رہی تھیں۔ گذشتہ سو سالوں میں اس ملک نے کتنے شہید پیدا کیے؟ ان کے نام سے آسمان جگمگا رہا تھا۔ منگل پانڈے، جھانسی کی رانی لکشمی بائی، تاتیہ ٹوپے، چافیکر، خودی رام بوس، چندر شیکھر آزاد، رام پرساد بسمل، اشفاق اللہ، جتن داس، بھگت سنگھ اور سکھ دیو راج گرو وغیرہ۔ اس طرح کے نامور شہیدوں کی ایک طویل فہرست تھی جنہوں نے اپنے وطن عزیز کے لیے جانیں قربان کر دیں۔ ان کے راستے ہو سکتا ہے کہ علیحدہ ہوں مگر سب کا مقصد ایک ہی تھا۔ ان کے سروں پر ایک ہی سودا تھا، ایک

www.urduchannel.in

ہی جنون تھا کہ بس ان کا ملک آزاد ہوجائے۔ کیا ان کی عورتوں نے صدمے سے آنکھیں تر کیں ؟ ورنہ ان کے آنسوؤں سے ہندوستان کی ندیوں میں سیلاب آجاتا۔ انہوں نے ضبط وصبر کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ وہ بڑے متبرک اور مقدس تھے۔ صبح شام ان کو دعاؤں میں ضرور یاد کیا جائے۔ کیونکہ ان کے مردوں نے آزادی کی دیوی کی پوجا کی تھی اور اپنے گرم خون سے دیوی کے پیر دھوئے تھے۔ کیا ماں اور وجیا کا شمار ان بڑے لوگوں میں ہوسکے گا ؟ ابھئے اپنی خوش بختی پر کیوں نہ ناز کرے اس کے باوجود اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

www.urduchannel.in

باب(۳۵)

جیسے ہی پولس انسپکٹر اپنی موٹر سائیکل سے روانہ ہوا اس کی بیوی نے منہ ہاتھ دھویا اور بھگوان کے آگے دوزانو بیٹھ گئی اور زمین پر اپنا ماتھا ٹیک کر دعاء کرنے لگی۔

"ماں! تم نے مجھے آج بڑی رسوائی سے بچالیا"۔ اس نے کہا، "میرے مہمان کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہوسکتا، میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ماں! آپ کے سامنے یہ کیسا کھیل چل رہا ہے کہ پولس ایک معصوم شخص کے پیچھے پڑی ہے جو صاف دل انسان ہے، یہ کوئی جانور نہیں کہ بس موت کے علاوہ اس کی حفاظت ممکن نہیں ہے۔ اس کا قصور کیا تھا؟ پولس اسے ایسے تلاش کر رہی تھی گویا وہ کوئی مفرور مجرم تھا اور وہ بھی اس کے اپنے ملک میں! وہ باغی و سرکش نہ ہوا بلکہ شکاری کتا ہوا جسے گھر گھر تلاش کیا جارہا تھا۔ کیا ملک سے محبت کرنا جرم ہے؟ کیا اپنے ہی گھر میں عزت و وقار کے ساتھ رہنا گناہ ہے۔ کیا کپڑے اور کھانے کی تمنا فضول ہے؟ اس کے علاوہ مہاتما گاندھی اور کیا مانگ رہے ہیں؟ ملک کے تمام شہریوں کا یہی تو مطالبہ ہے! پھر ایک شریف اور نیک شخص کو گورنمنٹ اتنا تنگ کیوں کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگ کیوں آرام اور سکون سے دن گذار رہے ہیں۔ یہ کیا تماشا ہے، اے دیوی ماتا یہ کیسی ستم ظریفی ہے؟"

پولس انسپکٹر کی بیوی نے اپنے گلے کی مالا نکالی اور وظیفہ کرنے لگی اور ابھئے کمار کی حفاظت و سلامتی کے لیے دعاء مانگنے لگی۔ اس وقت صبح کے ڈھائی بج رہے تھے۔

www.urduchannel.in

باب(۳۶)

اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ فضا خاموش تھی۔ مرد کام پر گئے تھے اور جو کام نہیں کر سکتے تھے گھروں پر آرام کر رہے تھے۔ ماں اور وجیا بھی دوپہر کے کھانے کے بعد آرام ہی کر رہے تھے۔ ماں آنکھیں موندے خاموش پڑی تھی لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ باہر سے کچھ آواز آئی۔

"ماں! سادھو کو خیرات دیتی جاؤ"۔

ماں چونک گئی۔ آواز کچھ جانی پہچانی معلوم ہو رہی تھی۔ شاید یہ اس کا محض گمان تھا۔ وہ دروازے کی طرف لپکی۔ ایک جوان داڑھی والا سادھو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کشکول تھا اس کے کپڑے پھٹے ہوئے اور میلے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

"کیا تم ابھئے ہو؟" ماں نے بڑی مایوسی سے پوچھا۔

"ہاں ماں" اس نے آہستہ سے کہا، "لیکن یہاں بات مت کرنا۔ سادہ کپڑوں میں پولس نگرانی کر رہی ہے"۔

جیسے ہی ابھئے کمار نے گھر میں قدم رکھا ماں نے دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیٹے کو اپنی باہوں میں بھر لیا۔ دونوں ایک ساتھ رو پڑے۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وجیا خوشی سے اچھل پڑی۔ ابھئے نے اسے بھی بڑھ کر گلے لگا لیا۔ تینوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا اور خوشی و مسرت سے کیف و سرور کی مستی میں جھومنے لگے۔ وہ اپنے دلوں میں ایک لطیف خوشی، بے مثال استراحت و طمانیت اور قوت و سکون محسوس کر رہے تھے۔ اچانک باہر سے سیٹی کی آوازیں آنے لگیں۔

www.urduchannel.in

"پولس!" ماں نے بے ساختہ کہا، "ابھئے اب ہم کیا کریں؟"

"مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے ماں! میری خواہش تھی کہ میں گرفتاری سے قبل تمہیں ایک نظر دیکھ لوں سو وہ پوری ہوگئی۔ اب چاہے جو ہو جائے"۔

"اگر پولس مجھ تک نہیں پہنچ سکتی ہے تو بھی میں چاہوں گا کہ ہتھیار ڈال دوں"۔

"لیکن کیوں؟"

"میرا فرض ادا ہوگیا۔ بالفرض میں فرار ہونا چاہوں بھی تو نہیں بھاگوں گا۔ میں کیوں ایسا کروں؟ میں نے کچھ ایسا کیا ہی نہیں کہ مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔ ایک سچّا ستیہ گرہی آخر تک سچائی کے راستے پر چلتا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس پر کسی کے رحم کی مجھے حاجت نہیں ہے۔ لیکن میں نے جو نہیں کیا تو اس کا علی الاعلان انکار کرتا ہوں۔ اس کے بعد جو بھی حالات ہوں گے میں بھگتنے کے لیے تیار ہوں"۔

اس کی ہمت اور خوداعتمادی قابل تقلید تھی۔ دونوں عورتوں نے بڑی طاقت محسوس کی۔ ان کی ساری فکریں جیسے دور ہوگئیں ہوں۔ انھیں بسوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پانچ چھ کانسٹیبل یونیفارم میں جو بندوق اور ہتھیاروں سے لیس تھے گھر کے باہر جمع ہوگئے۔ انھوں نے گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور گھر کے صدر دروازے کو زور زور سے پیٹنے لگے۔ ابھے دروازے تک چل کر گیا اور اسے کھول دیا۔

ڈپٹی پولس اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ جیسے ہی اس نے ابھئے کو دیکھا وہ ابھئے پر لپک گیا اور اسے جکڑ لیا۔

ابھئے نے کہا، "تمہیں کیا چاہئے؟"

"کیا تمھارا نام ابھئے کمار ہے؟" آفیسر نے گرج دار آواز میں کہا۔

www.urduchannel.in

"جی ہاں!"

"تمہیں گرفتار کیا جاتا ہے، تمہیں ہمارے ساتھ فوراً چلنا ہوگا"۔

"اگر تم نہ آئے ہوتے تو میں نے خود کو تمھارے حوالے کر دیا ہوتا"۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم اس پر یقین کرلیں گے؟ کیا مجرم کبھی خود کو قانون کے حوالے کرتے ہیں؟" ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ "پھر تم نے اپنے آپ کو پہلے ہی کیوں نہیں ہمارے حوالے کر دیا؟"

ماں نے وجیا کو انگلی کا اشارہ کیا وہ فوراً پوجا گھر سے پوجا کی تھالی لائی پھر ماں نے آفیسر سے کہا "ایک منٹ ٹھہرئے مجھے اس کے ماتھے پر ٹیکہ لگانے دیجئے"۔

ماں نے کچھ دہی ابھئے کے داہنے ہاتھ پر رکھا اور سرخ ٹیکہ ماتھے پر لگایا۔ پھر اس نے گھی کا چراغ جلایا اور اپنے بیٹے کی آرتی اتاری اور شگون کا چاول اس کے سر پر پھینکا۔ ابھئے نے جھک کر ماں کی قدم بوسی کی۔ ماں کا دل بھر آیا اور بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر اس نے مٹھی بھر چاول اٹھا کر ابھئے کے پیچھے کھڑے پولس والوں کے سروں پر بھی پھینکے۔

"آپ لوگ بھی ہمارے ہم وطن ہو، بھگوان آپ کا بھی بھلا کرے"، ماں نے کہا۔

اچانک ایسی محبت پاکر پولس والوں کے دل بھی پسیج گئے۔ انہوں نے نرم لہجے میں ابھئے سے کہا "اچھا اب ہمیں چلنا چاہئے کافی دیر ہوگئی ہے"۔

ابھئے نے روانہ ہونے سے پہلے وجیا کی طرف ایک اچٹتی نظر سے دیکھا جو ایک کونے میں بے حس و حرکت خاموش کھڑی تھی۔ وہ سراپا مغموم اور رنجیدہ نظر آرہی تھی۔ اس کا سارا وجود لگتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہو وہ ٹکٹکی باندھے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی اور کہنا

www.urduchannel.in

چاہتی تھی کہ مجھے من بھر کے دیکھ لینے دو، کیونکہ شاید اس کے بعد میں اپنے ناخدا اور تاج دار کو نہ دیکھ پاؤں گی۔

ابھئے جانتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کی حسرت ویاس کی تصویر کبھی بھلا نہیں پائے گا۔ جب وہ پولس کی کالی گاڑی میں بیٹھا تو اس نے عجب سا سناٹا محسوس کیا۔ اس کی اندرونی بے چینی جیسے ختم ہوگئی تھی اور اس نے یک گونا خوشی محسوس کی۔ دراصل اس کی دیرینہ آرزو پوری ہو چکی تھی کہ وہ اپنے عزیز ترین لوگوں سے ملاقات کر چکا تھا۔ اب اس کے اندر ایک نئی طاقت اور قوت پیدا ہوگئی تھی جس سے وہ آنے والی مصیبت کا سامنا کر سکتا تھا۔

گاڑی روانہ ہوگئی۔ آسمان پر بادل منڈرا رہے تھے۔ بجلی کی کڑک سے روشنی بکھر رہی تھی اور کچھ بوندا باندی بھی شروع ہوگئی تھی۔ ابھئے کو محسوس ہوا کہ اس کی پیاسی آتما کو گویا شانتی کی چند بوندیں مل گئی ہوں۔

www.urduchannel.in

باب(۳۷)

ابھئے کی گرفتاری کی خبر انسپکٹر جنرل آف پولس نے فوراً گورنمنٹ کو دی۔ جہاں سے یہ اطلاع مقامی اخبارات کو دی گئی۔ دوسرے دن اخباروالوں نے اس خبر کو شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ انہوں نے عنوان بنایا ''خطرناک انقلابی گرفتار''، ''شاطر باغی کو پولس نے دھر دبوچا جب کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہورہا تھا''، ''گھوگھری کا قائد گرفت میں''، ''پولس کا قابل فخر کارنامہ'' اس قسم کی شہ سرخیوں سے اخبار مزیّن تھے۔

عوامی زندگی کے ہر گوشے پر پولس اثرانداز تھی۔ پریس تو گویا ان کے ہاتھوں میں تھا۔ ساری خبریں ان کی مرضِی کے مطابق چھپتی تھیں۔ ریڈیو نے اس خبر کو اہمیت کے ساتھ نشر کیا۔ جیسے گورنمنٹ نے بڑی فتح حاصل کرلی ہو۔ سرکاری حلقوں میں اس خبر سے بڑی خوشی وانبساط کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ابھئے کی گرفتاری کو گورنمنٹ کا بڑا کارنامہ تصور کررہے تھے جس کی وجہ سے سب سرشار و مسرور تھے۔

www.urduchannel.in

باب(۳۸)

ابھئے کی گرفتاری کا اثر ماں پر بڑا خراب ہوا۔ کیونکہ ابھئے کو ''قتل پر اکسانے'' کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ واقعی دل خراش خبر تھی۔ اسے شاید اتنی تکلیف نہیں ہوتی جب ابھئے بھی تحریک کے آغاز میں دوسرے قائدین کے ساتھ گرفتار کر لیا جاتا۔ جب اس نے پوسٹر پڑھا اور دیکھا کہ پورا پولس محکمہ کس طرح اس کے پیچھے پڑا تھا۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ یہ اچھا شگون نہیں تھا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کچھ نہ کچھ خلاف توقع ہونے والا ہے۔ وہ بیمار پڑ گئی اب اس کا زیادہ تر وقت پوجا پاٹ میں اور تلسی کی مالا جپنے میں گذرتا تھا۔

وجیا خاموش تھی ویسے بھی وہ کم ہی بات کرتی تھی اور بہت کم اپنے تاثرات کا اظہار کرتی تھی۔ اس نے کیا محسوس کیا اور اسے کیا دکھ تھا بظاہر نظر نہیں آتا تھا۔ دونوں آپس میں بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ مگر دونوں خاموشی کی زبان سے بخوبی ایک دوسرے کے درد کو سمجھ رہے تھے۔ دونوں کی محبت و خوشی اور رنج و غم مشترک تھے اور اسی نے دونوں کو باہم ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا۔

دین بندھو ان کے پاس اکثر آتا تھا اور شانتا بھی اکثر آتی تھی۔ جب سے وہ کھاپری ریلوے اسٹیشن سے ابھئے سے ملاقات کر کے گئی تھی وہ وجیا کی زندگی کا اہم حصّہ بن گئی تھی۔ جب کبھی وہ آتی سارے گھر میں خوشی اور شانتی محسوس ہوتی تھی۔ اس کی موجودگی سے یہ دونوں یعنی ماں اور وجیا بڑا سکون اور تسکین محسوس کرتے تھے۔ شانتا کے دل میں ابھئے کے لیے بڑی عزت تھی۔ اسی ناطے ان دونوں سے بھی وہ محبت کرتی تھی کیونکہ ابھئے ان سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اس کے ذریعے وہ ان جذبوں کا اظہار کرتی تھی جو اس کے دل میں وطن کے جاں نثاروں کے لئے تھے۔

www.urduchannel.in

باب(۳۹)

ابھئے کمار کو ناگپور کے سیتا بلڈی تھانے میں مقید رکھا گیا تھا۔ یہ انتہائی غلیظ اور گندہ لاک اَپ تھا۔ جو پیشاب کی بدبو سے بھرا رہتا تھا۔ اسے سونے کے لیے ایک پھٹا پرانا بوریا اور اوڑھنے کے لیے ایک کالا سا لحاف دیا گیا تھا۔

جیسے ہی گارڈ نے لوہے کا دروازہ بند کر کے اس پر ایک بڑا سا تالا لگایا ابھئے کو تنہائی کی آزادی محسوس ہوئی۔ وہ عاجزی سے گھٹنوں کے بل جھک گیا اور اپنا سر زمین پر جھکا کر پوجا کرنے لگا۔

"اے ماتر بھومی! میرے پاس جو کچھ تھا میں نے تجھ پر نچھاور کر دیا۔ مجھے قوت دے۔ ماں میں نے راہ کی ہر مشکلات کا سامنا صبر و استقلال کے ساتھ کیا ہے۔ اب موت و حیات کا اختیار آپ کو ہے، میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیئے بس میں چاہتا ہوں کہ میرا ملک غیر ملکیوں کے چنگل سے آزاد ہو جائے"۔ اس کے بعد وہ رات کے اندھیرے میں بستر پر دراز ہو گیا۔ پانچ منٹ میں ہی وہ خرّاٹے لینے لگا۔ وہ ایسی بے خبری کی نیند سویا کہ گارڈ کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔ انہوں نے کبھی ایسا شخص نہیں دیکھا تھا جس پر قتل کا الزام لگا ہو اور وہ ایسی بے فکری کی نیند سو رہا ہو۔

جب صبح آٹھ بجے تک ابھئے سو کر نہیں اٹھا تو لوہے کی سلاخوں کے اندر ایک بانس کی موٹی لکڑی ڈال کر گارڈ نے اسے جگایا۔ وہ اٹھا اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی اسے بیت الخلاء لے جایا گیا۔ وہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا، روشنی سے اس کی آنکھیں چوندھیا رہی تھیں، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے اندھیرے کی عادت ہو گئی تھی، طویل عرصے سے اندھیرے اس کے ہمراہ تھے۔ اس نے اجالے سے ان کی رفاقت کو توڑ دیا۔

www.urduchannel.in

گیارہ بجے دن میں بندوق لیے ہوئے گارڈ اسے ایک کالی سی پولس وین میں بٹھاکر سنٹرل جیل لے گئے۔ جیل کے گیٹ پر ہی اس کا نام، اس کے متعلق تفصیلات اور اس کے جسم پر کوئی خاص نشان کی تفصیلات کا اندراج کیا گیا۔ ان تمام کاروائیوں کے بعد اسے جیل میں بند کر دیا گیا۔ وہ محو حیرت تھا کہ نامعلوم اس کے لیے جیل کے دروازے دوبارہ کھل سکیں گے یا نہیں۔ صرف بھگوان ہی جانتا ہے۔ وہ ایک معلوم جہان سے ایک نامعلوم جہان کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں اس کے لیے کیا تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ تو ان سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا جو اس دنیا سے واپس آ چکے تھے۔

اسے جیل کے اندر لے جایا گیا۔ اس نے تین بڑی بڑی دیواروں کو پار کیا پھر وہ حصّہ آیا جہاں مجرموں کو رکھا جاتا تھا، چھ فٹ چوڑا اور دس فٹ لمبا کمرہ اس کی قسمت میں آیا۔ یہی اس کا عارضی گھر تھا۔

پولس لاک اپ جہاں اندھیرا تھا اور جو بہت چھوٹا تھا اس کے مقابلے میں تو یہ قید خانہ محل جیسا تھا۔ یہ بڑا صاف ستھرا اور روشن تھا۔ ابھئے سلاخوں کے درمیان سے اپنی گردن نکال کر دالان میں ہرے بھرے پودوں اور پھولوں کو دیکھ بھی سکتا تھا۔ اس نے ان پودوں کی تازگی اور پھولوں کی خوبصورتی اور مسکراہٹ کو اپنے ذہن و دل میں قید کر لیا۔ پھر وہ اپنے بستر پر دراز ہو گیا اور تقریباً ۳۶ گھنٹے تک نیند کی آغوش میں پڑا رہا۔

ایک مرتبہ وہ پانی پینے کے لیے اٹھا اور اس نے صراحی کا سارا پانی پی لیا پھر وہ دوبارہ سو گیا۔ اس کا ذہن اور جسم دونوں تھک چکے تھے۔ وہ اس چھوٹے سے بہترین نگرانی والے قید خانے میں خود کو بہت محفوظ محسوس کر رہا تھا۔ وہ یہاں بہت مطمئن تھا اسے کسی چیز کی حاجت نہیں تھی بس وہ سونا چاہتا تھا اور اسے بھرپور نیند کی خواہش تھی۔ اسے خوشی اور

www.urduchannel.in

وارفتگی کے عالم میں خوب نیند آرہی تھی۔ اس درمیان جیلر، جیل سپرنٹنڈنٹ، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور انسپکٹر جنرل آف پولس کے علاوہ کئی اعلیٰ افسران نے اس کے سیل کا معائنہ کیا لیکن اسے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ گورنر کی بیوی اس خطرناک باغی کو جیل میں دیکھنا چاہتی تھی لیکن اس کے شوہر نے اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ ہر کوئی اسے دیکھنے آرہا تھا گویا وہ عجائب گھر کی عجیب الخلقت شئے ہو۔ لیکن ابھئے کو اس بات پر اطمینان تھا کہ اس کی وجہ سے لوگوں میں تجسس اور دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ بس نیند میں غرق رہتا۔ ایسی نیند جس میں کوئی خواب نہیں تھا، جو نہ ٹوٹنے والی نیند تھی۔

اس کی گھنی اور کالی داڑھی اس کے گورے چہرے اور مضبوط جسم پر خوب زیب دیتی تھی۔ جیل وارڈن یہ سمجھتے تھے کہ شاید وہ کوئی سیاسی سادھو ہے۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے اور جب انہیں محسوس ہوجاتا کہ انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے تو اس کے سیل کی زمین کو احتراماً چوم لیتے تھے۔

www.urduchannel.in

باب(۴۰)

جس وقت سے ابھئے کو گرفتار کیا گیا تھا سیاسی قیدیوں کو اخبار مہیا نہیں کرایا جاتا تھا۔ لیکن کبھی کبھار شکریا کرانہ کا کوئی سامان اخبار کے کاغذ میں باندھ کر جیل میں آجاتا تو سارے قیدی اسے بڑے غور سے پڑھتے جیسے یہ اخبار نہ ہوا کوئی لَو لیٹر ہو۔ جیل کے قوانین بڑے سخت تھے لیکن جیل کے وارڈن اور آفیسر قوانین توڑنے میں ذرا بھی ہچکچاتے نہیں تھے۔ وہ لوگ سیاسی قیدیوں کے لیے دلی ہمدردی رکھتے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے اس کی ایک وجہ اور بھی تھی۔

بعض سیاسی قیدی رئیس تھے اور رسوخ والے تھے۔ وہ جیل کے آفیسر کو 'نذرانہ' کی شکل میں اچھے تحفے بھی دیتے تھے۔ اس لئے دوسروں کی بہ نسبت وہ لوگ ان کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بظاہر جیل میں قید تھے مگر وہاں بیٹھ کر ان کے دنیا بھر کے کام بِلا روک ٹوک چلتے تھے۔

انہیں اپنی آزادی کی زیادہ فکر رہتی تھی اور خود کو وطن کی یاد میں بیمار بتاتے تھے۔ انہیں ہمیشہ اپنی تجارت اور گھر کی فکر رہتی تھی۔ یہ سب کام عام طریقے سے تو نہیں ہوسکتے تھے کیونکہ ڈاک کو سختی سے ٹٹولا جاتا تھا۔ اس لیے ان کے لئے علیحدہ سے پوسٹل سروسز کا بندوبست تھا اور ان سب کاموں میں جیل کے آفیسر کی ملی بھگت رہتی تھی۔ ان کے خطوط، کیلے، چمڑے، میوے جات، کتابوں اور دواؤں کے پیکٹ یا اسی طرح کے دوسرے وسائل سے آسانی سے دستیاب ہوجاتے تھے۔

حالانکہ انہیں اس کی بڑی قیمت ادا کرنی ہوتی تھی لیکن ان کے چہرے پر کوئی بل نہیں

www.urduchannel.in

پڑتا تھا۔ پیسا تو ان کے لئے بے معنی تھا۔ انہیں تو صرف اس بات کا افسوس تھا کہ وہ ایسے وقت جیل میں قید ہیں جب کہ جنگ کے حالات میں پیسہ کمانے کے سیکڑوں وسائل پیدا ہو گئے تھے۔ وہ یہاں بیٹھ کر صرف کہانیاں سنتے تھے کہ ہر طرف کالا بازاری کس طرح عروج پر تھی۔ غریبوں کا استحصال کس طرح کیا جا رہا تھا۔ دکاندار کروڑ پتی بن گئے تھے اور پیسہ پانی جیسا بہ رہا تھا۔ یہ سب ان کے لیے سوہانِ روح تھا۔ اگر صرف وہ ایک بار باہر نکل جائیں تو وہ بھی کروڑوں بنالیں گے اور اس قومی تحریک میں ایک کثیر رقم عطیہ کر سکیں گے۔ اس طرح وہ بھی قومی خدمت انجام دے سکتے تھے۔ ان کے خیال میں وہ قید میں پڑے پڑے سڑ جائیں گے۔ ان کا پورا مطمع نظر یہی تھا کہ کسی طرح بھی جنگ ختم ہو جائے اور انہیں یہاں سے چھٹکارہ مل جائے۔

جیل کے احباب ان پر پھبتی کستے تھے اور مذاق میں کہتے تھے "تمھارے ستارے کہتے ہیں کہ ایک دو ہفتہ میں تمہیں رہائی مل جائے گی"۔ اس سے وہ قیدی خوش ہو جاتے تھے اور ان کے لیے شاندار پارٹی کا انتظام کرتے تھے۔ وہ جیل میں ایسے رہتے تھے جیسے پانی بن مچھلی رہتی ہے۔ وہ ہمیشہ بے چین اور مضطرب رہتے تھے۔ انہیں ہمیشہ لگتا تھا کہ وہ کہیں مر نہ جائیں۔ لیکن جب انہیں رہا کیا گیا تھا تو وہ خود کو وطن کے وفادار اور جاں نثار بتا رہے تھے۔ کھدّر کے صاف و شفاف کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ وہ دوسروں کی بہ نسبت دھوبی کا محنتانہ زیادہ دے سکتے تھے۔ انہوں نے کڑک استری کی سفید ٹوپی بھی زیب سر کی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا ہندوستانی انقلاب کی قیادت صرف ان کے ہی کندھوں پر تھی۔ ان کی مرضی کے خلاف انہیں جیل میں ڈالا گیا تھا۔ ان کی مرضی سے زیادہ پولس والے ان کو جیل میں ڈالنے کی متمنّی تھے اور ان کی اسیری کے اصل ذمہ دار وہ خود تھے۔ ایسے لوگ جیل میں رہیں یا باہر ان کے

www.urduchannel.in

لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہیں ملک یا انقلاب سے بھی کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ اگر انہیں جیل میں نہ رکھا جاتا تو شاید وہ اس قابل بھی نہ ہوتے کہ اس زنجیر (انقلاب) کی کمزور ترین کڑی بھی ثابت ہوتے۔

اور جب انہیں رہا کیا گیا تو بس خدا کی پناہ، کیا نکل بھاگے تھے۔ بس سر کے بل بھاگے تھے! وہ اپنی قربانیوں کا بکھان عامیانہ اور بازارو انداز میں کر رہے تھے۔ ان کے آگے تو اصل جاں نثار بھی پھیکے تھے۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے کہا جاتا ہے "جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے"۔

کئی ایسے مجاہدین اور کارکن تھے جو بلا جھجک اس تحریک میں کود پڑے تھے انہوں نے صرف اپنی آتما کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ ان کے لیے "مستقبل میں کیا ہوگا" کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ محبت کی جنگ میں نفع نقصان کا حساب کون رکھتا ہے؟ چاہے یہ محبت کسی فرد سے ہو یا آدمی اور اس کے عقیدے سے ہو، اس کے ملک سے ہو یا اس کے خدا سے ہو! اس کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ لوگ جو محبت کے میدان جنگ میں رہتے اور کام کرتے ہیں وہ اس کا حساب کتاب رکھتے ہیں کیا؟ عیش و عشرت میں رہنے والی جھانسی کی رانی اگر اس کا حساب رکھتی تو شاید وہ انگریزوں کی اس پیش کش کو قبول کر لیتی جس میں انہوں نے اسے پنشن دینے اور عیش و آرام سے زندگی گذارنے کی پیش کش کی تھی۔ لیکن اس نے اپنی جان دینا گوارا کیا اور سارے حساب کتاب کو ہوا میں اڑا دیا۔

میرا بائی نے اپنی مالک گردھر ناگر کے لیے اپنا محل، دولت اور عیش و عشرت کو چھوڑ دیا۔ کیا اس نے نفع نقصان کا حساب لگا کر یہ قربانی دی تھی؟ کیا سقراط زہر کا پیالا پینے سے بچ نہیں سکتا تھا اگر وہ دنیا داری میں زیادہ چالاک ہوتا اور اپنے کمزور جسم کی آواز کو سن کر اپنے ضمیر کو کچل دیتا۔ اگر عیسیٰ مسیح کا اس فانی اور مادہ پرست دنیا سے مفاد وابستہ ہوتا اور وہ انتہائی بدنام زمانہ

www.urduchannel.in

حکمراں کے آگے جھک جاتے تو انہیں سولی پر چڑھنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟

یہ وہ لوگ ہیں جو دائم اور لافانی ہیں جنہوں نے وقت کی ریت پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اور جن کو تاریخ انسانی خراج عقیدت و محبت پیش کرتے کبھی نہیں تھکتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کبھی حساب کتاب کا دفتر نہیں کھولا۔ ان کے لئے صرف ان کے ضمیر کی آواز ہی کافی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ سماوی مخلوق کی مانند وہ نادیدہ الہام اور جذبۂ ورافتگی کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ایک ایسی آگ لائی جو ہمیشہ روشن رہنے والی تھی۔ زندگی کے مختصر قیام کے لیے انہوں نے جسمانی حلیہ اختیار کیا۔ وہ شہاب ثاقب کی طرح چمکتے تھے اور اپنی دائمی روشنی سے دنیا کو منور و درخشاں کرتے تھے۔ ان کی یادیں نسلوں کو حوصلہ دیتی تھی اور تلقین کرتی تھی۔ یہ عمل صدیوں سے چلا آرہا تھا اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ بنی نوع انسان کو امید، دلاسا اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کا یقین دلاتی رہے گی۔ وہ آسمانی آگ لے کر آئے تھے، اور اس آگ میں انہوں نے اپنے جسموں کو جھونک دیا تھا کہ وہ بھی اپنے معبود کے ساتھ یک جان ہوجائیں اور مرنے کے بعد امر ہوجائیں۔ اللہ کے ایسے بندے بار بار پیدا ہوتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کی اخلاقی تربیت کرسکیں۔ اگر ایسے لوگ نہ ہوں تو پھر طوفان نوح، سیلابِ بلاخیز کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ تو ایسے محترم لوگوں کی مثال تھی جنھوں نے انقلابِ اگست کے کچھ نوجوان محبان وطن کو متحرک و متاثر کیا تھا۔ ان میں سے کئی تو ایسے تھے جنہیں سیاسی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان میں اسکول کے طلبہ، ہیڈماسٹرز، مزدور، دین بندھو جیسے چھوٹے دکان دار، معمولی کام کرنے والے لوگ، رضاکار اور بعض لیڈروں کا شمار تھا۔ ان میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ ایک عظیم مقصد کے لیے ان کی قربانی، سنجیدگی اور وفاداری اور خلوص پر مبنی

www.urduchannel.in

تھی۔ بزرگ لیڈر انہیں اکثر مشورہ دیتے تھے کہ وہ ہمیشہ چوکنّا رہیں۔ وقت مخدوش ہے بس اپنے عمل کا جائزہ لیتے رہیں ۔ لیکن یہ مشورہ اور نصیحت نوجوان ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے اڑا دیتے تھے وہ ہمیشہ وطن کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ وہ کہتے تھے،

سرفروشی کی تمنا پھر ہمارے دل میں ہے

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

بزرگ مایوسی و ناامیدی سے کہتے، ”یہ نوجوان شوریدہ سر اور سودائی ہیں۔ جب یہ ذرا بڑے ہونگے تو خود بخود ذمہ داری کا احساس ہو جائے گا“۔

ابھئے کمار نے جوں ہی سنٹرل جیل میں قدم رکھا یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام سیاسی قیدیوں میں پھیل گئی۔ ہر درجے کے تقریباً بارہ سو قیدی اس وقت جیل میں تھے۔ جیل قیدیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان میں کچھ پرانے قیدیوں کو ان کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی رہا کیا جا رہا تھا تاکہ نئے قیدیوں کے لیے جگہ بن سکے۔

’اے‘ کلاس کے قیدیوں کے کمرے سزا یافتہ قیدیوں کے بغل میں تھے۔ ایک بڑی دیوار سے اسے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ ابھئے اپنے سیل سے ان کی صبح شام کی پوجا سن سکتا تھا۔ صبح کی پوجا کے الفاظ صاف سنائی دیتے تھے کیونکہ صبح سویرے ہر طرف سناٹا رہتا تھا۔ پوجا سن کر ابھئے بہت متاثر ہوتا تھا اسے ایک نئی طاقت اور قوت ملتی تھی۔ سنت ونوبا بھاوے بھی اسی جیل میں تھے۔ صبح کی پوجا کے انتظامات ان کے ہی ذمے تھے۔ ان کی موجودگی سے جیل کا ماحول مندر کی طرح پاکیزہ و مقدس ہو گیا تھا۔

ابھئے کی گرفتاری کے تین دن بعد گارڈ کاغذ کا ایک پرزہ لایا وہ اسے سیاسی قیدیوں کے دوسرے بیرک سے چوری چھپے لایا تھا۔ پنسل سے اس پر کچھ لکھا تھا جو آسانی سے پڑھا نہیں

www.urduchannel.in

جارہا تھا۔ ابھئے نے بڑے غور سے پڑھا تو اسے کچھ کچھ سمجھ میں آیا۔ اس میں لکھا تھا:

او بہادروں کے تاجدار بہادر

ہم آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں، بہت احترام کے ساتھ

ہم آپ کی قربانی اور نفس کشی کی داد دیتے ہیں

ہم آپ کے غم اور خوشی میں برابر کے شریک ہیں

ہم آپ کو سلام کرتے ہیں، ہم آپ کی عظمت کے قائل ہیں

ہم سیاسی قیدی ہیں

آپ کے ساتھ اسی جیل میں ہیں

اس پیغام سے ابھئے کو بڑی فرحت محسوس ہوئی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کے بھی دوست احباب ہیں وہ یہاں تنہا نہیں تھا۔ شاید اکیلا پن انسان کی کمزوری ہوتی ہے۔ لیکن اب ایسا لگتا تھا کہ کچھ اجنبی آنکھیں بھی اس پر نظر رکھے ہوئے تھیں اور اس کے ساتھی قیدیوں کی محبتیں اس پر نثار تھیں جو اس کا اثاثہ تھیں۔ انسانی ہمدردی اور گرم جوشی جو اس کے لیے تھی۔ پھر وہ کیوں ناخوشی سے جھومے اور خوشی سے پھول جائے۔ اچانک وہ اپنے اندر ایک روحانی طاقت اور مسرت محسوس کرنے لگا۔ گارڈ اس کے رہنے سہنے کے انداز سے مرعوب تھے۔

www.urduchannel.in

باب(۴۱)

ابھئے کی قید کے ایک ہفتہ بعد پولس نے اس کے خلاف چالان بنایا۔ اس کے بعد عدالت کی کاروائی شروع ہوگئی۔ اس کے مقدمہ کے لیے مجسٹریٹ چودھری کا تقرر عمل میں آیا۔ ابھئے نے ان کے بیٹے کو ٹیوشن پڑھائی تھی۔

جیل میں ایک کمرہ کو کچہری (کورٹ روم) بنادیا گیا تھا۔ پولس سرکار کی طرف سے مکمل مستعد تھی۔ گواہوں سے جراح ہورہی تھی اور دوسرے ناگزیر چیزیں بنائی جارہی تھیں۔

ابھئے کمار کے خلاف خطرناک الزامات عائد کئے گئے تھے۔ گھوگھری میں سرکل انسپکٹر لالہ بابورام اور منشی مُنوخان کے قتل کا الزام سرفہرست تھا اور بھیڑ کو تشدد پر آمادہ کرنا جس کے نتیجہ میں موت واقع ہوئی، ایسی باتیں چارج شیٹ میں درج تھیں۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے الزامات تھے جیسے بادشاہ کے خلاف جنگ کرنا۔ علاوہ ازیں ابھئے کو بمبئی سے پروگرام کا بلیٹن لاکر تقسیم کرنے کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا گیا تھا اور تشدد کے جو بھی واقعات ہوئے اس کا ذمہ دار بھی ابھئے ہی تھا ایسا الزام لگایا گیا۔ جب عوام جاہل اور تند مزاج توان کے قائد کی ذراسی خطا بڑا جرم بن جاتی ہے۔ اگر ان الزامات میں سے ایک بھی صحیح ثابت ہوجائے تو موت کی سزا تو لازمی تھی۔ اگر ابھئے پھانسی سے بچ جاتا تو سمجھو یہ ایک معجزہ ہی ہوگا۔

مقدمہ شروع سے ہی عوامی جذبات سے جڑا ہوا تھا۔ یہ سنجیدہ اور ہولناک ماحول میں ہی شروع ہوا، شہر اور صوبے میں اس کیس کے متعلق کافی جوش و خروش اور تجسس تھا۔ ابھئے کے دفاع کے لئے وکیلوں اور شہریوں پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔ فوراً چندہ اکٹھا کیا گیا۔ کئی سرکاری افسران نے بھی اس میں حصّہ لیا۔ ایڈوکیٹ اور وکیلوں میں ابھئے کا مقدمہ لڑنے

www.urduchannel.in

کے لیے ہوڑ شروع تھی۔ وہ اس کو اپنے لئے اعزاز سمجھ رہے تھے۔ لوگوں میں ایک ولولہ تھا کہ ابھئے جیسے نوجوان کو کس طرح اس مقدمے سے بری کرایا جائے۔

ابھئے کو ان باتوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ وکیلوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ابھئے نے اپنے دفاع کے لیے کسی وکیل کی ضرورت سے انکار کر دیا تھا تو انہیں یہ سن کر سخت تعجب اور افسوس ہوا۔ ابھئے اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق خود کو ستیہ گرہی کہہ رہا تھا۔ وہ سچ پر یقین رکھتا تھا اور سچ کے سوا کسی بات پر اسے یقین نہیں تھا۔ جو سچ نہیں ہو گا علی الاعلان انکار کر دے گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اسے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ کورٹ اس کے متعلق کیا رائے رکھتا تھا۔ اسے اس کی بھی فکر نہیں تھی کہ کوئی اس کا دفاع کرے کیونکہ اس نے جو کچھ کیا تھا اپنی مرضی سے کیا تھا اور وہ اسے تسلیم کرتا تھا اور جو کچھ اس نے نہیں کیا تھا اس کے لیے دفاعی وکیل کی اسے ضرورت نہیں تھی۔ وکیلوں کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ وکیلوں نے اس سے بحث کی اور کہا:

"تمہیں قانون اور اس کی پیچیدگیوں کا علم نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی لاعلمی سے تم مقدمہ ہار جاؤ اور تمہیں بڑی سزا مل جائے۔ اس لئے ذرا سوچ سمجھ کر بات کرنی ہوگی۔ ہم تو تم سے کوئی فیس بھی نہیں لیں گے، تمھارے لئے دفاعی فنڈ تشکیل کیا گیا ہے جو سارے اخراجات برداشت کریگا"۔

قانونی کتابوں کا مقصد کیا ہے آخر! ابھئے نے پوچھا اور کہا، "کیا یہ سچائی حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے؟ کتابیں پڑھ کر کوئی سچائی کی پیروی نہیں کر سکتا۔ یہ تو کورٹ کا فرض ہے کہ وہ سچائی کی باریک بینی سے چھان بین کرے۔ میں نے سارے حقائق کورٹ میں پیش کر دئے ہیں"۔

"لیکن یہ سیاسی مقدمہ ہے۔ تم نے برٹش اتھارٹی کو ہندوستان میں چیلنج کیا تھا۔ کورٹ برٹش ہے، دوسرے بہت سارے معاملات میں حکومت غیر جانب دار اور انصاف پسند

www.urduchannel.in

ہو سکتی ہے لیکن سیاسی معاملات میں ان کا شہنشاہیت پسند رجحان انصاف اور غیر جانب داری کے احساس پر غالب آجاتا ہے۔ وہ جنگ سے بے زار ہیں، ان کا خیال تھا کہ ہندوستانی رہنماؤں نے انہیں دھوکہ دیا تھا۔ انہوں نے ایسے وقت آزادی کی تحریک شروع کی تھی جب وہ موت و زیست کی جنگ لڑنے میں مصروف تھے۔ وہ اپنا توازن بھی کھو چکے تھے"، ایک بیرسٹر نے بحث کی۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں سمجھ رہا ہوں بیرسٹر صاحب، آپ کا مشورہ اچھا ہے، آپ قانونی طریقۂ کار پر سختی سے کاربند رہئے اور اس پر تکیہ کیجئے۔ یہ آپ کی ضرورت ہے۔ لیکن سیاسی مقدمہ میں آپ کی قانونی کتابیں کیا کریں گی جب کہ یہ معاملہ قومی اور بین الاقوامی سطح کا ہے؟ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کے لئے میں نے قانون کی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ میں نے جو کچھ کیا وہ اپنے ضمیر کی آواز پر کیا ہے۔ میں نے وہی کرنے کی کوشش کی جسے میں حق سمجھتا ہوں۔ سچائی ہماری عملی زندگی میں آنی چاہئے نہ کہ کتابوں میں جسے ہم محض پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ کی قانونی کتابیں دوسرے مقدموں میں شاید کوئی کارنامہ دکھائیں لیکن وہ اس مقدمہ میں کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ مجھے میری تقدیر پر چھوڑ دیجئے۔ آپ مجھ سے بڑے ہیں اور مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔ میں آپ سے صرف اتنا آشیرواد مانگتا ہوں کہ میں آخری دم تک سچ پر ثابت قدم رہوں"۔ ابھئے نے جذباتی انداز میں کہا۔

بیرسٹر نے اپنے کالے گون میں سے ایک رومال نکالا اور اپنی پیشانی پر پشیمانی کی ننھی ننھی پسینے کی بوندوں کو صاف کرنے لگا۔ اس نے ایسا شخص کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"آپ کی مرضی"، اس نے بمشکل تمام ابھئے سے کہا۔

www.urduchannel.in

باب(۴۲)

مقدمہ کی کاروائی پر سارے ملک کی توجہ تھی کیونکہ ابھئے نے اپنے دفاع سے انکار کر دیا تھا۔ جب سے قومی تحریک قابو میں تھی، اخباروں پر سے پابندی کچھ کم کر دی گئی تھی اور تمام سیاسی قیدیوں کو اخبار پڑھنے کی اجازت تھی۔

مقدمہ کی کاروائی کی تفصیلات لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھ رہے تھے۔ یہ کاروائی آغاخان پیلیس میں جاری تھی جہاں گاندھی جی کو مقید کیا گیا تھا اور احمد نگر قلعہ میں جہاں کانگریس لیڈرز کو حراست میں لیا گیا تھا۔ لوگوں میں زبردست بحث چھڑ گئی کہ ابھئے نے قانونی مدد لینے سے انکار کیوں کیا؟

کورٹ ساڑھے دس بجے صبح سے ساڑھے چار بجے شام تک شروع رہتا تھا۔ اس درمیان میں آدھا گھنٹہ چائے ناشتہ کا وقفہ ہوتا تھا۔ ابھئے کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی گئی تھی اور اس کی زنجیر کو دو کانسٹبل مسلسل پکڑے رہتے تھے۔ اس نے داڑھی بھی نہیں بنوائی تھی۔ اس نے سفید لمبا کرتا جو کھدّر کا بنا ہوا تھا پہن رکھا تھا اور سفید رنگ کی سوتی دھوتی کمر میں باندھ رکھی تھی۔ جیسے ہی اسے لایا گیا کورٹ روم میں خاموشی چھا گئی۔

ابھئے بھی بالکل خاموش تھا اور اس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا جس کی وجہ سے اس میں خوداعتمادی اور بے خوفی جھلک رہی تھی۔ مجسٹریٹ اس کی شخصیت کو دیکھ کر مبہوت تھا۔

مقدمہ کی کاروائی کے دوران پریس رپورٹر کے علاوہ لیگل ڈیفینس کمیٹی کے چار وکلاء کو کاروائی دیکھنے کی اجازت تھی۔ ابھئے کے رشتہ داروں کو بھی اس کی اجازت تھی لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا تھا۔

www.urduchannel.in

دس دنوں میں ۷۷ گواہوں کی پیشی ہوئی۔ ان کا نام، باپ کا نام اور ان کی ذاتی تفصیلات نوٹ کی گئیں۔ پولس کو ان گواہوں کو سکھانے، پڑھانے میں کافی مشقت اٹھانی پڑی۔ یہ ایک ایسا مقدمہ تھا کہ پولس والوں کی عزت اور وقار سارا داؤ پر لگا ہوا تھا۔ انہیں فکر لاحق تھی کہ چاہے جو بھی ہو یہ مقدمہ ناکام نہ ہونے پائے۔ ملزم کی طرف سے گواہوں کے ساتھ جراح کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لئے ابھئے کا مقدمہ امید کے برخلاف جلد نمٹ گیا۔

تمام گواہوں سے جراح کے بعد کورٹ نے ابھئے سے پوچھا، ''آپ کو ان گواہوں سے کچھ پوچھنا ہے؟''

''نہیں سر! اگر آپ سچ کو جاننے کے لیے واقعات کو کریدنا چاہتے ہیں تو آپ ان سے سوال کر سکتے ہیں میں کیا کہہ سکتا ہوں میں تو اپنی باری آنے پر ہی کہوں گا''۔

کورٹ عام طور پر ایسے موقعوں پر خانہ پری کے طور پر کچھ سوالات کرتا ہے لیکن یہاں بہت سے گواہوں سے کچھ نہ پوچھا گیا۔ کورٹ نے پھر پوچھا ''کیا ملزم اپنے دفاع میں کسی گواہ کو پیش کرنا چاہے گا؟''

''کوئی نہیں''، ابھئے نے کہا۔

کورٹ نے مقدمہ کی سماعت پانچ دنوں کے لئے ملتوی کر دی تاکہ اس درمیان ملزم سے مزید پوچھ تاچھ کی جائے اور اسے کچھ وقت دیا کہ وہ اپنا بیان تیار کروائے اور یقین دلایا کہ آپ کو لکھنے کے لئے قلم اور کاغذ مہیّا کیا جائے گا علاوہ اس کے حوالے کی کتابیں بھی دی جائیں گی تاکہ آپ اپنا بیان درج کرا سکیں۔

''جی ہاں سر! مجھے گیتا، رامائن اور مہاتما گاندھی کی خود نوشت سوانح عمری چاہئے''، ابھئے نے کہا۔

www.urduchannel.in

مجسٹریٹ نے ایک پولس سب انسپکٹر کو ابھئے کے گھر کتابیں لانے روانہ کیا۔ بعد میں یہ سب کتابیں قید خانے میں ابھئے کو پہنچا دی گئیں۔

www.urduchannel.in

باب(۴۳)

ملزم سے جرح کے لئے وقت مقررہ پر عدالت کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ ماحول میں زبردست تناؤ اور جوش و خروش تھا کہ ابھئے کمار کیا کہے گا؟ اس نے کوئی قانونی مشورہ بھی قبول نہیں کیا تھا۔ اسے قانون کا علم بھی نہیں تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی ناتجربہ کاری، نادانی اور بے باکی سے اسے پھانسی ہو جائے۔

جب اس کی جانچ پڑتال شروع ہوئی تو کورٹ میں سوئی پٹک سناٹا چھایا تھا۔ کورٹ میں موجود ہر شخص کی سانسوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ یہاں تک کہ دیوار پر لٹکی گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز بھی صاف آ رہی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ وقت گذر رہا تھا۔

ابھئے کا نام اس کے والد کا نام اور اسکا پتہ نوٹ کیا گیا۔

"تمھارا پیشہ کیا ہے؟" پہلا سوال ہوا۔

"میں یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر ہوں"۔

"کیا تمہیں باہر سے کوئی آمدنی ہے؟"

"مجھے اسکالرشپ ملتی ہے اور کچھ پرائیوٹ ٹیوشن کرتا ہوں۔ میری ماں بھی کام کرتی ہے"۔

"کیا تم نے انقلابی تحریک میں حصہ لیا تھا؟"

"جی ہاں سر!"

"کیا تمھارا تعلق کسی سیاسی جماعت سے ہے؟"

"نہیں سر!"

www.urduchannel.in

"پھر تم اس تحریک میں کیوں کود پڑے؟"

"یہ کوئی ایسی تحریک نہیں ہے جسے سیاسی جماعت چلا رہی ہو۔ یہ عوامی انقلاب ہے۔ مہاتما گاندھی ہمارے قائد ہیں۔ انہوں نے تمام سرکردہ لوگوں، طلباء اور سرکاری افسروں کو اس انقلاب میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر محب وطن کا کام ہے کہ اس دعوت پر لبیک کہہ کر تحریک میں شامل ہو۔ اس لئے میں بھی اس میں شریک ہوا"۔

"اگر گاندھی اس تحریک کے قائد تھے تو پھر تشدد اس میں کیسے داخل ہوا۔ کیا وہ عدم تشدد کی وکالت نہیں کرتے ہیں؟"

"گاندھی نے کبھی تشدد کی حمایت نہیں کی۔ ان کے نزدیک تشدد تو کمزوروں کا ہتھیار ہے اور وہ کمزور نہیں ہیں پھر وہ کمزور عملی منصوبہ کیوں کر بناتے"۔

"پھر تشدد کیوں کر بھڑک گیا؟"

"دراصل یہ ظالم وجابر برٹش حکومت کے بے تکے تشدد کا ردعمل تھا"۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دراصل دنیا کی موجودہ افراتفری اور تشدد کی وجہ سے یہ جنگ ہو رہی ہے۔ اور گورنمنٹ ہندوستان میں جنگ کی مرتکب ہے۔ جو تشدد پر مبنی ہے۔ اس کی بنیاد ہی ظلم وستم اور دولت پر مبنی ہے۔ اس میں کوئی عوامی مرضی اور صلح ومشورہ بالکل شامل نہیں ہے۔ لوگ اس چکی میں خواہ مخواہ پیسے جا رہے ہیں۔ جنگ ہو رہی ہے اور دنیا ان شعلوں کی زد میں ہے۔ اور ہر طرف انقلاب اور تغیرات نظر آ رہے ہیں۔ لیکن ہندوستانی عوام خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں اور انہیں اس میں حصہ لینے کی بھی ممانعت ہے۔ ہندوستان ایک خوددار اور باعزت ملک ہے۔ یہ مجبوری اور گھٹن کبھی برداشت نہیں کی جائے گی۔ دراصل اشتعال انگیزی اور بھڑکاؤ

www.urduchannel.in

حالات، گھٹن اور ذلت ورسوائی یہ سب برٹش گورنمنٹ کی چال ہے جس سے ہندوستان کی عظمت کم ہورہی ہے"۔

"اس مقدمہ سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

"اس بیان سے ہندوستانی انقلاب کے جواز کی وضاحت ہوتی ہے"۔

"جیسا کہ میں ایک ملزم ہوں اس لئے یہ میری ذمہ داری اور میرا حق ہے کہ میں تمام حقائق آپ کے روبرو رکھوں اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا حضور یہ آپ کے اختیار میں ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے یہاں غیر ضروری طور پر تشدد اور بے چارگی کا ماحول بنایا ہوا ہے۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ لوگوں کا ردعمل زیادہ تشدد آمیز اور خونخوار نہیں تھا۔ اگر گورنمنٹ چاہتی تو ایسے ماحول سے بچ سکتی تھی۔

برٹش گورنمنٹ نے بار ہا اعلان کیا کہ یہ لڑائی جمہوریت اور آزادی کے لئے ہے۔ ہمارے قائدین کہتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی گورنمنٹ کی مرہون منت ہے۔ سرکاری طور پر آخر اس کا اعلان کیوں نہیں کردیا جاتا؟

دنیا اس وقت برٹش حکومت کی بات پر بھروسہ کرے جب وہ ہندوستان کو آزاد کردے۔ پھر وہ خود دیکھیں گے کہ ہندوستان کندھے سے کندھا ملا کر ان کی طرف سے لڑیگا۔ اور اخلاقی ترازو ان کے حق میں جھکے گا۔ لیکن برٹش گورنمنٹ اس پر کوئی توجہ ہی نہیں دے رہی ہے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ ان کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں ان کے قول وفعل میں تضاد ہے۔ اور ان کی یہ حرکت خطرناک ہے۔ جولا حاصل ہے۔ ان کی یقین دہانیاں اور جنگی مقاصد بالکل فضول اور جھوٹے ہیں۔ ان پر اب کون بھروسہ کریگا؟"

www.urduchannel.in

حالات ناقابل برداشت ہی تھے۔ اور اسے بدلنا ضروری تھا۔ زیادہ انتظار ناممکن محسوس ہورہاتھا۔ ممکن ہے دوسرے صبر کرلیں لیکن گاندھی نہیں مان رہے تھے۔ دنیا میں ہر طرف تشدد کے مناظر اور خون ریزی دیکھ کران کی روح تڑپ گئی تھی۔ وہ محسوس کررہے تھے کہ اس طرح قتل عام اور بربادی سے انسانیت اور تہذیب مرجائے گی۔ دنیا کو اس ہلاکت سے بچاناضروری تھا۔ جنگ کا کوئی جواز نہیں ہے جبکہ خدا نے انسان کو صراط مستقیم دکھادیا ہے۔ اس لیے وہ عدم تشدد کی وکالت کرتے تھے گاندھی سوچتے تھے کہ وہ ہندوستان کے ہی خادم نہیں ہیں بلکہ ساری انسانیت کے خدمت گزار ہیں۔ جب تشدد کے شعلوں نے پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں دبوچ لیا ہے تو وقت آگیا ہے کہ عدم تشدد کا سبق دنیا کو پڑھایا جائے۔ گاندھی جی نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بمبئی اجلاس میں یہی کہا تھا۔ انہوں نے عدم تشدد کے مفاد کے لئے اپنی ساری توانائی جھونک دی تھی۔

یہی ان کی زندگی کا مقصد تھااور یہی ان کا دھرم تھا۔ وہ نہ صرف ہندوستان کو بچانا چاہتے تھے بلکہ ساری دنیاکی حفاظت ان کا مقصد تھا۔

آپ پوچھیں گے کہ اگر گاندھی امن کے اتنے بڑے پیغامبر تھے اور عدم تشدد کے مبلغ تھے تو پھر ہندوستان میں یہ تشدد کے واقعات کیوں کر رونما ہورہے تھے؟ پھر وہ اس تحریک کو کیوں نہیں روک پارہے تھے جس طرح کہ انہوں نے چَوری چَورہ کے معاملے میں کیا تھا۔ حالانکہ ان کی تحریک کے نتیجے میں تشدد کا ذمہ دار انہیں نہیں ٹھہرایا جاسکتا تھا۔

یہ غلط تصور تھا اور بے کار کی توجیہ تھی۔ گاندھی جی تشدد کے ذمہ دار کیونکر ہوسکتے تھے۔

برٹش گورنمنٹ تشدد کی باتیں کرتی تھی اور اس میں ملوث تھی۔ نفرت کا ماحول بناتی تھی

www.urduchannel.in

اور وہی اختلاف اور تنازعہ پیدا کرتی تھی اور لوگوں کو ورغلاتی تھی۔ پھر گاندھی کیسے اس کے ذمہ دار ہو سکتے تھے؟

اگر گورنمنٹ ان کے مشوروں کو مانتی اور عمل کرتی تب وہ اس کے ذمہ دار ہوتے۔ شاید وہ پورے حالات کو قابو میں کر لیتے۔ انہوں نے جنوبی افریقہ میں گورنمنٹ کی نئی بھرتی میں مدد کی تھی لیکن انہیں اس کا کیا انعام ملا؟ دھوکا۔ فریب۔ پھر وہ کسی بھی کام کے لئے کس طرح ذمہ دار ٹھہرائے جاسکتے ہیں؟ ان کے اثرات کی وجہ سے تشدد زیادہ نہیں پھیل سکا ورنہ نامعلوم کیا حالات ہوتے حالانکہ گورنمنٹ نے عوام کو مشتعل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

جانچ پڑتال سوال جواب کی شکل میں ہوئی۔ خاموشی کے وقفہ میں مجسٹریٹ نے تمام بیانات کو تحریری طور پر ریکارڈ کیا۔ پولس کا خیال تھا کہ یہ تمام باتیں غیر متعلق اور اصل موضوع سے ہٹ کر ہیں۔ کچھ پولس والے تو اکتاہٹ محسوس کر رہے تھے اور جمائی لے رہے تھے لیکن نوکری کی مجبوری تھی کہ انہیں وہاں حاضر رہنا تھا۔ کبھی کبھار وہ زنجیر بھی ہلا دیتے تھے۔

اچانک مجسٹریٹ پوچھ بیٹھا، "تحریک میں حصہ لینے سے تمہیں کیا ملنے کی امید تھی؟"

"وطن عزیز کی آزادی"۔

"آزادی سے تمھارا کیا مطلب ہے؟"

"برٹش حکومت سے مکمل چھٹکارا"۔

"تمھارا مطلب ہے کہ تم برٹش گورنمنٹ کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے؟"

"جی ہاں جناب"۔

پولس والوں میں اچانک دلچسپی کی لہر دوڑ گئی۔

www.urduchannel.in

ہتھکڑیاں پھر سے جھنجھنا اٹھیں۔ اس مرتبہ کچھ زیادہ ہی زور سے بج رہی تھیں۔

"کسی بھی طرح سے؟"

"جی! کسی بھی طرح سے! جہاں تک آزادی حاصل کرنے کا سوال ہے!"۔

"تشدد کے ذریعے بھی"۔

"جی حضور عالی! اگر وہ ناگزیر ہو یعنی اس کے سوائے کوئی چارہ نہ ہو تو!"

کیا یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ نے اپنی آزادی تشدد کے ذریعے نہیں جیتی تھی؟

آئرلینڈ نے اپنی آزادی کس طرح حاصل کی تھی؟ مسلح بغاوت کے ذریعے ہی نا؟

آج برٹش گورنمنٹ ان آزاد ملکوں کے پرچم کو سلام کرتی ہے۔ غلامی کے خاتمے کے لیے تشدد بھی ضروری ہے۔

"کیا تم تشدد پر یقین رکھتے ہو؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر امریکہ اور آئرلینڈ نے اپنی آزادی تشدد کے راستے سے حاصل کی اس میں کچھ بھی غلط نہیں تھا"۔

"پھر کیا تمھارا کہنا ہے کہ اگر ہندوستان آزادی حاصل کرنے کے لئے تشدد کے راستے پر چلتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؟" کورٹ نے پوچھا۔

"ہندوستان، امریکہ اور آئرلینڈ کی تقلید کیوں کرے۔ ان کے پاس کوئی گاندھی نہیں تھا کہ وہ ان کی رہنمائی کرتے لیکن ہندوستان میں گاندھی جیسی شخصیت موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا عدم تشدد کا راستہ تشدد سے ہزار گنا طاقت ور ہے"۔

"واقعی؟"

دو پولس انسپکٹر جو کھڑکی سے لگ کر کھڑے تھے یہ سب باتیں بڑے غور سے سن رہے

www.urduchannel.in

تھے۔

"مجھے گاندھی جی کے طریقۂ زندگی پر مکمل اعتماد ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان عدم تشدد کے ذریعے ہی مکمل آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ لوگوں کی سوچ سے بھی جلدی۔ ہندوستان ایک قدیم ملک ہے اور اسے روحانیت اور گیان پر مکمل اور پکا یقین ہے۔ اس ملک نے دنیا کو زندگی گذارنے کا طریقہ بتایا۔ یہ محض فلاسفی نہیں ہے بلکہ ایک ایسا گیان ہے جس میں عمل کی طاقت ہے۔ روحانیت سے کسی کو مفر نہیں ہے"۔

"ہندوستان مثبت سوچ وفکر کا حامل ملک ہے۔ یہاں کے باشندے روحانیت کی فتح کو اصل کامیابی مانتے ہیں۔ وہ زندگی کی اعلیٰ قدروں پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عدم تشدد ان کے خمیر میں شامل ہے۔ یہی روحانیت کی اصل طاقت ہے۔ ایسے حالات میں عدم تشدد معجزاتی انداز میں تشدد سے آگے بڑھ کر کام کر سکتا ہے جبکہ تشدد مزید تشدد پیدا کرتا ہے اور انسانیت ایسے بُرے ماحول میں پھنس جاتی ہے جہاں بھاگنے کے سارے راستے مسدود نظر آتے ہیں اور بچاؤ کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ گناہ اور برائی کا حلقہ اس وقت کم ہو سکتا ہے جب ہم غصہ پر رحمدلی سے قابو حاصل کریں، نفرت کو محبت سے زیر کریں تشدد کو عدم تشدد سے شکست دیں۔ اور یہ سب اسی وقت ممکن ہے کہ ہم اپنی روح کو پہچانیں۔ ظلم وتشدد سے انسان کے مسائل حل نہیں کیے جاسکتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لاحاصل اور بالکل فضول چیز ہے جو ہمارے لئے پریشانیوں اور مصیبتوں کا باعث ثابت ہوتی ہے"۔

"عدم تشدد طاقتور اور انتہائی موثر ہتھیار ہے۔ ہر بے کار چیز کو سونے میں تبدیل کر دینے والے اس جادوئی پتھر کی دریافت کے بعد ہندوستان سراب کے پیچھے کیوں بھاگے؟ پھر ہندوستان کو تشدد کے راستے پر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے"۔

www.urduchannel.in

مجسٹریٹ نے بیان نوٹ کر لیا جبکہ پولس والے مضطرب اور بے چین تھے۔ معاملہ حل ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ ان کے نوکیلے جوتوں سے پتھریلی فرش پر دراڑ پڑ رہی تھی۔

اچانک مجسٹریٹ نے پوچھا: "کیا تم کانگریس کے اجلاس میں شرکت کرنے بمبئی گئے تھے؟"

"جی ہاں سر!"

"پھر؟"

"پھر کیا سر؟"

"کیا تم نے قائدین کی تقاریر سنی تھیں؟"

"جی ہاں سر، اسی کے لئے میں گیا تھا"۔

کیا قائدین کی گرفتاری کے بعد تشدد بھڑک اٹھا تھا اور ہر طرف لوٹ کھسوٹ اور فتنہ فساد برپا تھا؟

"کیا تمہیں اس کا علم ہے؟"

"جی ہاں سر! میں نے اس کے متعلق سنا تھا"۔

"کیا تم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟"

"یہ میں کیسے کر سکتا تھا؟ بمبئی ایک بڑا شہر ہے۔ میں ایک وقت میں ہر جگہ کیسے رہ سکتا تھا"۔

"پھر تمہیں کس طرح ان حادثات کا علم ہوا؟"

"میں نے ان کے متعلق اخبارات میں پڑھا تھا۔ لوگ آپس میں اس کے متعلق باتیں بھی کر رہے تھے"۔

www.urduchannel.in

"کیا تم کوئی بلیٹن بمبئی سے لائے تھے؟"

"جی ہاں سر!"

"کہاں لے گئے تھے؟"

"یہاں ناگپور میں"

"تم نے اس کا کیا کیا؟"

"میں نے اسے تقسیم کر دیا"۔

"کہاں؟"

"دور دور تک جتنا ممکن ہو سکا"۔

"کیا گھوگھری تک بھی پہنچایا؟"

"ہو سکتا ہے"۔

"کیا تم قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے؟ جس دن گھوگھری میں قتل ہوا اور آگ زنی کی واردات ہوئی کیا تم وہاں تھے؟"

"جی ہاں! لیکن میں ان واقعات سے پہلے ہی گھوگھری سے نکل گیا تھا"۔

"لوگوں کو تشدد پر بھڑکانے کے بعد؟"

"نہیں سر، لوگوں کو تلقین کرنے کے بعد"۔

"تمھارا اس سے کیا مطلب ہے؟"

"گھوگھری اور اس کے اطراف کے لوگ مشتعل اور غصہ میں تھے بابا مانو داس کی گرفتاری اور آم گاؤں میں پولس فائرنگ میں فاگو کی شہادت سے لوگ بھڑک گئے تھے۔ ماحول اس قدر کشیدہ اور مخدوش تھا کہ وہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے وہاں کے لیڈروں اور

www.urduchannel.in

سرکردہ لوگوں کو سمجھایا، صبر کی تلقین کی اور انہیں تشدد سے باز رہنے کو کہا اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے میری بات مان بھی لی تھی"۔

"کیا تم نے وہاں کوئی بلیٹن تقسیم کیا تھا؟"

"نہیں سر!"

"پھر یہ سرخ ہینڈ بل وہاں کیسے پہنچے؟"

"مجھے کیا پتہ! میں جو بلیٹن بمبئی سے لایا تھا وہ سفید تھا"۔

"لیکن گواہوں کا کہنا ہے کہ تم گھوگھری گئے تھے تبھی یہ ہنڈ بل تقسیم ہوئے؟"

"یہ سچ نہیں ہے"۔

(پولس والے پھر تذبذب میں تھے اور یہ تو ہونا ہی تھا کیونکہ اب وہ نشانے پر تھے)

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟" مجسٹریٹ نے سوال کیا۔

"گواہوں میں سے ایک نے کہا تھا کہ حادثے والے دن صبح میں گھوگھری میں تھا اور دوسرا گواہ کہتا تھا کہ یہ ہینڈ بل حادثے کے بعد اسے ملے۔ لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ سرخ ہنڈ بل میرے پاس تھے اور میں نے اسے لوگوں میں تقسیم کیا"۔

"کیا تم اس بات پر کوئی گواہ پیش کرنا چاہتے ہو؟"

"میں کیوں کروں؟ پولس نے مجھ پر الزام لگایا۔ یہ ان کا کام ہے کہ انہوں نے جو کہانی بنائی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے ایسا ثبوت پیش کریں اور گواہ لائیں جو رد نہ ہونے پائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو استغاثہ کے پاس مقدمہ چلانے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے"۔

پھر سے پولس میں کھلبلی مچ گئی۔ کچھ توقف کے بعد مجسٹریٹ نے کہا۔

"اگر تم یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تمھارے پاس صرف سفید ہینڈ بل تھے اور گھوگھری

www.urduchannel.in

میں سرخ ہینڈ بل تم نے تقسیم نہیں کئے، کوئی گواہ یا ثبوت ہو تو پیش کرو، اس سے تمھارے کیس کو تمھارے حق میں تقویت ملے گی"۔

"حق کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگرچہ میں اسے ثابت نہیں کرتا پھر بھی میں جانتا ہوں کہ یہ سچ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ جھوٹ کو ہمیشہ سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بغیر حیلہ اور مکاری کے ایک انچ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ لیکن سچ کو آنچ نہیں یہ ہمیشہ منوّر اور روشن رہتا ہے"۔

"اگر تم نے سرخ ہینڈ بل تقسیم نہیں کیے تو پھر گھوگھری کے لوگ کیوں باغی ہوئے؟"

"دراصل فاگو نامی کسان کی موت ان کے اشتعال کی اصل وجہ تھی۔ اسی طرح باباماناوداس جن کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں تھا گرفتار کر لیے گئے۔ اور سرکل انسپکٹر لالہ بابو رام نے بلاوجہ فائرنگ کی جس کی وجہ سے ایک عورت مر گئی۔ حضور اعلیٰ! آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں مذہب اور خواتین کی کتنی عزت کی جاتی ہے۔ لوگوں کا ماننا ہے کہ بھگوان وہیں رہتے ہیں جہاں عورتیں پوجا کرتی ہیں۔ فاگو سیدھا سادا خدا ترس نوجوان تھا جس کو سیاست سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ وہ بیوہ بوڑھی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کا کیا گناہ تھا کہ اس بڑھاپے میں اس کا جوان بیٹا اس سے چھین لیا گیا؟ باباماناوداس اس علاقے میں عزت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ خدا رسیدہ بزرگ ہیں لوگ ان کو بھگوان کی طرح مانتے تھے۔ انہیں کیوں کر گرفتار کیا گیا؟ اور وہ عورت، اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ ماں بھاگوتی کی اوتار تھی۔ اسے دن کے اجالے میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پولس والوں نے یہ کس قسم کی بہادری اور جوانمردی دکھائی تھی؟ اگر ایسے سنگین اشتعال انگیزی کے خلاف لوگوں نے اپنا آپا کھو دیا تو کیا ہم انہیں موردِ الزام ٹھہرا سکتے ہیں؟ ان حالات میں تو کوئی بھی شخص نیچے نہیں بیٹھ سکتا تھا وہ بھی تو

www.urduchannel.in

مٹی کا پتلا ہیں۔ اگر گورنمنٹ صبر نہیں کر سکتی، پاگل پن اور غیر ذمہ دارانہ حرکت کا مظاہرہ کرے گی اس کا نتیجہ کیا ہوگا! کیا ملک میں افراتفری نہیں مچے گی، اور قانون کی دھجیاں نہیں اڑے گی۔ گورنمنٹ اس بنیادی بات کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہے"۔

"گھوگھری میں جو سانحہ ہوا اگر اس کا کوئی ذمہ دار تھا تو وہ پولس ہی تھی"۔

"سر! ہم اس بیان کی سخت مذمت کرتے ہیں"، ایک بے باک آفیسر زور سے چلایا۔

"بالکل غلط، سراسر غلط!" دوسرے پولس والے منہ ہی منہ بڑبڑانے لگے۔

"آرڈر! آرڈر!" مجسٹریٹ نے زور سے کہا۔

ابھئے کمار اس بے جا دخل اندازی کے درمیان خاموش کھڑا تھا۔

"سر! میں ان پولس والوں کی غیر ذمہ دارانہ حرکت سے حیرت زدہ ہوں۔ میں تو ملزم ہوں لیکن ان کی حرکتوں سے یوں محسوس ہو رہا ہے گویا یہ مجرم اور خاطی ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں حضور عالی! کیا میں نے اپنی دفاع میں جو کچھ کہا وہ درست ہے۔ اگر نہیں تو میں اس کاروائی میں حصہ لینا نہیں چاہتا"، یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔

کورٹ میں ہلچل مچ گئی۔ گورنمنٹ کا نمائندہ مصیبت میں پھنس گیا۔ وہ گھبرا گیا۔

دوسرے مشیر جو ڈفینس کمیٹی کی نمائندگی کر رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ ملزم کو اپنی دفاع میں بات رکھنے کا پورا حق حاصل ہے۔

کورٹ نے فیصلہ سنایا کہ ملزم کو اپنے دفاع میں بیان دینے کا پورا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ کورٹ کو اختیار ہے کہ اس کا تجزیہ کرے اور جس کو قبول کرنا چاہے اسے قبول کرے اور جس کو خارج کرنا چاہے خارج کر دے۔ لیکن ملزم کے بیان دینے پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔

"شکریہ حضور عالی!" ابھئے کمار نے کہا۔ "اگر مجھے یہ حق حاصل ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ

www.urduchannel.in

گھوگھری کے واقعات کے بنیادی ذمہ دار پولس والے ہی ہیں۔ اگر کسی کو پھانسی دی جانی چاہئے تو یہی پولس اور آفیسرز کو دی جانی چاہئے جنہوں نے ان کو ورغلایا"۔

یہ بیان تو گویا بم کا کام کر گیا۔ پولس آفیسرز غصہ سے لال پیلے ہو گئے۔

وہ ابھئے کی طرف ایسی خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے گویا اگر وہ کورٹ کی حراست میں نہ ہوتے تو مار مار کر اس کا قیمہ بنا دیتے جو کچھ اس نے کہا رپورٹر لفظ بہ لفظ لکھ رہے تھے۔

"پولس والوں کے الزامات آپ کے خلاف لگے ہیں۔ یہ تمام باتیں کہنے کا تمھارا کیا مقصد ہے"، مجسٹریٹ نے نرمی سے کہا۔

"سر! مجھے معلوم ہے کہ میرے خلاف الزامات عائد کئے گئے ہیں لیکن یہ قتل کا مقدمہ ہے۔ جو بڑا سنگین الزام ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کی قتل کی وجوہات کیا تھیں۔ اس کے بعد ہی ہم قطعی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس کا ذمہ دار کون تھا۔ اسی وجہ سے میں نے پولس پر انگلی اٹھائی۔ حضور آپ کی خدمت میں سارے حقائق رکھ دیئے گئے ہیں تاکہ آپ صحیح فیصلہ کر سکیں۔ پولس کا مجھ پر الزام ہے کہ میں ذمہ دار ہوں بلاواسطہ یا بھڑکانے کے ذریعے جس کے نتیجے میں گھوگھری میں دو قتل ہوئے۔ ان قتل کا ذمہ دار کون ہو سکتا ہے۔ ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ سب اسی وقت ہوا جب پولس نے اشتعال دلایا تب ہی یہ سانحہ ہوا۔ پولس کے پاس اس کا کیا جواز ہے کہ انہوں نے نہتّی عورتوں پر گولیاں برسائیں اور ایک عورت کو نشانہ بنایا اور اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اگر واقعی انصاف کرنا ہے تو میرے ساتھ ساتھ پولیس پر بھی مقدمہ چلایا جائے"۔

"کیا بکواس ہے!" پولس والوں کے حلقے میں سے کوئی بڑبڑایا۔

مجسٹریٹ بڑے تذبذب میں پھنس گیا "آج کے لئے بس اتنا ہی، کورٹ کل تک کے

www.urduchannel.in

لئے برخاست کیا جاتا ہے۔"

"کل ہم ملزم سے مزید پوچھ تاچھ کریں گے"۔

ابھئے کو جیل کی کوٹھری تک لایا گیا۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا پولس والے اسے گھور کے دیکھ رہے تھے جیسے اسے نگل ہی جائیں گے۔

اس شام پولس نے گورنمنٹ کو خفیہ سفارشات پیش کیں جس میں کہا گیا تھا کہ چونکہ ملزم ابھئے کمار مجسٹریٹ چودھری کے بیٹے کو ٹیوشن پڑھاتے تھے اس لیے ملزم کو کچھ رعایت دی گئی تھی جس کی وجہ سے پولس کے وقار اور عزت کو نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے شفارش کی جاتی ہے کہ مناسب ایکشن لیا جائے۔

www.urduchannel.in

باب(۴۴)

مجسٹریٹ چودھری کورٹ سے اپنے گھر پہنچے تو ان کی بیوی نے پوچھا ''ابھئے کے دفاعی معاملات کیسے رہے۔''

''سب ٹھیک تو دکھتا ہے، لیکن پولس ذرا تذبذب میں ہے کیونکہ بعض باتوں سے ان کی دل آزاری ہوئی تھی''۔

''ان کی دل آزاری ہوئی تو اس سے کیا؟ فیصلہ تو آپ کے اختیار میں ہے''۔

''ہاں ٹھیک ہے لیکن اگر پولس کی دل آزاری ہوئی ہے تو وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ گورنمنٹ پر زبردست اثر رکھتے ہیں''۔

''اچھا وہ جسے چاہیں گے گولیوں سے بھون دیں گے۔ لیکن آپ مجسٹریٹ ہیں، یاد رکھیئے آپ کسی معصوم شخص کو پھانسی کی سزا نہیں دے سکتے''۔

مسٹر چودھری خاموش ہی رہے۔

''اچھا تم کچھ بول کیوں نہیں رہے ہو؟ کیا تمہیں ابھئے کے خلاف شواہد ملے ہیں؟''

مسز چودھری مسلسل بولے جا رہی تھیں۔

''نہیں، اب تک تو کوئی ثبوت نہیں ملے ہیں۔ لیکن کچھ نہیں کہہ سکتے کہ پولس کیا کرے گی''۔

''وہ جو چاہیں کریں۔ مگر آپ کے حکم سے پھانسی دی گئی تو میں کیسے خاموش رہ سکتی ہوں؟''

''کیا تم اپنے بیٹے کو موت کی سزا دے سکتے ہو؟''

www.urduchannel.in

"اوہ تم یہ کیا بات لے کر بیٹھ گئی ہو؟"

"میں تمہیں ایسا گناہ کرنے نہیں دوں گی۔ اگر اس سے کوئی خطا ہوئی ہے اور آپ اس سے اتفاق رکھتے ہیں تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن قرائنی شواہد کی بنیاد پر آپ اسے پھانسی نہیں دے سکتے۔ وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ سیدھا سادھا جیسے بھیڑ کا بچہ۔ آپ اتنے سنگ دل کیسے ہوسکتے ہو کہ اسے تختہ دار پر پہنچادیں گے۔ نہیں میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دوں گی۔ میں اپنے بھگوان کو کیا جواب دوں گی۔ اگر آپ اپنے اعلیٰ افسروں کو خوش ہی کرنا چاہتے ہو تو اسے پانچ یا سات سال کے لئے جیل بھیج دیجئے۔ لیکن آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ آپ اس کا گھر اجاڑ دیں۔ اگر آپ اپنے ضمیر کو مارنا ہی چاہتے ہیں تو آپ کی ایسی نوکری بھاڑ میں جائے!"

بیوی کی جھک جھک سے مجسٹریٹ صاحب سہم سے گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کے پاس کوئی خدا کی طاقت آگئی ہو جو شر کو ختم کرکے ہی دم لے گی۔ وہ اپنی بیوی کو خوب جانتے تھے۔ ان کی شادی کو پچیس برس گذر چکے تھے اس نے کبھی ان کے معاملے میں آج تک دخل اندازی نہیں کی۔ وہ روایتی قسم کی خاتون تھی جو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور اسے اپنا مجازی خدا مانتی تھی۔ اس کا زیادہ وقت گھر کے کام کاج میں بیتتا تھا یا کوئی مقدس کتاب کے مطالعہ میں۔ حالانکہ وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھی پھر بھی گیتا رامائن اور بھاگوت کو تفسیر کے ساتھ پڑھ لیتی تھی۔ اس کے پاس وقت تھا نہ ہی اس کو اخبار پڑھنے یا کوئی دوسری کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔

اس کو اس کی بھی پرواہ نہیں رہتی تھی کہ اس کے شوہر کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک سگھڑ خاتون کی طرح ان کا پورا خیال رکھتی تھی اور انہیں مکمل آرام پہنچانے کی کوشش کرتی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ دونوں میں نظریاتی اختلاف ہوا ہو۔ لیکن کبھی جب اس کے مذہبی جذبات کو

www.urduchannel.in

ٹھیس پہنچتی تھی تو پھر وہ آگ بگولہ ہوجاتی تھی اس وقت اس کے شوہر نرم پڑجاتے تھے۔ اپنی بیوی کے اس مزاج اور اس پہلو سے اکثر وہ فکر مند رہتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اس نے اپنی کوئی رائے قائم کرلی تو پھر اس کا فیصلہ چٹان کی طرح اٹل رہتا ہے۔

ابھئے کے معاملہ میں کچھ اس طرح کے حالات بن گئے تھے۔ اسی وجہ سے چودھری صاحب زیادہ فکر مند تھے۔ ٹنشن تو دونوں کے درمیان اسی وقت سے شروع ہوگیا تھا جب چودھری صاحب کا ابھئے کے کیس میں اسپیشل مجسٹریٹ کی حیثیت سے تقرر ہوا تھا۔ مسز چودھری چاہتی تھیں کہ یہ کیس کسی اور مجسٹریٹ کی طرف منتقل ہوجائے۔ اگر ان کے شوہر یہ کیس لیں گے تو اس کا یہ مطالبہ ضرور رہے گا کہ چودھری صاحب ایسا کچھ کام نہ کریں جو ان کے ضمیر کے خلاف ہو۔ چودھری صاحب ذمہ داری سے بھاگنا نہیں چاہتے تھے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ گورنمنٹ کی نگاہ میں ان کی عزت خراب نہ ہو یا انہیں کوئی بزدل اور ڈیوٹی میں بہانے بازی کرنے والا نہ سمجھے۔ موجودہ حالات میں یہ سخت قسم کی تہمت اور الزام سمجھا جائے گا۔ ان تمام باتوں کے مدنظر انہوں نے یہ کیس لینا قبول کرلیا۔ ان کی بیوی ہر شام ان سے اس کیس کے متعلق پوچھتی رہتی تھی۔ اور اپنی عقل سلیم سے اسے سمجھنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

چودھری صاحب کی بیوی یہ جان کر بہت خوش تھی کہ ابھئے کے بیانات اطمینان بخش تھے اور اب تک اس کے قصور کا کوئی پختہ ثبوت بھی نہیں مل سکا تھا۔ اسے پورا بھروسہ تھا کہ بھگوان اس کی ضرور سنے گا۔ اس کی خوشی سے اس کی تصدیق ہورہی تھی۔ اس نے اپنی ملازمہ سے کہا۔

"چولہا جلاؤ اور گرم گرم پوری بناؤ، تازہ گھی آج ہی دکان سے آیا ہے، صاحب تھکے ہوئے ہیں"۔

www.urduchannel.in

مجسٹریٹ صاحب اندر ہی اندر مسکرا رہے تھے۔ وہ تو کئی مرتبہ تھک کر آتے تھے اور تازہ گھی بھی آتا تھا اور ڈبہ بھرا بھی رہتا تھا۔ لیکن پوری کبھی نہیں بنتی تھی۔

جب وہ رات کا کھانا کھا چکے اور سونے کے لئے بستر پر جا رہے تھے تب ہی ایک چپراسی نے یہ اطلاع دی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انہیں فوراً طلب کیا ہے۔

www.urduchannel.in

باب(۴۵)

چودھری صاحب رات کو تقریباً گیارہ بجے گھر لوٹے تو ان کی اہلیہ ان کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ پسینہ میں نہائے ہوئے تھے اور بہت ہی مایوس اور بد حواس لگ رہے تھے۔ انہوں نے اپنا ڈریس اتارا اور ٹائی نکالی اور فوراً بیت الخلا کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ بالکل گم صم لگ رہے تھے۔ ان کی بیوی کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر کیا غلط ہو گیا۔

جب وہ اپنے بستر پر لیٹے تھے تو بیوی نے پوچھا، ''کیا ہوا ہے آخر؟''

پہلے تو وہ بات کو ٹال رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''یہ آفس کا معاملہ ہے اور اسے راز میں ہی رہنا چاہئے''۔

''آپ کے اور میرے درمیان کوئی بات راز میں کیسے رہ سکتی ہے؟ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اگر آپ کو کوئی فکر لاحق ہے تو مجھے بتاؤ شاید میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکوں۔ آپ اکیلے سارا بوجھ اٹھانے کی فکر کیوں کرتے ہو''۔

اس نے شوہر کا سر اپنی گود میں لیا اور اس پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی۔

کچھ دیر بعد مجسٹریٹ نے اس سے کہا کہ ''پولس نے اسی کے خلاف شکایت درج کرائی ہے کہ اس نے ملزم ابھئے کمار کو جرح کے دوران خوامخواہ زیادہ چھوٹ دے رکھی تھی اور اجازت دی تھی کہ وہ سب کچھ کہے تاکہ بعد میں وہ اخباروں میں شائع ہو۔ جس سے گورنمنٹ کا نام اور وقار مجروح ہو اور ساتھ ہی پولس کی امیج خراب ہو۔ پولس والوں نے یہ بھی سجھایا کہ ملزم کے ساتھ نرم رویہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ملزم مجسٹریٹ صاحب کے بیٹے کو ٹیوشن پڑھاتا تھا۔ جس کی وجہ سے بیٹا بھی گورنمنٹ کے خلاف احتجاجی جلوس میں شریک ہوا تھا۔

www.urduchannel.in

اس کا مطلب تھا کہ مجسٹریٹ صاحب کمزور اور قوت فیصلہ سے عاری تھے۔ گورنمنٹ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ ان کے وفادار ملازم کے گھر سے بھی بغاوت کے سر نکلیں گے۔ گورنمنٹ کو مجسٹریٹ سے مکمل اور بلاشبہ وفاداری کی توقع تھی۔ جنگ اور بغاوت کی وجہ سے گورنمنٹ پر سخت دباؤ تھا اس لئے ان کی اس بات پر کڑی نگرانی تھی کہ کونسا آفیسر ایسے پر آشوب اور آزمائشی دور میں ان کا وفادار ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی آفیسر گورنمنٹ سے وفاداری کرتا تھا تو اس کی خدمات کا اعتراف سروس میں ترقی دے کر اور خطابات سے نواز کر کیا جاتا تھا۔ لیکن اگر کسی نے کمزوری دکھائی اور ان سے غداری اور بے ایمانی کی تو ایسے شخص کو نہ صرف نوکری سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا بلکہ اسے سزا بھی بھگتنی پڑتی تھی۔ باغیوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ ان کے ساتھ سختی اور بے دردی کے ساتھ نپٹا جاتا تھا اس لئے کسی کی بھی جرأت نہیں تھی کہ گورنمنٹ کے خلاف ذرا بھی چوں کرے"۔

"کیا تمھاری سمجھ میں آیا؟" یہ کہتے ہوئے گورے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اپنی مٹھی ٹیبل پر اس زور سے ماری کہ اس پر رکھی تمام چیزیں ہلنے لگیں یہاں تک کہ کالا ریوالور بھی ہل گیا۔ چودھری صاحب کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

ایسے وقت میں مجسٹریٹ اگر ذرا بھی رعایت اور کمزوری دکھاتا تو گورنمنٹ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اسے سروس سے برطرف کیا جاتا اور اس کے خلاف انکوائری شروع کر دی جاتی۔

"کیا تمھاری سمجھ میں آیا؟" پھر اس نے مٹھی ٹیبل پر زور سے ماری اور پھر سے فضا میں سامان ہلنے کی آواز گونجنے لگیں۔ پھر اس نے کہا، "کیا تم کچھ سمجھے؟ چودھری! میں ایک بار تمھارے خیالات جاننا چاہتا ہوں"۔

www.urduchannel.in

"تم اس پر سوچو میں ایک منٹ میں آتا ہوں"۔ اس نے اپنے آفس کا دروازہ کھولا اور تحکمانہ انداز میں چپراسی سے یہ کہتے کہ، "صاحب یہاں تشریف رکھتے ہیں ان کا خیال رکھنا"۔ باہر نکل گیا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ دوسرے آفس چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو پہلے سے بھی زیادہ اس کا چہرہ تمتمارہا تھا۔ یقیناً اس نے شراب پی رکھی تھی۔

"تم نے کیا فیصلہ کیا چودھری"۔

"سر! میں حکومت کا وفادار ملازم ہوں۔ جب تک میں سروس میں ہوں، یہ میرا فرض ہے گورنمنٹ کے احکامات پر کاربند رہوں"۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا، "شاباش! اچھے آفیسر ایسا ہی کہتے ہیں" اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے کہا "میں نے پولس کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ تمھاری فکر نہ کریں"۔

اس کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بڑا شیریں گفتار ہو گیا اور چودھری صاحب کے ساتھ راز درانہ انداز میں گفتگو کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ ڈپٹی کمشنر کی پوسٹ ضلع میں خالی پڑی ہے۔ اور وہ وفادار ہندوستانی سے اسے پُر کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ چودھری کا نام اس پوسٹ کے لئے نامزد کیا جائے۔ لیکن ایک شرط ہے کہ تم ابھئے کمار کا مقدمہ جلد سے جلد نمٹاؤ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تمھاری نامزدگی میں تمھارا بیٹا بھی روڑا ثابت ہو! کیونکہ ابھئے کی سرپرستی میں اس کے تیور باغیانہ ہو گئے تھے اور وہ بار بار گورنمنٹ کے خلاف احتجاجی جلوس میں شریک ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں کہ تمھارا انتخاب نہ ہو۔ صحیح تعاون سے بھی تمھاری ترقی ممکن ہے۔

جیسے ہی چودھری صاحب جانے کے لئے کھڑے ہوئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انہیں یاد دلایا اور کہا "مجھے امید ہے کہ تم حالات کی نزاکت کو سمجھ گئے ہو گے"۔

www.urduchannel.in

چودھری صاحب کھڑے ہوگئے اور کہا ”جی ہاں سر!“

چودھری صاحب نے گھر جانے کے لئے جیسے ہی سائیکل اٹھائی ان کے ہاتھ کانپنے لگے اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

ان کا پورا جسم پسینے میں نہا گیا۔ چکر آنے لگا۔

www.urduchannel.in

باب(۴۶)

تمام تصدیق کے بعد جب ابھئے کمار کو قید خانے میں لایا گیا تو وہ اطمینان و خوشی محسوس کر رہا تھا۔ ایسی شادمانی اسے عرصے سے میسر نہیں آئی تھی۔ اس نے کورٹ میں جن خیالات اور تاثرات کا اظہار کیا تھا بہت دیر سے اس کی طبیعت پر اس کا بوجھ تھا۔ اب آخر سارا غبار نکل گیا۔ اب وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے سینے سے ایک بڑا بوجھ کم ہو گیا ہو۔

جب خوف، حرص و ہوس، جھوٹ اور فریب نے ماحول کو پراگندہ کر دیا ہو اور اخلاقی قدریں زوال پذیر ہوں، سچائی کی آواز ایسی کمزور پڑ گئی ہو کہ صدا بصحرا ثابت ہونے لگے اور جس پر کوئی متوجہ نہ ہو تو وقت آئے گا جب خیالی پلاؤ کا محل ڈھیر ہو جائے گا اور سچائی کی آواز غالب ہو کر رہے گی۔ سچ پہلے سے زیادہ طاقتور اور قابل فخر ثابت ہو گا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گولگوتھا کے وحشیوں نے صلیب پر چڑھا دیا تھا تو ان کے الفاظ تھے۔

?Eli, Eli, Lama Sabachthani

”میرے خدا میرے خدا، تو نے مجھے اتنی جلدی کیوں چھوڑ دیا؟

کسی نے یہ الفاظ نہیں سنے خدا نے اسے سن لیا۔ لیکن اب وہ چیخ دنیا کے آخری کونے تک پہنچ چکی تھی۔ دکھ درد کی یہ آواز دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچ چکی تھی اور صدیوں سے لاکھوں کروڑوں مرد و زن کے لیے درد و غم کی چیخ بن چکی تھی۔

بغل والے قید خانے کا مجرم جس کا فیصلہ ہونا ہنوز باقی تھا اس نے ابھئے کو بلایا اور کہا، کیا تمہیں رِہا کر دیا گیا ہے۔ ابھئے۔

نہیں، مگر مجھے نجات مل گئی ہے۔ ایک بڑے بوجھ سے۔

www.urduchannel.in

قیدی ابھئے کی بات نہیں سمجھ سکا اور ابھئے کی خوشی اس کی سمجھ سے پرے تھی لیکن ابھئے سزائے موت کے باوجود مسکرا رہا تھا۔

جب ابھئے اپنے کھردرے بستر پر دراز ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ اب اس قید خانے کی ساٹھ اسکوئر فٹ کی زمین کا وہ خود مالک ہے اور اب کوئی اس کے سکون کو برباد نہیں کر سکتا۔ آخر انسان کی خوشی کا انحصار کس بات پر ہوتا ہے؟ دولت پر، شان و شوکت پر، بلند و بالا عمارت پر اور شاندار کار پر، یہی نا۔ لیکن سچائی یہ نہیں ہے بلکہ اس کا پورا انحصار زندگی کے متعلق اس کے رویے پر ہوتا ہے قناعت کے جذبے پر ہوتا ہے۔ جب تک انسان پیدا نہیں ہوتا ہے ماں کے رحم میں اسے صرف چھ یا سات انچ کی جگہ کی حاجت ہوتی ہے۔ اور جب اسے موت آتی ہے تو دفن کے لئے اسے صرف چھ یا سات فٹ کی جگہ کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہندو رسم و رواج کے مطابق اس کا انتم سنسکار کیا جاتا ہے تو آگ اسے جلا کر راکھ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ زندگی کی پوری جدوجہد چھ انچ جگہ کو چھ فٹ جگہ تک طول دینے کے لیے ہے۔ ابھئے ساٹھ فٹ زمین کا مالک تھا جس کو کوئی چیلنج بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ مغموم کیوں رہے اور شکوہ کیوں کرے؟

اور یہ جیل خانہ، بھورے رنگ کے پتھروں کی دیوار اور گہرے رنگ کی لوہے کی سلاخوں سے گھرا ہوا تھا جتنا سرد اور خوفزدہ یہ باہر سے نظر آتا ہے، اندر سے یہ اتنا ہی مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔

اسی نے بھگوان کرشنا کو جنم دیا، اسی نے ان شیوں، دیش بھگتوں، اور سچ کے متوالوں کو پناہ دی جو اپنے عہد کے شرپسندوں سے ہمیشہ لوہا لیتے رہے۔ علاقوں اور ملکوں میں جب ظالم و بدکار لوگ سماج اور حکومت پر زبردستی قبضہ کر لیتے ہیں، ایسے وقت میں اچھے اور نیک لوگوں

www.urduchannel.in

کو پناہ کون دیتا ہے اور ان کی طاقت کو کون چیلینج کرتا ہے ؟

او جیل خانے او عظیم جیل خانے !تم ہی بنی نوع انسان کو بیدار کرنے والے تلاطم اور انقلابوں کی جائے پیدائش ہو۔

ماں کی ممتا کی طرح تم ہی دنیا کے مظلوموں کے لئے امن و آشتی کی پناہ گاہ ہو۔ اگر تم نے ابھئے کمار کو پناہ نہ دی ہوتی تو وہ ست پڑا کے جنگلوں میں لاوارث جانوروں کی طرح بھٹکتا رہتا اور شکاری خون کے لئے اس کا تعاقب کرتے رہتے۔ یہ تم ہی ہو جس نے ان کے زہر آلود تیروں سے اس کی حفاظت کی۔ تم اس کے لئے ایک مقدس اور پاک مندر سے کم نہیں ہو۔

www.urduchannel.in

باب(۴۷)

مقامی اخباروں نے دوسرے دن ابھئے کے بیانات کو شہہ سرخیوں میں شائع کیا۔ اس کی بے باکی بے خوفی اور صاف گوئی اور واضح خیالات کی بڑے پیمانے پر ستائش کی گئی۔ سیاسی قیدیوں میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا۔ انہیں فخر وناز تھا کہ ان کے درمیان کوئی تو ہے جس نے بہادری اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔ باہر لوگ زبردست ہیجان محسوس کررہے تھے۔ گاندھی جی نے مٹی کے انسان میں کیسی جان ڈال دی تھی ابھئے اس کی زندہ مثال بن گیا تھا۔

کورٹ نے فوراً سخت رویہ اختیار کرلیا۔ پولس گارڈ مستعد ہوگئے اور حفاظتی دستے چوکنا ہوگئے۔ اسی دن ملزم کی جرح ختم ہوگئی تھی۔ اس کی پیروی کے مطابق وہ قصوروار نہیں تھا لیکن مجسٹریٹ کے ریکارڈ کے مطابق ابھئے کمار گھوگھری سانحہ کا کلیدی مجرم تھا اور اسے بڑی سے بڑی سزا دی جانی چاہئے تھی۔

جمعہ کی صبح گیارہ بجے مجسٹریٹ چودھری نے اپنا فیصلہ سنایا۔ جو انتہائی خاموشی کے ماحول میں سنا گیا۔ فیصلے کے مطابق ابھئے کمار، قتل، آتش زنی اور لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کا مرتکب تھا اس لیے اسے موت کی سزا دی گئی تھی۔

پولس گارڈ جو ابھئے کو پکڑا ہوا تھا آگے آیا اور اس نے ابھئے کے پیروں میں زنجیر ڈال دی۔ سارے جیل میں اداسی اور افسردگی کی شکل میں سزائے موت کی آواز گونج اٹھی۔ مجسٹریٹ چودھری اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ نہ سکا۔ وہ اچانک اٹھا اور کورٹ کو برخاست کرنے کا اعلان کردیا اور پولیس کی کالی وین میں گھر کی طرف روانہ ہوگیا وہ سیدھا اپنے گھر کے بیڈروم میں گیا اور بستر میں دھنس گیا۔

www.urduchannel.in

مسز چودھری کو جب خبر ملی تو اس وقت وہ بھگوان کی مورتی کے سامنے پوجا کر رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے پتھر کے مجسمہ کی طرح بت بنی بیٹھی رہی، پتھر کے مانند مقہور اہلیہ کی طرح!

لیکن اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے، اس نے صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا اور اب اس نے پانی بھی پینا چھوڑ دیا تھا۔

www.urduchannel.in

باب(۴۸)

ابھئے نے جب اپنی سزا کی خبر سنی تو وہ ہکّابکّا رہ گیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اپنے سامنے موت کو دیکھ رہا تھا بلکہ اس لئے کہ یہ فیصلہ توقع کے بالکل خلاف تھا۔ وہ موت سے نہیں ڈرتا تھا اس وقت بھی نہیں جب تحریک جاری تھی۔ اس وقت تو بعض دفعہ ایسے مواقع آئے کہ زندگی اور موت کا فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا، ایک مرتبہ تو پولس کی گولی اس کو بس چھو کر نکل گئی اس کو لگنے کی بجائے ایک دیوار میں سوراخ کر گئی۔ اس نے دیکھا کہ بمبئی اور دوسری جگہوں پر بھی نو اگست کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی آتش فشاں کی طرح جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس وقت اسے احساس ہو چکا تھا کہ یہ تحریک کوئی معمولی تحریک نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل انقلاب تھا اور وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ اس تحریک کے لیئے اسے اپنی جان کی قربانی بھی دینی پڑ سکتی تھی جس کے لیے وہ تیار تھا۔ اگر اسے زندگی سے محبت ہوتی اور اپنی جان پیاری ہوتی تو وہ اس تحریک کے قریب بھی نہیں بھٹکتا بلکہ میلوں دور اپنی عافیت تلاش کر لیتا۔ لیکن وہ نچلے بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ خطرے کے بغیر کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور زندگی خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔ اس کا ذہن و دل ان تمام باتوں کو تسلیم کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ انقلاب عوامی انقلاب ہے جہاں انسان کے اندازے کام نہیں کرتے۔ کوئی لکیر نہیں کھینچ سکتا کہ یہاں سے اس کی ہمدردیاں اور تعلق ختم ہو جائے گا۔ یہ تو ایک طوفان تھا۔ طوفانِ نوح کی طرح یہ تو آپ کو طے کرنا تھا کہ آیا آپ اس سیلاب میں کودیں گے یا نہیں۔ کسی کی زور زبردستی نہیں تھی کہ اس طوفان میں آپ کو کودنا ہی ہوگا۔ لیکن جب آپ نے ایک بار غوطہ لگانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو آپ اس کے لیے تیار رہیں کہ پانی کا بہاؤ آپ کو کہیں بھی لے جا سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ آپ

www.urduchannel.in

گرداب اور بھنور میں ہی پھنس جائیں یا تہہ میں غرق آب ہوجائیں یا پھر کسی نامعلوم چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائیں۔ صرف اسے ہی اس طوفان میں کودنا چاہئے جس کو یقین ہو کہ یہ طوفان اسے ایسے جہان سے روشناس کردیگا جہاں غلامی اور بدبخت ملک کی ذلّت ورسوائی ختم ہوجائے گی جہاں ہندوستان فخر سے سر اٹھا کر آزادی اور خودداری محسوس کریگا۔ وہ سنت کبیر کی طرح اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو آگ لگا کر اکیلا ہی اس راہ پر چل پڑے۔

وہ سرد اندھیری رات تھی جب ابھئے دین بندھو کے ہمراہ اس سفر کے لئے روانہ ہوا تھا اور اپنی بیوی اور ماں کو الوداع کہہ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سفر ممکن ہے اس کا آخری سفر ہو کہ اس کے بعد اس کی واپسی ممکن نہ ہو۔ ایسے مواقع آئے کہ اس نے خود سے کہا تھا کہ اس دنیا سے محبت اور لگاؤ چھوڑ دے اور خیمے کو اکھاڑ پھینکے اور کہیں نکل جائے۔ تم نے جب اپنا سب کچھ اس تحریک کے لئے نچھاور کردیا ہے، سب کچھ یعنی اپنے خیالات، اپنے الفاظ، اپنی تمام تر صلاحیتیں گویا ہر چیز کی قربانی کا تہہّ کرلیا ہے تو اس کی کامیابی کے لئے جان بھی دینی پڑ سکتی تھی۔

ابھئے اس کے لئے ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ لیکن موت جس انداز میں اس کے قریب آرہی تھی اسے افسوس ہورہا تھا کہ اسے قاتل قرار دیا گیا تھا اور پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔ جب کہ وہ گاندھی جی کے طریقۂ زندگی پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے تو کسی کو تکلیف دینے کا خواب میں بھی کبھی نہیں سوچا تھا۔ ایک چیونٹی بھی اس نے جان بوجھ کر نہیں ماری تھی۔ گاندھی جی کی تعلیمات پر اسے کبھی شک تک نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ ہورہا تھا اس کے لئے یہ ایک معمہ اور پہیلی سے کم نہ تھا۔ اس لئے نہیں کہ اس نے اس طریقۂ زندگی کی تبلیغ و ترویج کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اسے اپنا مشن بنایا تھا۔ نہیں بالکل نہیں! اسے تو سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ اسے تحریک کے بعد کچھ لینا دینا تھا۔ وہ تو بنیادی طور پر ایک اسکالر تھا اور اسے صرف درس و تدریس

www.urduchannel.in

سے دلچسپی تھی اور اسی کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی وہ پڑھا لکھا، مہذب ہندوستانی نوجوان تھا اور اس سب سے بڑھ کر ایک انسان تھا۔ اس کی حب الوطنی اور انسانیت کو کبھی یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کا وطن جس کی سنہری تاریخ ہے وہ غلامی اور ذلّت و رسوائی کی زنجیروں میں جکڑا رہے۔ آزادی کے لئے گاندھی جی نے ایک آسان اور موثر راستہ بتایا تھا۔ 'بھارت چھوڑو' گاندھی جی کے اس نعرے کو ہندوستان کے دیگر لیڈروں نے بھی تسلیم کیا اور انہوں نے بھی ان کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ ابھئے بھی گاندھی جی کی ایما پر بمبئی گیا اور اس نے اپنے کانوں سے اس شخص کو سنا جو ہندوستان کا مقدر سنوارنے والا تھا۔ اس نے طلباء کو بھی للکارا تھا اسی لئے ابھئے نے بھی اسی شخص کی آواز میں آواز ملائی تھی۔ جب گاندھی جی نے اپنی آخری تقریر میں قوم کو 'کرو یا مرو' کا نعرہ دیا تھا تو ابھئے نے بھی کرنے یا مرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ الفاظ محض نعرے بازی نہیں ہیں جو طوطے کی طرح زبان سے نکل رہے ہوں اور عارضی طور پر حوصلہ بڑھا کر پھُر سے نکل جائیں گے۔ یہ توپ کے گولے ہیں جو لوگوں کو موت سے کھیلنے کی دعوت دیتے ہیں اور یہ کھیل وہی لوگ کھیل سکتے ہیں جو زندگی کی بازی لگانے کے لئے تیار ہوں۔

ابھئے نے تو اس تحریک میں شامل ہونے سے پہلے ہی سب سوچ لیا تھا۔ اسے کوئی مغالطہ یا افسوس نہیں تھا۔ لیکن اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس پر قتل کا الزام لگایا جائے گا اور قتل وہ بھی اپنے بھائیوں کا! اس وجہ سے اس کو تختہ دار پر چڑھایا جائے گا۔ آدمی کو مرنے کے لئے ہزاروں بہانے ہیں، تختۂ دار پر چڑھنا بھی موت کا ایک بہانہ ہے اور ایسی موت تو ایک محب وطن کے لئے قابل رشک اور لائق عزت و وقار ہے۔ لیکن اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اسے جھوٹے الزام میں تختۂ دار پر لٹکایا جائے گا۔ وہ گھوگھری میں تشدد

www.urduchannel.in

اور خون خرابے کو روکنے گیا تھا۔ تاکہ لوگ پولس آفیسرز کو کوئی تکلیف یا اذیت نہ پہنچا پائیں۔ لیکن قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اب اُس پر ہی اس بات کا الزام لگایا جارہا تھا جس کو روکنے کے لیے اُس نے کوشش کی تھی۔ سچ کتنا بدل گیا تھا۔ انصاف کا مذاق اڑایا جارہا تھا اور اس کی تضحیک کی جارہی تھی۔ اس حکومت کی قسمت کیا ہوسکتی تھی جو روز روشن کی طرح معصوم اور بے گناہوں کو کذب وافترا کے سہارے سزائے موت دیتی ہے۔ یقیناً ایسی حکومت کا مقدر محفوظ نہیں تھا۔

یہ خوفناک سزا اس مجسٹریٹ نے سنائی تھی جو مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے معقول اور خداترس تھا اور اس کے ساتھ اس کے اچھے ذاتی مراسم تھے۔ اُس نے ان مراسم کے ذریعے اپنے لیے کوئی رعایت نہیں مانگی لیکن وہ ترجیحاً یہ چاہتا تھا کہ اُس پر کھلم کھلا ناانصافی اور غلط فیصلہ نہ لادا جائے۔ اگر وہ کسی کو مارتا یا مارنے پر اکساتا تو خدا نے اسے اپنا قصور قبول کرنے کا حوصلہ عطا کیا تھا وہ کبھی خود کو بچانے کے لئے جھوٹ کے راستے نہیں جاسکتا۔ اپنے کرتوت کے نتائج سے کوئی شخص فرار اختیار نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کو سزا اس کام کی مل رہی تھی جس کام کو اس نے کیا ہی نہیں تھا یا وہ کرنے پر قادر ہی نہیں تھا یا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ تو اس پر زیادتی تھی، اس کی کوئی مثال نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انگریز حکومت سب کچھ کرنے پر قادر ہے کیونکہ سفاک ووحشی فوج ان کی تھی، پولس ان کی تھی، کورٹ اور قانون ان کے تھے، جیل ان کی تھی اور پھانسی پر لٹکانے والے ان کے تھے۔ لیکن ان کی طاقت اتنے عظیم جھوٹ، ناانصافی اور بداخلاقی کے سامنے کب تک باقی رہ سکتی تھی؟

ساری دنیا بے رحم تشدد کی آگ میں جھلس رہی تھی۔ سچائی، انصاف اور انسانیت کا دن کے اجالے میں قتل کیا جارہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ انسان کی انسانیت اور خدا کی خدائیت معدوم

www.urduchannel.in

ہوگئی تھی اور تقدیر نے ظلم و زیادتی کے لئے میدان کھلا چھوڑ دیا تھا تاکہ انسان ذلّت کے گڑھے میں پہنچ جائے۔ فرشتوں کا نزول کب ہوگا؟ رات صبح ہونے سے قبل تاریک تر ہو چکی تھی۔ دوبارہ زندہ ہونے کے لئے انسان کو مرنا ہوگا۔

اس نے اپنے تئیں سوچا کہ ابھئے کمار اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ! وہ اس کے لئے تیار بھی تھا لیکن عفریت زدہ جھوٹ اور ناانصافی کے پس منظر کے خلاف اس کی موت شاید زیادہ عظیم و پر شکوہ اور جلیل القدر تھی۔ وہ صرف ایک مرتبہ مر سکتا تھا۔ پھر کیوں نہ وہ ایسی موت مرے کہ پھانسی چڑھانے والوں کو خود اپنے کئے پر پچھتانا پڑے اور وہ شرمندگی محسوس کریں اور انہیں اس کی بھاری قیمت چکانی پڑے۔ یہ قدرت کا ناقابل تغیر قانون ہے کہ گناہ جتنا بڑا ہوگا کفارہ بھی اتنا ہی بڑا دینا ہوگا۔

اچانک اسے ایسے محسوس ہوا کہ اس کی موت یوں رائیگاں نہیں جائے گی۔ بلکہ اس ملک کو اور ملک واسیوں کو اس کی موت کا اچھا خاصا معاوضہ ملے گا۔ یہ سوچ کر وہ خوش ہو گیا۔ کتنے کم لوگوں کے مقدر میں اتنی شاندار موت ہوتی ہے! اللہ کتنا رحمدل اور مہربان ہے۔

شکر گزاری کے جذبے سے وہ مجسٹریٹ کی جانب مڑا وہ اپنی سزائے موت کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے دیکھا کہ کرسی خالی پڑی تھی۔ اس نے وہاں موجود وکیلوں اور پریس رپورٹرز کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہا۔ وہ لوگ ابھئے کے صبر و تحمل کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا "کیا بہادر شخصیت کا مالک ہے!"

وہ اپنے گارڈ کے ہمراہ اپنی کوٹھری کی طرف چل پڑا، اسے اپنے پیروں میں بندھی زنجیروں کی وجہ سے کچھ تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں پڑی تھیں ان سے وہ کھیلتا ہوا چل رہا تھا۔ جس کی جھنکار سے ایک خاص لے

www.urduchannel.in

پیدا ہو رہی تھی جس کی دھن پر وہ گنگنا رہا تھا جسے اس نے اسکول کے زمانے میں سیکھا تھا۔

میں جانتا ہوں ایک ہی راستہ۔ وہ ہے پھانسی کا راستہ

مجھ پر ہمیشہ سے آرام حرام ہے

میں قربانی کے معاملے میں شعلہ جوّالہ ہوں

میں نے ہمیشہ زندگی کے شعلے روشن کیے

جب وہ اپنی کوٹھری کے قریب پہنچا تو بغل والی کوٹھری کے قیدی نے اس سے پوچھا۔

"ابھئے کیا ہوا؟"

"سزائے موت"۔

"یا اللہ! لیکن تم تو ایسے گا رہے ہو جیسے تمہیں رہائی مل گئی ہو"۔

"یہ نجات ہی تو ہے! مجھے آنے میں زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔ مجھے رہائی مل جائے گی اور جب میں دوبارہ جنم لوں گا تو آزاد ہندوستان میں جنم لوں گا"۔

پھر اس نے شہیدوں والا گانا شروع کر دیا۔

میں نے اس غلامی میں کوئی خوشی نہیں دیکھی

اس لئے میں اپنے پتا کے گھر جا رہا ہوں

www.urduchannel.in

باب(۴۹)

ماں نے جب سنا کہ ابھئے کو سزائے موت ہوئی ہے تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہ ہوا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ؟ شاید کسی نے غلط سنا ہو گا۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک زندہ آدمی کی گردن میں پھندا ڈال کر اسے مار ڈالا جائے گا ؟ کیا آدمی کو اختیار ہے کہ وہ زندہ آدمی کی جان لے لے جس کو اس نے خود جنم نہیں دیا۔ کسی کو اختیار نہیں ہے صرف خدا ہی ہے جس کو کُل اختیار ہے۔ انسان کی کیا مجال کہ خدا کے کاموں میں دخل اندازی کرے ؟ کیا یہ اس کی گستاخی اور انانیت نہیں ہے ؟ کوئی شخص اپنے ہی بھائی کا فیصلہ کیسے کر سکتا ہے ؟ کیا وہ خدا کی طرح قادر مطلق بن بیٹھا ہے جو لوگوں کے اعمال کا محاسبہ کرے اور اچھا برا بتائے ؟ یہ بھیانک ڈرامہ کیسا کھیلا جا رہا تھا، اس کے بچے کا کیا گناہ تھا؟ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی تصور نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کا بیٹا کسی کو نہ صرف نقصان پہنچا سکتا تھا بلکہ وہ تو کسی کے بارے میں برا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر اس نے ایسا کیا کر دیا ؟ بالفرض اگر اس نے جرم کیا تھا تو کم از کم یہ تو دیکھو کہ اس کے پیچھے اس کا مقصد اور جذبہ کیا تھا ؟ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ خود غرض بالکل نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ بھی کیا ہو گا اپنے وطن عزیز کے لئے کیا ہو گا۔ اپنے مفاد کے لئے کچھ بھی نہیں کیا ہو گا۔ پھر اتنی بھاری سزا کا مستحق اسے کیوں گردانا گیا ؟ کس گناہ کی پاداش میں، یا خدا! کیا میں نے کوئی جرم کیا تھا جو میری تقدیر میں یہ سب لکھا گیا۔ میرے بڑھاپے کا سہارا مجھ سے چھینا جا رہا ہے اور پھر میری اس بہو کا کیا قصور ہے کہ وہ کم عمری میں بیوہ ہو جائے گی اور اس کا آنے والا بچہ پیدائش سے قبل ہی باپ کی شفقت اور دلار سے محروم ہو جائے گا۔ ماں دن رات دعائیں کرتی ہیں کہ بڑھاپے میں وہ اپنے بیٹے کے کندھوں پر اپنی زندگی کا آخری سفر کرے۔ لیکن ہائے رے

www.urduchannel.in

قسمت وہ اپنے بیٹے کا آخری سفر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے زندہ ہے۔ خدایا تیری مملکت میں اگر انصاف ختم ہوچکا ہے تو میں ولایتی سرکار کو کیوں موردِ الزام ٹھہراؤں وہ تو نرے مطلق العنان اور پتھر دل ہیں؟ میرے بیٹے ابھئے! تمھارے ساتھ ان ظالموں نے یہ کیسا سلوک کیا؟

ماں بہت دیر تک اپنے جذبات کو ضبط نہیں کر سکی۔ اب تک اس نے بڑے صبر سے کام لیا تھا۔ وہ خون کے آنسو رو رہی تھی مگر اس نے بڑی خاموشی سے اسے پی لیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی آہ و بکا سے اس کی بہو وجیا متاثر ہو۔ لیکن اس کا اثر خود اس پر برا پڑنے لگا اور وہ نروس ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے اس کے سر میں درد شروع ہوگیا۔ اگر کوئی ذرا بھی اس کو چھیڑتا تو وہ بپھر پڑتی۔ اس کے بیٹے کی سزائے موت اس کے دل و دماغ میں پیوست ہو کر رہ گئی، اس کے صبر و ضبط کا بندھن ٹوٹ چکا تھا۔ وہ بچوں کی طرح بلکنے لگی۔ اس کی آہ و زاری اس قدر شدید تھی کہ وجیا اپنا درد بھلا کر اسے صبر کی تلقین کرنے لگی۔ لیکن ساری تلقین اس کے آگے ناکام تھی۔ آسمان پھٹ پڑا تھا جس کی رفوگری ناممکن تھی۔ پھٹے کو جوڑنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے وجیا نے ماں کو کھل کر رونے کی چھوٹ دے دی تھی۔ طوفان پھٹ پڑا تھا، کہیں زندگی کی سانسیں رک نہ جائیں۔ آنسوؤں کا سیلاب بہنے دو کہ کہیں کوئی قطرہ تھم نہ جائے آنکھیں روتے روتے خود بخود پتھرا گئی تھیں جس کی وجہ سے اب اس کی آہ و بکا بھی بند ہو چکی تھی۔

ماں پر تھوڑی تھوڑی دیر میں دورہ پڑ رہا تھا وہ زور سے چیخ مارتی اور کچھ ہی منٹوں میں خاموش ہوجاتی۔ پھر اچانک وہ پھوٹ پڑتی اور پھر دھیرے دھیرے بے یارو مددگار پڑی رہتی۔ پھر وہ صدمے سے چیخ پڑتی اور بے کل ہوجاتی۔

یہ سلسلہ شام سے رات بھر تک چلتا رہا اور وجیا! اس کے تو پلک جھپکتے ہی تمام سپنے بکھر کر رہ گئے تھے۔ اس کی زندہ رہنے کی تمنا بھی اب ختم ہوگئی تھی۔ اسے ہر طرف ویرانی

www.urduchannel.in

محسوس ہونے لگی۔ اس کا دل جذبات سے عاری ہوچکا تھا۔ اس کا احساس مرچکا تھا وہ محض سانس لے رہی تھی کہ اس پر اس کا اختیار نہیں تھا۔ جسم حرکت کررہا تھا کہ اسے بے حس نہیں کیا جاسکتا تھا۔ زندگی کا سارا مزہ ختم ہوچکا تھا۔ اندازہ کیجئے کہ اس پر بھگوان کیسا مہربان تھا؟ وہ جانتی تھی اگر اس کا دیش آزاد ہوتا تو یہ اندھیر اور یہ المیہ کبھی نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن جب تک ایسی آفتیں نہیں ہوں گی تو ملک آزاد کیسے ہوگا؟ جب تک آزادی کی دیوی کی پوجا تازہ اور جوان خون سے نہ کی جائے گی تو 'وہ' خوش کیسے ہوگی؟ اور اس کا جلوہ اور ظہور کیسے ممکن ہوگا؟ اور جب تک 'وہ' آئے گی نہیں تو ہندوستان میں انسانی زندگی کی قدر کیسے تکمیل کو پہنچے گی؟ آج اس محکوم و مغلوب ملک کے بدبخت شہریوں کی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، ایسا لگتا تھا کہ اس ملک کو کسی کی بددعا لگ گئی تھی کہ سارے ملک کو گہن لگ گیا تھا۔ ہندوستانی شہریوں کی کیا حقیقت تھی؟ محض ماٹی کے پتلے۔ کالے کلوٹے اور بدنما، جن میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تھی۔ انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کو اپنے ڈرائنگ روم میں شوپیس کی طرح رکھیں یا کمر پر لات مار کر بھگا دیں۔ ان میں بلند قامت گاندھی ہی ہیں جو سدا غیر فانی گوتم بدھ اور عیسیٰ مسیح کی طرح بیٹھے ہی رہتے ہیں۔ ایک معمولی سپاہی ان کو گرفتار کرکے اور جیل میں ٹھونس کر ان کی بے عزتی کردیتا ہے پھر ہما شما کس شمار میں تھے۔ یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر ابھئے کمار کس شمار میں ہے؟ اسے گولی سے بھون دیا جائے یا پھانسی پر چڑھا دیا جائے اس سے کیا فرق پڑتا تھا؟ سات سمندر جو انگلستان اور ہندوستان کو تقسیم کرتے ہیں اس کی لہروں میں بھی کوئی جنبش نہیں ہوگی۔

www.urduchannel.in

باب(۵۰)

تیسرے دن وجیا کو جیل سے ایک خط موصول ہوا۔ ابھئے کو تمام رعایتیں دی گئی تھیں جب سے ابھئے کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا تھا اس کے ساتھ جیل میں شاہانہ سلوک کیا جارہا تھا۔ جو کچھ وہ طلب کرتا اسے مہیّا کرایا جاتا۔

وہ چاہتا تھا کہ ماں اور بیوی کے ساتھ کچھ باتیں ہوجاتیں تو کم از کم وہ انہیں تسلّی دیتا اور ان کی دل جوئی کرسکتا تھا۔ اسے خود کی کوئی فکر نہیں تھی۔ ویسے بھی اس کا مزاج ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ بے خوف اور نڈر تھا۔ وہ غیر معمولی ذہانت وفطانت کا مالک تھا۔ وہ خوب سمجھ رہا تھا کہ کیا کچھ ہونے والا تھا اور کیوں کر ہونے والا تھا۔ اگر یہی سمجھداری اور معاملہ فہمی ماں اور بیوی میں آجاتی تو اس کی موت آسانی اور شانتی سے ہوجائے گی۔ وہ اپنی زندگی کی حفاظت کا خواہاں نہیں تھا۔ جو کچھ ہوگا وہ تو اٹل تھا، ہوکر ہی رہے گا لیکن وہ چاہتا تھا کہ جو ہو جوانمردی، پُرسکون، خوشی اور اطمنان سے ہو۔ اگر دماغ کسی کام سے ہم آہنگ ہو تو موت بھی رحمت بن جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو لکھا:

سنٹرل جیل

ڈارلنگ وجیا!

شاید میری سزائے موت کی خبر سن کر تمہیں صدمہ ہوا ہوگا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایسے ہی صدمہ سے میں بھی دوچار ہوا ہوں۔ محبت وانسیت میں جکڑے ہوئے خوف اور حرص وطمع میں ملوث آخر کار ہم انسان ہی ہیں۔ زندہ رہنے کی تمنّا کبھی نہیں مرتی اور زندگی سے لگاؤ بڑا مضبوط ہوتا ہے۔ موت کا نظارہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

www.urduchannel.in

اگر ہم ٹھنڈے دل و دماغ سے جائزہ لیں اور سوچیں کہ اس میں کیا برائی ہے ؟

زندگی چند روزہ ہے۔ کتنے بڑے بڑے سنت اور زاہد ہوئے، مذہب کے بانی یا انسانوں کے ایسے قائد جو نئے عہد کے نقیب تھے، سب دنیا میں آئے مگر موت سے کوئی بھاگ نہ سکا۔ یہ جسم تو مٹی کا گھڑا ہے۔ ایک نہ ایک دن اسے پھوٹنا ہی ہے۔ یہ تو صرف وقت کی بات ہے۔ کچھ جلدی مرجاتے ہیں اور بعض ٹھہر کر گذر جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں مرنا ضرور ہے۔ یہاں کسی کو ثبات نہیں ہے اور کوئی بھی مقدر کا لکھا ٹال نہیں سکتا ہے۔

اگر آدمی کو مرنا ہی ہے تو کیوں نہ اس طرح مرے کہ اُس کی موت زندگی کے لیے سودمند ہو اور موت کو شاندار اور معزز بنادے تاکہ نا صرف دنیا کو بلکہ انسانیت کو بھی عظمت وشوکت اور عزت و وقار حاصل ہو۔ اپنے ملک کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کا اعزاز چند لوگوں کے حصّہ میں ہی کیوں آتا ہے! یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے مجھے یہ شرف بخشا ہے۔ کتنے اشخاص اپنی زندگیاں داؤ پر لگاتے ہیں کہ انہیں یہ اعزاز اور شرف حاصل ہو۔ یہ تو شاید میرے پچھلے جنم کے نیک کاموں کا بدلہ ہے جو انعام کی شکل میں اب مل رہا ہے۔

اگر کوئی شخص مرنا چاہے تو اس کے لئے ایک سو ایک راستے ہیں۔ وہ چاہے تو بڑی عمارت سے چھلانگ لگادے یا چلتی ٹرین کے سامنے کود کر جان دے دے، وہ کسی کنویں میں گر سکتا ہے، زہر کھا سکتا ہے یا خود کو پھانسی لگا سکتا ہے، لیکن یاد رکھو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دراصل بزدل ہیں۔ خودکشی، مایوسی اور محرومی کی علامت ہے۔

لیکن اگر کوئی محب وطن ولایتی حکومت کے ہاتھوں تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے تو اس کے لئے یہ اعزاز کی بات ہے۔ یہ ایک بہادر اور کامیاب موت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں ہارٹ فیل کی وجہ سے مرجاتا یا کسی کار کی زد میں آجاتا اور مرجاتا۔ لیکن میں چونٹیوں کی طرح کیوں مروں ؟

www.urduchannel.in

ہزاروں لوگ روز اسی طرح مرجاتے ہیں کوئی ان کی پرواہ نہیں کرتا۔

جب میں دنیا چھوڑ کر جاؤں گا تو تمہیں شہید کی بیوہ کی حیثیت سے عزت ملے گی۔ ماں کو احترام و تکریم اس لئے ملے گی کہ اس نے ایک ایسے سپوت کو جنم دیا جس نے اپنی جان ملک کی خاطر نچھاور کردی اور میں زندگی کے بعد نجات اور مکتی حاصل کروں گا۔ کیا تم بھول گئیں کہ بھگوان کرشنا نے گیتا میں کیا کہا تھا؟

"اگر تم مر گئے تو، جنت میں جاؤ گے

اگر تم بچ گئے تو، زمین پر مزے کرو گے"

ایسی عظیم اور شاندار موت کے بعد میرے لئے جنت کے دروازے کیوں کر بند ہو سکتے ہیں؟

وقت خود اپنا انتقام لیتا ہے، جو لوگ اپنے اصولوں اور نظریات کی بنا پر تختۂ دار پر چڑھائے گئے اور سنگ سار کئے گئے ان کی قسمت پلٹی کھاتی ہے اور وہی لوگ بھگوان کی طرح پوجے جاتے ہیں۔ سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا کیوں کہ اس نے مکر و فریب اور باطل کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اس پر الزام تھا کہ وہ لوگوں کا دماغ خراب کر رہا تھا۔ لیکن جنہوں نے اسے موت کے گھاٹ اتارا آج ان کا نام تاریخ کے صفحات سے غائب ہے۔ جبکہ سقراط امر ہو گیا۔ ساری دنیا اسے ایک مفکر اور صاحب کشف و روشن ضمیر انسان کے نام سے جانتی ہے اور عزت کرتی ہے۔ عیسیٰ مسیح کو تختۂ دار پر اس لئے چڑھایا گیا کہ وہ سچ کے حامی تھے لیکن صلیب جس پر انہیں چڑھایا گیا وہ ہزاروں لوگوں کے لئے حوصلہ اور یقین وایقان کی علامت بن گئی۔ یہ دنیا کا طریقہ ہے کہ جب کبھی کسی سنت یا رسول نے انسانیت کی اصلاح کی کوشش کی اسے یا تو سولی پر چڑھایا گیا یا سنگ سار کیا گیا۔ یہ پتھر بعد ازاں عبادت کے پھول بن گئے۔

www.urduchannel.in

ہندوستان میں بھی ایسے غازیوں اور بہادروں کی ایک کہکشاں تھی جنہوں نے اپنے اصولوں اور نظریات کے لئے باطل سے لوہا لیا اور خداداد چنگاری اور شرارے کے ساتھ دور دراز تک اپنی تجلیاں بکھیرتے رہے۔ بہادر جیسے رانا پرتاپ، شیواجی، گرو گوند سنگھ، رانی لکشمی بائی اور وہ نوجوان شہید جنہوں نے انگریزوں کے عہد میں آزادی کی خاطر اپنی جانوں کی بازی لگادی تھی۔ یہ لوگ نسلوں تک حوصلہ و ترغیب کے منبع و مینار رہیں گے۔

ان میں سے ایک عظیم شخص کے لئے کیا انمول استحقاق دیا گیا ہے۔ اگر تم مناسب نقطۂ نظر سے دیکھو تو تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا یہ وقت دراصل جشن منانے کا ہے۔ ہمیں خدا کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ زندگی میں ایسا قیمتی لمحہ میسّر آیا۔ سچ میں وہ کتنا رحمدل اور مہربان ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ میرے کچھ خواب تھے کہ میں یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرتا اور میرا ارمان تھا کہ میں درس و تدریس کا پیشہ اختیار کرتا۔ کوئی بات نہیں مجھے زیادہ اطمینان نصیب نہیں ہوا اور مجھے یہ بھی توقع تھی کہ ماں اور ہمارے بیٹے کے لئے ہمارا خود کا گھر ہو جاتا کہ ماں کو سہولت ہو جاتی اب وہ بوڑھی ہو چکی ہے۔

پیاری! میں نے تمہیں حاصل کر کے محسوس کیا تھا کہ مجھے وہ سب کچھ مل چکا تھا جو زندگی مجھے دے سکتی تھی۔ تم نے میری خاطر اپنے چاچا کا آرام دہ گھر چھوڑا اور میرے ساتھ اچھے، برے ہر حال میں نباہ کر رہی ہو، مگر تم نے کبھی شکوہ تک نہ کیا۔ جب تم میرے گھر آئیں تھیں تو ہزاروں چراغ روشن ہو گئے تھے گویا دولت کی دیوی کا میرے گھر میں نزول ہو گیا تھا۔

تم نے جس ناقابل بیان روحانی مسرت سے مجھے نوازا تھا میں اسے فراموش نہیں کر سکتا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس پر خلوص محبت سے مجھے اس قدر حوصلہ ملے گا۔ اسی پر خلوص جاں نثاری اور محبت نے مجھے اس لائق بنایا کہ میں آزادی کی تحریک میں شریک

www.urduchannel.in

ہوسکا۔ مجھے پتہ ہے کہ تم پرجوش اور غیرت مند و خوددار خاتون ہو۔ تم کبھی بزدلی کو پسند نہیں کروگی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر میں نے تمھاری عزت کا پاس نہ رکھا تو میں تمھاری محبت سے محروم ہوجاؤں گا۔

ہم نے زندگی کے جو لمحات بتائے وہ انتہائی مختصر تھے۔ لیکن جس وارفتگی و مسرت کے پل ہم نے ساتھ گذارے تھے اسے کیا کوئی ہم سے چھین سکتا ہے؟ وہ یادیں ہمارے لئے بیش قیمتی سرمایہ سے کم نہیں ہیں۔

تمھارے رحم میں پلنے والا بچہ کیا ہماری محبت کی نشانی نہیں ہے اور کیا وہ خدا کا تحفہ نہیں ہے؟ حالانکہ میں اپنی آنکھوں سے آزادی نہیں دیکھ سکوں گا لیکن اگر ہمارے بچے نے اسے دیکھ لیا تو میری روح کو سکون ملے گی۔ ہم نے آزادی کی جنگ اسی لئے لڑی تھی کہ ہمارے بچے غلامی، ذلت اور بے وقعتی سے آزادی حاصل کر سکیں۔

ڈارلنگ! یہ وقت آہ وبکا کا نہیں ہے۔ سنت میرا بائی کی محبت میں اس کے ایشور کے پریم کی آمیزش تھی۔ گِردھر ناگر اور ان کے شعلہ میں اس کے خالق کا آفاقی شعلہ شامل تھا۔ یاد کرو ہماری شادی کے وقت جب تم نے میرے گلے میں پھولوں کی مالا ڈالی تھی، اس میں اور گردن میں پڑے پھانسی کے پھندے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں محبت کی نشانی ہیں۔ ایک انسان کو دوسرے انسان سے جوڑتا ہے جبکہ دوسرا انسان کو اس کے خالق سے جوڑتا ہے۔ دونوں میں دل کے جذبات اور پرخلوص محبت کے جذبے کا ظہور شامل ہے اور دونوں اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ایک انسانی محبت کی تکمیل ہے تو دوسرا ہندوستان سے محبت کا اظہار ہے۔ محبت کا راستہ ہمیشہ سے یکساں ہوتا ہے۔ یہ محبت چاہے دو شخصوں کے درمیان ہو یا ملک اور اس کے باشندوں کے بیچ ہو یا پھر انسان اور ایشور کے مابین ہو۔ صرف اس کے اظہار کے

www.urduchannel.in

طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ حقیقی روشن خیال انسان تو وہی ہے جو موت کا استقبال اُسی جذبہ تسلیم و رضا اور وارفتگی کے ساتھ کرتا ہے جس طرح وہ اپنے محبوب کا استقبال کرتا ہے۔ عظیم محبت تو الوہیت کو جنم دیتی ہے نفسانیت کو نہیں!

ہمارے جسم مٹی سے بنے ہیں اور وطن کی مٹی سے ہمیں غذا ملتی ہے۔ اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس زمین نے ہمیں پالا پوسا ہم اپنے جسم اُس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں!

ایک صوفی سنت شاعر ہمیں کیا پیغام دیتا ہے،
زمین تمھاری اوڑھنی ہے، زمیں ہی تمھارا بچھونا ہے
تمہیں تو بس اسی زمین میں خود کو ملانا ہے
او چالاک عورت! تیار ہو جا، سنگار کر لے
تجھے تو اپنے محبوب کے ہی گھر جانا ہے

بہادر وجیا! مجھے امید ہے کہ تم حالات کا مقابلہ ہمت و استقلال سے کرو گی اور ماں کو بھی ساتھ لو گی۔ تم بہادر شوہر کی بہادر بیوی ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے وقار اور خودداری کو مجروح نہیں ہونے دو گی۔ یہ خط ماں کو بھی دکھا دینا اور کہنا کہ جب ان کا بیٹا مرے تو انھیں اسی طرح خوش ہونا چاہئے جیسا اس کی پیدائش کے وقت ہوئی تھی، اس قسم کی موت تو ابدیت کی طرف ایک قدم ہے۔

میں اسی ماں کی کوکھ سے آزاد ہندوستان میں دوبارہ جنم لینا چاہتا ہوں۔ تم سے میری یہ بات چیت صرف اسی جنم کے لئے نہیں تھی بلکہ جنموں جنم ہم اسی طرح باہم گفتگو کرتے رہیں گے اور میرے جسم کے فنا ہونے سے یہ سلسلہ منقطع نہیں ہونے والا ہے۔ روح تو لافانی اور

www.urduchannel.in

دائمی ہوتی ہے۔ روح تو ایک جسم سے دوسرے جسم میں محض منتقل ہوتی ہے جیسے ہم کپڑے تبدیل کرتے ہیں۔ لیکن روح کتنے جسم بدلتی ہے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ روح تو لازوال ہوتی ہے جس کو کبھی موت نہیں ہوتی اور جو لامتناہی ہے۔

گیتا میں بھگوان نے کہا تھا؟

"انسان جس طرح اپنے پھٹے پرانے اور بدرنگ کپڑے نئے سے بدل دیتا ہے اسی طرح بدرنگ پرانے اور خستہ حال جسم کو چھوڑ کر روح نئے جسم میں داخل ہوتی ہے"۔

تم ایک سمجھدار خاتون ہو اور تم معاملہ فہم بھی ہو۔ ہم پابندی سے مل کر گیتا کا پاٹھ کیا کرتے تھے۔ ان باتوں پر اپنی زندگی میں عمل پیرا ہونے کا اب وقت آگیا ہے۔ یہ ہماری آزمائش ہے، ہمیں خود کو گیتا کی تعلیمات کے لائق ثابت کرنا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس امتحان میں ضرور کامیاب ہوگی۔

اگر تم اور ماں مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو جیل کے ذمہ داران تمہیں اس کی اجازت دیں گے۔ لیکن کیا یہ مناسب رہیگا؟ اگر تمہیں ٹھیک لگتا ہے تو ضرور آؤ۔ لیکن سمجھ لو کہ کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے۔ ماں کا خیال رکھنا وجیا! ہمارے نوزائدہ بچے کو پیار اور دعائیں۔ یہ تمہیں ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا کہ ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے اور رہے گا، اس زندگی میں ہی نہیں بلکہ آئندہ زندگی میں بھی۔

صرف تمھارا

ابھئے

www.urduchannel.in

باب(۵۱)

ابھئے کی سزائے موت کی خبر پورے ملک میں رنج وغم کیساتھ سنی گئی۔ کیوں کہ جس انداز میں ٹرائیل اور دیگر کاروائی ہوئی تھی اس سے کوئی بھی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ سزائے موت کا فیصلہ آئے گا۔ لوگوں کا گمان تھا کہ ابھئے کو زیادہ سے زیادہ سات سال کے لئے جیل بھیج دیا جائے گا۔ لیکن حکومت انتقام کے موڈ میں تھی اور لوگوں کے دلوں میں دہشت بٹھانا چاہتی تھی۔

دفاعی کمیٹی نے ابھئے کے دفاع میں کڑی محنت کی۔ چندہ بھی خوب اکٹھا کیا گیا تھا۔ گورنمنٹ ملازمین نے بھی خاموشی سے اس میں حصّہ لیا تھا۔ فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی تھی مگر اسے خارج کر دیا گیا۔ دوسری اپیل پری وی کونسل میں کی گئی تھی اسی اپیل کی وجہ سے دو مرتبہ پھانسی کی سزا کی تاریخ طے ہوئی تھی اور دونوں مرتبہ ملتوی کی گئی تھی۔ دوسری اپیل جب خارج کی گئی تو لوگوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ صرف ایک راستہ رہ گیا تھا کہ وائسرائے کے سامنے رحم کی اپیل کی جائے۔

ابھئے کو ان تمام کوششوں سے اطمینان نہیں تھا۔ اس کی خودداری کو گوارا نہیں تھا کہ وائسرائے سے اس کی زندگی کی بھیک مانگی جائے، اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے کسی کو ذلّت برداشت کرنی پڑے۔ زندگی کی بخشش بغیر کسی داغ اور بغیر آلودگی کے صاف ستھری ہونی چاہئے۔ ساری دنیا کو معلوم ہونے دیجئے کہ ہندوستانی نوجوان اپنے ملک کے لئے جان نچھاور کرنا جانتا ہے۔ اب یہ طے تھا کہ اسے مرنا ہے۔ اب یہ دیکھنا اس کی ذمہ داری تھی کہ کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے اس کی خودداری اور اس کے ملک کے وقار کو ٹھیس پہنچے۔

وہ ان معروف وعالی مرتبہ شہیدوں کی صف میں کھڑا تھا جن کے نام تاریخ کے سنہری

www.urduchannel.in

صفحات پر آراستہ تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کی تعریف و توصیف اور چمک میں ذرہ برابر فرق آئے۔ ایک حاسد اور بدگمان شوہر نے سنت میرا کو مارنے کے لئے سانپوں کو بھیجا، لیکن میرا نے ان کی پوجا بھگوان شالگرام کی طرح کی۔ پھر اسے زہر کا پیالہ دیا گیا جس کو اس نے مسکراتے ہوئے پی لیا۔ یہ اوپر والے کی مرضی ہے کہ ابھئے کی گردن میں جلّاد پھانسی کا پھندا سجائے گا۔ لیکن کیا حقیقتاً وہ پھولوں کا ہار نہیں ہوگا جو اس کو بطور اعزاز پیش کیا جائے گا۔ اب جب کہ ذہنی طور پر وہ اس خوشگوار لمحہ کے لئے پوری طرح تیار تھا کہ اپنے اس فانی ڈھانچے کو نکال پھینکے اور اپنے عظیم رحیم و کریم کے حضور چلا جائے۔ تو پھر اس شاندار واقعہ کو روکنے کے لیے اس دیوانگی اور سوقیانہ دوڑ کی کیا ضرورت ہے بھلا؟

اسے بے اختیار خیال آیا کہ اس کی زندگی کو بچانے کی یہ ساری کوششیں کامیاب نہیں ہوں گی۔ جو زندگی کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں وہ اسے بچانے کے لئے زمین آسمان ایک کر دیتے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ گاندھی جی ان کوششوں کو کبھی نہیں سراہیں گے۔ اور ابھئے خود بھی پوری طرح مطمئن اور تیار تھا۔ جب اسے وجیا کا جواب موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ ”اس کا خط پڑھ کر اسے اور ماں کو بڑا اطمینان اور سکون محسوس ہوا“۔ یہ پڑھ کر ابھئے خوشی سے اچھل پڑا۔

ابھئے کو کسی اور چیز کی خواہش نہیں تھی وہ اوپر والے سے راز و نیاز اور دل کی بات کہنے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بھجن اور بھکتی گیت گانا شروع کر دیا ساتھ ہی وہ گیتا، رامائن اور دوسری مذہبی کتابیں بھی پڑھ رہا تھا۔ اس پر ایک عجیب سی سرمستی چھائی ہوئی تھی۔ تنہائی اور لاتعلقی اسے پسند آنے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ دھرتی سے اس کا رشتہ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ آسمان کی طرف اڑ رہا تھا۔ اسے کوئی خواہش، اشتیاق اور آرزو نہیں تھی۔

ابھئے بنیادی طور پر دیانت دار، قناعت پسند اور منکسر المزاج واقع ہوا تھا۔ زندگی نے

www.urduchannel.in

اسے اتنا نوازا تھا کہ وہ ہمیشہ شکر گذار رہتا تھا۔ اسے نصیب سے اچھی ماں ملی تھی اور بہت اچھی بیوی سے وہ نوزا گیا تھا۔ کم عرصے میں ہی اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ اس کا گھر جنت جیسا ہے۔ اس کا مکان مندر کی طرح ہے جہاں امن و شانتی کی روشنی ہوتی ہے۔ راحت و مسرت کا جہاں ڈیرا ہے۔ اس نے کالج کی پڑھائی ختم کرلی تھی اگر اسے کچھ وقت میسّر آجاتا تو اسے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی تفویض ہوجاتی۔ وہ کالج کے طلباء اور اساتذہ میں کافی مقبول اور ہر دل عزیز تھا۔ اس وقت بھی اسے عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا جب وہ آزادی کی تحریک میں شامل ہوا تھا۔ وہ لڑکیوں میں بھی یکساں طور پر ہر دل عزیز اور مقبول تھا۔ شانتا جیسی ذہین وفطین لڑکی اس کی فین تھی۔ جو وجیا کا سہارا بنی ہوئی تھی۔ دین بندھو جیسا مخلص اور وفادار شخص اس کا عزیز دوست تھا۔ جس نے ماں کو یہ کہہ کر تسلّی دی تھی کہ جب تک وہ زندہ ہے ماں کو تکلیف ہونے نہیں دے گا۔ ابھئے اس وسیع وعریض ملک میں زندگی گذار رہا تھا جہاں کے لوگ بے پناہ مخلص، محبت کرنے والے اور ہمدردی رکھنے والے تھے اور ان سب سے بڑھ کر اوپر والا بھی مہربان تھا جس کے زیر سایہ لوگ زندگی گذار رہے تھے۔

اسے مایوس نہیں ہونا چاہئے کہ اپنی ماں اور بیوی کو اس خوبصورت دنیا میں اکیلے چھوڑ کر جارہا ہے۔ اسے اب فکر کرنی چھوڑ دینی چاہئے۔ اس نے ایثار وقربانی کے جذبے سے بھگوان سے کہا۔ اس نے خود کو ایشور کے لئے وقف کردیا ہے اور اپنی قسمت پر قناعت کرتا ہے۔ سنت سورداس کہہ گئے! اسنے خود کو فنافی اللہ کردیا ہے اس لیے اب مقدر کے لکھے پر قانع ہے۔

”تونے جو عنایت کیا، اسے تحفہ سمجھ کر میں قبول کرتا ہوں۔ چاہے وہ زہر کا پیالہ ہو یا امرت۔ تو جو بھی عنایت کرے تیری مرضی، اے خدا! جتنا تو مجھے دے میرا فرض ہے کہ خوشی خوشی اسے قبول کرلوں“۔

www.urduchannel.in

باب(۵۲)

ملک کے طول وعرض سے وائسرائے کو ہزاروں خطوط بھیجے گئے جس میں ان سے درخواست کی گئی کہ ابھئے کی سزائے موت کو بدلا جائے۔ کئی وفود نے جس میں لیجسلیٹر زاور سرکردہ شہری شامل تھے وائسرائے سے ملاقات کی۔ لیکن وائسرائے نے اپنی مجبوری اور لاچاری کا اظہار کیا اور کہا کہ وہائٹ ہال سے جو حکم ہوگا وہی کیا جائے گا اور وہائٹ ہال کی جانب سے ایسے اشارے مل رہے تھے کہ حکومت ان لوگوں پر کوئی رحم نہیں کرے گی جنہوں نے کھلے عام برٹش حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی۔

لیکن لوگ آخر تک مایوس نہیں ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا آخری وقت تک ضرور کوئی نہ کوئی راستہ نکل جائے گا جس سے یہ سانحہ ٹل سکے گا۔ چودھری مجسٹریٹ کی بیوی نے تو اس نوجوان کی سلامتی کے لئے شتاچاندی کی پوجا شروع کردی تھی۔ دین بندھو اور لکشمی نے روزہ رکھا اور دعائیں کیں۔ ہر گھر میں بھگوان رُدرا کی پوجا ہو رہی تھی۔ مردوزن مسلسل بھکتی گیت گا رہے تھے اور ہر طرف رام نامہ پڑھا جا رہا تھا۔ کوئی قربانی کے دیوتا کی تو کوئی آگ کی پوجا کر رہا تھا، کوئی موت کے بھگوان یم دوت کی پوجا پاٹ میں مصروف تھا۔ ہر کوئی کوشش میں تھا اور دعائیں کر رہا تھا کہ کسی بھی طرح اس نوجوان کو موت کی سزا سے بچا لیا جائے۔

عورتیں بڑ کے درخت کی پوجا کر کے وجیا کے سہاگ کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ ہر کوئی اپنے عقیدے اور شردھا کے مطابق ابھئے کی سلامتی کے لئے دعائیں کر رہا تھا۔ یہ منظر واقعی حیرت میں ڈالنے والا اور دل ہلا دینے والا تھا کہ ایک محب وطن کے لئے پورے معاشرے میں کتنی ہمدردی اور فکر لاحق تھی۔ ملک کے ہزاروں مردوزن ایک ایسے نوجوان

www.urduchannel.in

کے لئے تڑپ رہے تھے جس نے اپنی زندگی ملک کے لئے نچھاور کردی تھی۔ یقیناً یہ جذبہ قابل قدر تھا۔ وجیا اور ماں اس انوکھے اور برجستہ احتجاج کو دیکھ کر جذباتی ہوئے جارہے تھے کہ عوام ابھئے کے لئے کتنی محبت اور ہمدردی رکھتے تھے۔ انہیں تسلّی ہورہی تھی کہ ان کا غم محض ان کا غم نہیں تھا بلکہ یہ بے شمار دلوں کا درد تھا جو آپس میں بانٹ لیا گیا تھا۔

کیا یہ دعائیں، اُپاس، پوجاپاٹ اور صدقہ ابھئے کے کچھ کام آسکتے تھے۔ کیا بھگوان دکھیوں اور غم زدہ لوگوں کی فریاد سن لے گا۔ ابھئے کی ماں امید اور مایوسی کے مابین سخت تکلیف اور اذیت محسوس کررہی تھی۔ کیا ہوگا بھگوان! کیا ہوگا او بھگوان!

"ماں! فی الحال کچھ نہیں ہوگا"، ماں کے پیچھے سے کسی کی آواز آئی۔

ماں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو یہ دیکھ کر وہ چونک گئی کہ طویل القامت سفید داڑھی اور الجھے بالوں والا ایک سادھو کھڑا تھا۔ پہلے وہ سہم سی گئی پھر اس کے دل میں احترام کا جذبہ پیدا ہوا۔ یہ بات آدھی رات کی تھی، اسے جھپکی بھی نہیں لگی تھی اور وہ اپنے بستر پر کروٹ بدل رہی تھی۔

"آپ کہاں سے آئے ہو بابا؟"، اس نے بڑی انکساری سے پوچھا اور "آپ کو یہ کیسے پتا کہ فی الحال کچھ نہیں ہوگا؟"

"میں مہادیو کی پہاڑیوں سے آرہا ہوں، ماں! جب تمھارا بیٹا ابھئے بھگوان شیو کی پوجا کرکے لوٹ رہا تھا تو میری کٹیا میں اس نے ایک رات قیام کیا تھا۔ میں نے سنا کہ اسے موت کی سزا ہوئی ہے۔ اسی لئے سوچا کہ تم سے مل لوں۔ اپنی کٹیا کو میں نے تیس برس سے نہیں چھوڑا تھا لیکن فرض کی ادائیگی زیادہ اہم ہے اس لئے مجھے یہاں آنا پڑا"، بوڑھے سنیاسی نے کہا۔

"بابا! میں آپ کی بڑی شکر گذار ہوں کہ آپ مجھے تسلّی دینے کے لئے اتنی تکلیف اٹھاکر یہاں تک آئے۔ آپ کو سب علم ہے اور آنے والے کل کی بھی آپ کو خبر ہے، کیا کچھ برا ہونے

www.urduchannel.in

والا ہے؟"

"ماں! کیا اچھا کیا برا؟ یہ تو ہماری سوچ پر منحصر ہے۔ آج جو شر نظر آرہا ہے ممکن ہے کل وہی خیر بن جائے اور آج ہم جس کو خیر مان رہے ہیں ممکن ہے کل ہمارے لئے وہی شر ثابت ہو جائے۔ اچھا یا برا یہ ہماری سوچ پر منحصر ہے لیکن انسان حقیقت کا کتنا ادراک رکھتا ہے؟"

"آپ بالکل صحیح فرما رہے ہیں، محترم! لیکن بیٹے کی محبت مجھ سے چھوٹ نہیں رہی ہے۔ اسی محبت نے مجھے روکا ہوا ہے"۔

"ماں! یہ سچ ہے، لیکن تمہیں اس محبت کو اسی وقت ختم کرنا ہوگا"۔

"ابھئے اب صرف تمھارا ہی بیٹا نہیں ہے بلکہ وہ عوام کا بیٹا ہے۔ بھارت ماتا کا بیٹا ہے۔ بھگوان اس کی حفاظت کرلے گا۔ تم اس کی فکر کیوں کرتی ہو؟ مقدر کے لکھے کو کوئی بدل نہیں سکتا اور ابھئے کو آج مرنا ہے کیونکہ آج اس کا مرنا طے ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سچائی ہے ماں کہ ابھئے کا اَمر ہونا بھی طے ہے۔ وہ تم کو بھی امر بنادے گا کیونکہ تم نے اس کو جنم دیا تھا۔ یہ میری طرف سے لکھالے لو ماں کہ ابھئے کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی"۔

"رات کا آخری پہر تھا اور گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن یہ اذیت و تکلیف، جانفشانی اور محنت و مشقت دراصل آزادی کے سورج کی کرنوں کے ابھرنے کا پیش خیمہ تھا جس کا جنم مشرق میں ہوگا۔ کیا تم نہیں سوچتیں کہ پیدائش کی یہ ٹیسیں کچھ اہمیت رکھتی ہیں؟ جھانسی کی رانی کو اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنے میں ایک صدی لگ گئی لیکن ابھئے کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ آج جارہا ہے لیکن آزادی کی دیوی کو ساتھ لے کر آئے گا جو خود اپنے آپ کو یہاں آنے کے لئے تیاری کررہی ہے۔ ماں اسے جانے دو۔ خوشی خوشی جانے دو کیونکہ وہ بھگوان کے مشن پر کام کررہا ہے"۔

www.urduchannel.in

"بابا! کیا واقعی ایسا ہے؟" ماں نے تھوڑا جوش و خروش سے کہا۔

"ہاں بہت کچھ! جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب قدرت کی منشا کے مطابق ہو رہا ہے۔ ابھئے کو کوئی مار نہیں سکتا اور نہ ہی وہ مر سکتا ہے۔ قدرت کے اس کھیل میں ہر شخص کی حیثیت کے مطابق اس کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ بھگوان نے ابھئے کا انتخاب ایک عظیم کار خیر کے لئے کیا ہے۔ جس کی مبارک باد دینے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ اس کے اس قابل تعریف کارنامے کو اپنی محبت پر قربان نہ ہونے دینا"۔

"قابل احترام بابا! میں سمجھ گئی"، بوڑھی ماں نے ہاتھ جوڑ کر بڑے ادب کے ساتھ کہا۔

"میں ایک ایک بات سمجھ گئی اب مجھے کوئی شکوہ شکایت نہیں ہے"۔

"بھگوان تم پر مہربانی کرے ماں! تم تو بھاگوتی دیوی کی اوتار ہو۔ میں تمھارے سامنے سر جھکاتا ہوں"، سادھو نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور جانے کی تیاری کرنے لگے۔

تبھی ماں نے کہا، "بابا! جانے سے پہلے کچھ کھا لیجئے"۔

"نہیں! کوئی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اب نکل جانا چاہئے" اور سادھو بغیر پیچھے دیکھے تیزی سے نکل گئے۔ ماں کو رات کے سناٹے میں کچھ دیر تک ان کے کھڑاؤں کی آواز آتی رہی۔

وہ بہت دیر اسی سمت دیکھتی رہی جدھر سادھو بابا جا رہے تھے۔ ماں نے زمین پر احتراماً سر جھکا دیا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور گھڑی دیکھی اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔

ماں کو پھر نیند نہ آئی اور وجیا بھی جاگتی رہی۔ ماں اٹھ بیٹھی اور مورتی کو اپنے سامنے رکھ کر اس کی پوجا کرنی شروع کر دی۔ وجیا اپنے بستر پر ہی خاموش لیٹی اندھیرے کو گھورتی رہی۔ اسے بھاری پن اور مایوسی محسوس ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے اسے کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا

www.urduchannel.in

تھا۔ اسے زبردست خالی پن کا بھی احساس ہو رہا تھا۔

صبح کے ساڑھے چھ بج رہے تھے کہ اچانک انہیں جوتوں کی آوازیں آئیں اور ایسا لگا جیسے کوئی ان کے گھر میں داخل ہو رہا ہے، جیل کے دو وارڈن آ رہے تھے، انہوں نے آتے ہی کہا۔

"ابھئے کمار کو آج پھانسی ہونے والی ہے، صبح سویرے، اگر ان کے رشتہ دار ان کی لاش لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں۔ ماں تو بت بنی بیٹھی رہی، اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے لیکن وجیا نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ کہا، "ہاں! ہمیں باڈی چاہئے۔ ہم آٹھ بجے اس کے لئے آجائیں گے"۔

www.urduchannel.in

باب(۵۳)

ابھئے کی پھانسی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ رنج وغم میں ڈوب گئے۔ سب اپنے ہاتھوں کا کام چھوڑ چھاڑ کر پاگلوں کی طرح جیل کی طرف بھاگنے لگے۔ مردوزن، بوڑھے جوان یہاں تک کہ بچے بھی جیل کی طرف دوڑ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جیل کے دروازے کے سامنے کا میدان لوگوں سے بھر گیا۔ لوگوں کے چہروں پر رنج وغم اور غصّہ کے آثار نمایاں نظر آرہے تھے۔ زیادہ تر لوگ تو ایسے بھی تھے جو صبح سو کر اٹھے اور بغیر منہ ہاتھ دھوئے ادھر بھاگے چلے آئے۔

جیل کے آفیسر عوام کا مزاج دیکھ کر ذرا پریشان تھے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ پھانسی کی خبر کا اس قدر تیزی سے ردّعمل ہوگا۔ ان کے دماغ اندیشوں سے بھرے ہوئے تھے۔

لوگوں کو تعجب ہو رہا تھا کہ باڈی، رشتہ داروں کو سونپنے کا حکم نامہ اتنی جلدی کیسے نکل گیا کیونکہ گورنمنٹ کا تو سارے معاملے میں انتقامی رویہ رہا تھا۔ اس لئے انہیں ان سے انسانی ہمدردی کی کوئی توقع نہیں تھی۔ پھانسی کی تاریخ اور وقت کے تعین کے بعد ابھئے کی کیفیت اور طبیعت کے متعلق گورنمنٹ کو صبح وشام رپورٹ دی جارہی تھی اور ان رپورٹوں پر گورنمنٹ ہاؤس اور سیکریٹریٹ بھی گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ ہندوستانی آفیسرز کی رائے تھی کہ جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ابھئے کے انتم سنسکار (آخری رسومات) کے بعد باڈی رشتہ داروں کے حوالے کی جانی چاہئے۔ گورنمنٹ نے ہر طرح کی من مانی کی تھی پھر چھوٹی سی رعایت دینے میں آخر کیا ہرج ہے؟ شاید عوام اس سے خوش ہوجائیں۔ اس معاملہ میں انگریز آفیسرز میں

www.urduchannel.in

اختلاف ہوگیا۔ ایک گروپ ہندوستانی آفیسرز کا حامی تھا لیکن اس کی وجہ کچھ اور تھی۔ ان کا خیال تھا کہ باڈی کو جلوس کی شکل میں لے جانا چاہئے تاکہ عوام میں دہشت پیدا ہو اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ گورنمنٹ سے بغاوت کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن دوسرا گروپ اس سے اختلاف رکھتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ میت جلانے کا کام جیل کی چہار دیواری کے اندر خاموشی سے کیا جائے اور صرف رشتہ داروں کو اس کی اطلاع دی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ جلوس اور احتجاج سے عوامی امن و سکون برباد ہونے کا خدشہ بنا رہے گا۔

چونکہ ابھئے کی پھانسی کی اطلاع گورنمنٹ کے ہاتھوں میں تھی اس لئے یہ طے پایا کہ پھانسی کے بعد باڈی رشتہ داروں کو سونپی جائے۔ رپورٹ میں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ جب رات کے تین بجے تھے تو ابھئے کو جگایا گیا اور اسے بتایا گیا کہ آج پانچ بجے اسے پھانسی دی جانی ہے۔ اس وقت ابھئے بالکل پرسکون اور مطمئن تھا۔ اس نے خود سے منہ ہاتھ دھویا اور صبح کی ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد غسل کیا اور گیتا پڑھنے بیٹھ گیا۔ اس نے ساتویں بند کا دوسرا حصّہ پڑھا:

جان لو! روح جو کائنات میں سرایت کیے ہوئے ہے اس کو کبھی زوال نہیں ہے۔
وہ لازوال اور دیرپا ہے۔
اگر گھڑا پھوٹ بھی جاتا ہے تو اس کے اندر کی ہوا کو زوال نہیں ہے۔
آئینہ اگر ٹوٹتا ہے تو عکس معدوم ہوتا ہے لیکن پارہ نہیں!
اسی طرح جسم فنا ہو سکتا ہے لیکن اس کے اندر کی روح کو زوال نہیں ہے۔
جسم میں مقید روح غیر فانی ہے، اُسے تباہ نہیں کیا جا سکتا، وہ ناقابل پیمائش ہے۔
لیکن وہ اجسام جن میں روح مقید ہے، فنا پذیر ہیں۔

www.urduchannel.in

اس لئے لڑو، جدوجہد کرو بھرت!

جو یہ خیال کرتے ہیں کہ روح مر سکتی ہے یا ماری جا سکتی ہے،

وہ سچ نہیں جانتے کہ روح نہ مرتی ہے نہ ماری جا سکتی ہے۔

روح نہ پیدا ہوتی ہے نہ اسے موت واقع ہوتی ہے۔

وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی وہ دائمی ہے اسے بدلا نہیں جا سکتا۔

جب جسم مرتا ہے تب بھی اسے کوئی نہیں مار سکتا۔

اس میں سوراخ کیا جا سکتا ہے نہ اسے ہتھیار سے کاٹا جا سکتا ہے۔

آگ اسے جلا نہیں سکتی، پانی اسے گیلا نہیں کر سکتا۔

اور ہوا اسے سکھا نہیں سکتی۔

حقیقت میں روح میں نہ سوراخ ہے، نہ وہ جلی ہوئی ہے۔

نہ وہ گیلی ہے نہ سوکھی ہے۔

وہ تو دائمی ہے، سرایت کرنے والی اور جذب ہونے والی ہے۔

ساکن و بے حرکت ہے، مستحکم اور مضبوط ہے۔

اور نہ اس کے عہد اور وقت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

وہ عقل و شعور سے پرے ہے۔

اسے بدلا نہیں جا سکتا۔

اور اس لیے اے ارجن! ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے بھی تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم روح کے نقصان پر غمگین ہو جاؤ۔

حقیقت میں روح کا کبھی نقصان نہیں ہوتا حالانکہ جسم کا نقصان ہوتا ہے۔

www.urduchannel.in

ابھئے جب گیتا کے یہ شلوک پڑھ رہا تھا پہرے دار ہاتھ باندھے بالکل ساکت کھڑے اسے غور سے سن رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

جیل کا سپرنٹنڈنٹ آیا اور اس نے پوچھا، ''تمھاری آخری خواہش کیا ہے؟''

''میرا ملک، حکومت برطانیہ سے آزاد کیا جائے''۔

''یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ لیکن اگر تمھاری کوئی ذاتی خواہش ہو تو میں اسے پوری کرنے کی کوشش کروں گا''۔

''ذاتی خواہش! نہیں، کچھ بھی نہیں!''

''تم اپنی باڈی کا کیا کروانا چاہو گے؟''

''اگر آپ اسے میرے رشتہ داروں کو سونپ دیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ میری سزا کے بعد وہ مجھے زندہ نہیں دیکھ سکیں گے اس لئے کم از کم مجھے مردہ تو دیکھ لیں''۔

''ٹھیک ہے یہ کر دیا جائے گا، اب ہمیں جانا چاہئے وقت ختم ہو چکا ہے''۔

ابھئے فوراً اٹھا، اس کے ہاتھ باندھ دئے گئے۔ ایک بڑی سی کالی ٹوپی اس کے سر پر ڈال دی گئی جس سے وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے اطراف اندھیرا چھا گیا، ایسا اندھیرا جہاں سے وہ کبھی لوٹ نہیں سکتا تھا۔ لیکن اس کے دل میں اور روح میں ایک دائمی اور ابدی روشنی تھی جو اسے متحرک اور خوش کر رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ دعا کر رہا تھا۔

''اوم، مجھے جھوٹ سے سچ کی طرف اور اندھیرے سے روشنی کی طرف لے چل۔ موت سے ابدیت کی جانب رہنمائی کر''۔

اس کے بعد تمام کاروائی بڑی تیزی سے ہوئی۔ اسے ایک پلیٹ فارم پر لے جایا گیا جہاں پھانسی کے لئے ایک تختہ بنا ہوا تھا۔ اس جگہ پر سفید چاک سے دائرہ بنا دیا گیا تھا۔ اس

www.urduchannel.in

کے پیر باندھ دیئے گئے تھے۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ کسی نے اس کی گردن میں ٹھنڈا سا پھندا ڈالا۔

وہ چلّایا، ''ہندوستان کی آزادی، زندہ باد!''

کوئی چیز اس کی گردن میں بڑی قوت اور پھرتی سے کھینچی گئی۔ وہ تختہ جس پر وہ کھڑا تھا دھڑام سے نیچے گر گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ کسی نے اس کی گردن میں گرم لوہے کی سلاخ گھسا دی ہو۔ اسے سخت چبھن محسوس ہوئی پھر وہ بے ہوش ہوگیا، پھر خاموشی۔ دائمی و ابدی خاموشی!

باڈی بے حس و حرکت لٹکی رہی۔ حلق سے خرخر کی آوازیں آنے لگیں۔

اس کی آخری خواہش کے پیش نظر اس کی باڈی رشتہ داروں کے حوالے کردی جائے گی۔

جب یہ فیصلہ لیا گیا انسپکٹر جنرل آف پولس جو انتہائی کٹر انگریز تھا باہر کہیں گیا ہوا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میت کا جلوس نکلنے والا ہے تو وہ بھاگے بھاگے آیا اور پرزور طریقے سے اس فیصلہ کے خلاف بولنے لگا۔ وہ اپنی رائے پر قائم تھا کہ اگر میت کا جلوس نکالا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے آپ باغیوں کو دعوت دے رہے ہیں۔

اس درمیان جلوس کمپاؤنڈ سے نکل چکا تھا اور شاہراہ پر پہنچ چکا تھا۔ باڈی ایک بڑے سے قومی ترنگے جھنڈے میں لپٹی ہوئی تھی اور اس پر پھولوں کا انبار تھا۔ کالی داڑھی میں ابھئے کا گورا گورا چہرہ پر نور نظر آرہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کوئی نوجوان سنیاسی گیان دھیان میں ہو۔ اس کا چہرہ پر سکون اور مطمئن لگ رہا تھا۔ اس چہرہ پر تکلیف یا صدمے کی شکن تک نہیں تھی۔ لوگوں نے جب اسے دیکھا تو ان کے دلوں میں ایک نامعلوم سی تھرتھراہٹ محسوس ہوئی۔ یہ

www.urduchannel.in

صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا وہ بلک بلک کر رو رہے تھے۔

وجیا ارتھی سے بالکل لگ کر چل رہی تھی۔ اس نے سفید ساڑی پہن رکھی تھی۔ اس نے جوتے نہیں پہنے تھے اور ماتھے کا سندور بھی غائب تھا۔ وہ حیران و پریشان اور بدحواس لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس کی بغل میں شانتا چل رہی تھی اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ جلوس کے آگے دین بندھو چل رہا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں مٹی کا کالا کٹورہ تھا جس میں آگ تھی تو دوسرے ہاتھ سے وہ اپنے آنسوؤں کو پونچھ رہا تھا جو مسلسل بہے جا رہے تھے۔ وہ ایک مجبور تنہا اور قابل رحم شخص تھا، وہ درد و غم کی مجسم تصویر نظر آ رہا تھا۔

تقریباً چالیس سے پچاس ہزار لوگ اس جلوسِ جنازہ میں شریک تھے۔ بہت سی عورتوں کی گودوں میں چھوٹی بچیاں تھیں جو بے تحاشا چلا رہی تھیں۔ بڑے بچے اس لئے چیخ رہے تھے کیونکہ ان کی مائیں رو رہیں تھیں۔ جلوسِ جنازہ میں مجسٹریٹ کی بیوی، جیل کے وارڈرز کی بیویاں، جونیر آفیسرز وغیرہ بھی بڑی تعداد میں شریک تھے۔ تمام ننگے سر اور ننگے پیر ہی چل رہے تھے۔ اکثر کی زبان پر تھا کہ ہم نے ایسا عظیم الشان جلوسِ جنازہ اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی شہنشاہ کا آخری سفر ہو۔

جلوسِ جنازہ طویل راستہ طئے کرتا ہوا شمشان گھاٹ پہنچ رہا تھا۔ کئی بڑے لیڈرز کا خیال تھا کہ طویل راستہ سے جلوس جائے گا تب تک وہ شارٹ راستے سے گھاٹ تک پہلے ہی پہنچ جائیں گے۔ یہاں انسپکٹر جنرل آف پولس کا دماغ خراب ہو گیا۔ وہ واپس لوٹا اور وہاں سے گورنمنٹ ہاؤس گیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور پولس کے افسران کی کوشش تھی کہ جلوس میں شریک لیڈرز ارتھی کو شہر میں گھماتے ہوئے نہ لے جائیں بلکہ شارٹ راستے سے گھاٹ لے

www.urduchannel.in

جائیں۔ لیکن لیڈرز نے جواب دیا کہ شہریوں کی خواہش ہے کہ وہ شہید کا آخری دیدار کرنا چاہیں گے۔ جس کا مطلب صاف تھا کہ دو تین گھنٹہ کی تاخیر ہوگی۔ امن وامان میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں ہوگا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے یہ خبر اعلیٰ افسران تک پہنچادی۔ ان کو حالات پر اطمینان نہیں ہورہا تھا۔ انہوں نے شہر میں دفعہ ۱۴۴ لگادی اور جلوسِ جنازہ کے راستہ کا تعین بھی کردیا۔ حکم کے مطابق جلوس کو دوسرے راستے سے لے جانے پر پابندی تھی۔

لوگ پہلے ہی جذبات سے مغلوب تھے اس حکم نامہ نے انہیں مزید بھڑکا دیا۔ انہوں نے حکم ماننے سے انکار کردیا اور جلوس لیڈرز کے طے شدہ راستے سے ہی گذر رہا تھا۔ پولس کی گاڑیاں حرکت میں آگئیں۔ پولس کانسٹبل یونی فارم پہنے ٹرک میں بھر بھر کر موقع پر پہنچنے لگے ان کے ہاتھوں میں بندوقیں اور لاٹھیاں تھیں۔ حالات کشیدہ ہوگئے اور ٹینشن بڑھنے لگا۔

جلوسِ جنازہ آگے بڑھ رہا تھا۔ پولس نے پہلے تو اسے روکنے کے لئے رسیوں کا گھیرا بنایا لیکن عوام نے اسے توڑدیا۔ پھر پولس نے ہوائی فائرنگ کی۔ بھیڑ پناہ لینے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔ رضاکاروں نے میت کو گھیرے میں لے لیا تاکہ پولس کے حملے سے اسے بچا سکیں۔ پولس اور رضاکار آمنے سامنے آگئے اور ایک دوسرے کو دھکا دینے لگے۔ پولس نے پھر سے ہوا میں فائرنگ کرنی شروع کردی۔

اس آپادھاپی میں بھی وجیا اور شانتا نے ارتھی کے بانس کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ لیکن بھگدڑ اس قدر تھی کہ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ شانتا اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وجیا کی حفاظت کررہی تھی۔ لیکن پولس کا ایسا زبردست دھکا لگا کہ وجیا گرگئی۔ پولس کے بھاری بھرکم جوتوں سے وجیا کے پیر کچل گئے وہ برداشت نہ کرپائی، اس نے شانتا کا

www.urduchannel.in

ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔ اس نے زور سے چیخا، ”مجھے بچاؤ میں مری!“

شانتا نے فوراً رضا کاروں کو اشارہ کیا۔ وہ دوڑے اور وجیا کو سہارا دیا۔ وجیا کا سر نیچے کی طرف لڑھک گیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

کوئی زور سے چلّایا، ”وجیا کچل گئی ہے!“، لوگ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ اسے تازہ ہوا مل سکے۔ ”پانی لاؤ، پانی لاؤ!“ کچھ پانی لانے کے لئے لپکے اور کچھ لوگ ڈاکٹر کو لانے کے لئے دوڑے۔ ایک قریبی دکان سے ایک تولیہ لایا گیا جس کو فوراً پانی میں بھگو کر وجیا کے سر پر رکھا گیا۔ کچھ لوگ کپڑے سے ہوا کرنے لگے۔ جلوس پوری طرح تھم چکا تھا۔

اس حادثہ کے بعد پولس آفیسر اور مجسٹریٹ بھی تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر گئے۔ انہوں نے سوچا اگر اس خاتون کو دل کا دورہ پڑ جائے اور یہ مر جائے تو بڑی مصیبت آن کھڑی ہوگی۔ انہوں نے فوراً افسران سے رابطہ قائم کیا۔ جلوس کا ممنوع راستہ فوراً کھول دیا گیا۔

وجیا کو بے ہوشی کی حالت میں ایک نیم کے پیڑ کے نیچے لایا گیا، سفید چادر بچھائی گئی اور اس پر وجیا کو لٹایا گیا۔

وجیا سات ماہ کی حاملہ تھی۔ صدمہ، تفکر اور جسمانی تناؤ سے اس پر خراب اثر پڑا تھا۔ اچانک اسے بلیڈنگ ہونے لگی۔

ایک پولس آفیسر وہاں پہنچا جب اس نے وجیا کی حالت دیکھی تو اس نے لوگوں سے وجیا کو سرکاری ہسپتال اپنی کار سے لے جانے کی اجازت مانگی۔ اسی لمحہ وجیا نے آنکھیں کھولیں اس نے سر کے اشارے سے انکار کر دیا۔ آفیسر نے تشویش کا اظہار کیا اور اپنا سر کھجاتا ہوا چلا گیا۔

بہت جلد ایک اور ڈاکٹر آیا اور وجیا کو ایک لیڈی اسپتال میں لے کر جانے لگا۔

شانتا نے دین بندھو سے کہا، ”تم میت کے ساتھ آگے بڑھو اور شمشان گھاٹ پر آخری

www.urduchannel.in

رسومات کی تیاری کرو۔ میں وجیا کے ساتھ رہتی ہوں کیونکہ ایسی حالت میں اسے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا"۔

اب جب کہ جلوس سے راستے کی پابندی ہٹالی گئی تھی اس لئے بغیر کسی رکاوٹ کے آہستہ آہستہ جلوس گھاٹ کی طرف روانہ ہوا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں جلوس گھاٹ پر پہنچ گیا۔

ہسپتال میں ایک لیڈی ڈاکٹر نے وجیا کو فوراً ایک انجکشن دیا اور اس کا علاج شروع کر دیا۔ نرسیں اور دو مشہور لیڈی ڈاکٹرز نے جیسے ہی اس حادثے کی خبر سنی تو وہ بھی دوڑے بھاگے پہنچ گئیں۔

ہر پندرہ منٹ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ وجیا کی کیفیت معلوم کر رہا تھا۔ باوجود انجکشن کے وجیا کو جب ہوش نہیں آیا تو ایک کار بھیج کر ماں کو ہسپتال بلوالیا گیا۔ ماں کو ابھئے کے انتقال کا اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہو چکی تھی لیکن وجیا کی بیماری کا سن کر وہ لرز گئی وہ پاگلوں کی طرح کرنے لگی۔ وہ دوڑتے بھاگتے جیسے ہی پہنچی تو اس نے بڑی دردمندی سے پوچھا "کیا ہوا میری بیٹی کو؟"

ایک ڈاکٹر نے کہا، "ذہنی اور جسمانی تناؤ کی وجہ سے اسے خون جاری ہو گیا ہے۔ ہم نے خون بند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے"۔

ماں جانتی تھی کہ وجیا کو ساتواں مہینہ لگ چکا تھا۔ بھگوان بہتر جانتا ہے کہ وہ ایسی نازک حالت میں مہینے پورے کیسے کر پائے گی۔

ماں نے اپنی گود میں وجیا کا سر رکھا۔ اسے دوائیں مسلسل دی جا رہی تھیں مگر وجیا کسی قسم کا رسپانس نہیں دے رہی تھی۔ آخر ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ اسے جریانِ خون کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔

شانتا نے پوچھا، "کیا دیسی دوائیں اس میں کارگر ثابت ہو سکتی ہیں؟ کیا میں کسی

www.urduchannel.in

ہومیوپیتھ کو دکھا سکتی ہوں؟ میں فوراً ڈاکٹر صاحب کو کار میں لاتی ہوں"۔ وہاں موجود لیڈی ڈاکٹر نے کہا، "ہاں تم جتنی جلدی لا سکتی ہو تو لے آؤ۔ اگر تم نے اسے بچا لیا تو ہمیں بڑا اطمینان ہو جائے گا"۔

شانتا نے فوراً ایک مشہور آیورویدکو بلایا جو سوامی رام کرشنا مشن سے منسلک تھا وہ ہومیوپیتھک دوائیں بھی دیتا تھا۔ وہ فوراً پہنچ گیا۔ اس نے ہر ممکنہ کوشش کی لیکن وجیا نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ تین چار مہینوں سے برائے نام کھانا کھاتی تھی یہ سمجھو بس وہ زندہ رہنے کے لئے تھوڑا سا کھا لیتی تھی۔ وہ بڑی دلیری اور صبر کے ساتھ ساری پریشانیوں کو برداشت کر رہی تھی۔ لیکن اب وہ اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ سانس لینا بھی مشکل سے ہو رہا تھا۔ حالات اتنے تشویش ناک تھے کہ اب اس نے زندگی کی خواہش ہی چھوڑ دی تھی۔ علی الصبح اس کے محبوب سے زندگی نے رخ موڑ لیا تھا، وہ محبوب جو اس کی سانس اور جان تھا۔ دونوں کے دل مکمل ہم آہنگی کے ساتھ دھڑکتے تھے، دونوں کی روحیں ایک تھیں گویا ایک ہی قوتِ حیات دونوں میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ یہ دل اور روح کا ملن تھا جہاں دوئی اور جدائی ختم ہو جاتی تھی۔ کوئی تعجب نہیں کہ اس کے تاج دار نے جس لمحہ آخری سانس لی ہو اسی لمحہ اس کی زندگی کی لو بھی مدھم ہو گئی ہو اور زندہ رہنے کی اس کی ساری آرزو بھی ختم ہو چکی ہو۔

تین گھنٹہ کی شدید مشقت اور علاج کے باوجود بھی وجیا جانبر نہ ہو سکی اور اس نے ماں کی گود میں ہی داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ ابھئے کی ماں نے اپنی بہو کو محبت و ہمدردی سے ایسا سرشار کر دیا تھا کہ اس کی سگی ماں بھی اسے اتنا پیار نہیں دے سکتی تھی۔ اس دلخراش خبر سے ماں پر بجلی گر پڑی اور صدموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اے بھگوان، اے میرے بھگوان! مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے؟ تم نے مجھے بھی ساتھ ہی کیوں نہیں اٹھا لیا؟

www.urduchannel.in

شانتا نے ماں کو سنبھالا اور انہیں تسلّی دی اور پھر وجیا کو ایک سفید چادر سے ڈھانک دیا پھر ایک خاتون رضا کار کے ساتھ ماں کو گھر بھجوانے کا انتظام کروایا اور دین بندھو کو بھی اطلاع دی کہ چتا کو ذرا بڑا بنائیں تاکہ دو لوگوں کے کام آسکے۔

دین بندھو نے جیسے ہی یہ خبر سنی وہ حواس باختہ ہوگیا اور بے ہوش ہوگیا۔ جب کارکنوں نے اس پر ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ کیا تو تقریباً دس منٹ کے بعد اسے ہوش آیا۔

جلوس میں شامل عورتیں کہہ رہی تھیں کہ وجیا خدا رسیدہ خاتون تھی۔ ستی ساوتری کی اوتار تھی۔ بعض تو یہ بھی کہتی سنی گئیں کہ ''ہم بھاگیہ شالی ہیں کہ ہمیں اس کے درشن نصیب ہوئے''۔

شہر کے کونے کونے سے لوگوں کا ہجوم اُمڈ پڑا۔ لوگ دونوں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ آس پاس کے گاؤں کے لوگ بھی جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ جیسے ہی یہ خبر دور دراز علاقوں میں پہنچی آخری دیدار کے لئے لوگ ٹوٹ پڑے۔ اس کی وجہ سے چتا جلانے میں بھی تاخیر ہوگئی۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیلا چاہتا تھا۔ دین بندھو نے چتا کو اگنی دی، پنڈت، گیتا کے شلوک پڑھ رہے تھے۔ بہت بڑی چتا بنائی گئی تھی جس میں صندل اور دوسری خوشبودار لکڑیوں کا استعمال ہوا تھا۔ اس پر ابھئے کمار کی نعش رکھی گئی تھی جو سفید و شفاف کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی یوگی آرام سے سو رہا ہے۔ انتہائی خاموش، دائمی، ابدی اور پرسکون انداز میں اس کی نعش رکھی ہوئی تھی۔

اس کے بغل میں وجیا کی نعش پیلی ساڑی میں ملبوس رکھی ہوئی تھی۔ اس کے ماتھے پر ایک موٹا ٹیکا لگا ہوا تھا اور اس کی گردن کے ارد گرد پھولوں کی مالائیں پڑی تھیں۔

www.urduchannel.in

جو بھی اسے دیکھتا احتراماً اپنی گردن جھکا لیتا اور زار و قطار رونے لگتا۔

جیسے ہی دین بندھو نے ابھئے کمار اور اس کی بیوی کی چتا کو اگنی دی ''امر ہو'' کا فلک شگاف نعرہ فضا میں گونج اٹھا۔

''محبِ وطن زندہ باد!''، ''پاکیزہ خاتون، زندہ باد!'' کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ چتا کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

ایک کے بعد ایک لوگ چتا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ آگ کے شعلوں میں کچھ لکڑیاں ڈالتے اور دونوں ہاتھوں کو احتراماً جوڑتے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے خراج عقیدت و محبت پیش کرتے۔

ایک کے بعد ایک سارا مجمع چھٹنے لگا۔ لیکن جاتے ہوئے ہر کوئی جلتی ہوئی چتا کی طرف دیکھنا نہیں بھولتا تھا۔

دین بندھو، شانتا اور ایک کارکن آخر میں وہیں ٹھہر گئے تھے۔ چتا بڑی تیزی سے جل رہی تھی۔ شعلے آسمان کی طرف لپک رہے تھے۔ شانتا سوچ رہی تھی، کیا یہ شعلے ہندوستان کی آزادی کی فتح کے نقیب نہیں بن سکتے؟ مستقبل کی کوکھ میں کیا جنم لینے والا ہے وہ صرف اور صرف قادر مطلق ہی جانتا ہے۔

شعلے مزید بھڑک گئے اور ایک دوسرے کے تعاقب میں خوب اچھل رہے تھے۔ دین بندھو اور شانتا کچھ ستانے قریب ہی ایک نیم کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ان کی نظر ایک نابینا فقیر پر پڑی جو ایک تار کا تمبورہ لے کر بیٹھا تھا۔ شانتا کے پیروں کی آواز جب اس نے سنی تو نابینا فقیر نے پوچھا، ''کون ہے؟''

''ہم یہاں انتم سنسکار کے لئے آئے ہیں''۔

www.urduchannel.in

"اس کے لئے جس کو آج پھانسی دی گئی"۔

"جی ہاں!"

"اس کی بیوی کی روح بھی اس کیساتھ پرواز کر گئی۔ وہ میرے نزدیک سچی ستی تھی"۔

"جی ہاں بابا! وہ ستی تھی وہ اپنے شوہر کی پھانسی کے چند گھنٹے کے بعد ہی پرلوک سدھار گئی"۔

"ہمیں ان پر ناز ہے، فخر ہے۔ دونوں روحیں بڑی مقدس و پاکیزہ تھیں اور ہندوستان ان پر ناز کرتا ہے کہ ایسی مقدس روحوں نے اس کے دامن میں جنم لیا۔ یاخدا! واہ کیسی سعادت مندی اور خیر و برکت!" پھر نابینا فقیر نے سنت کبیر کا ایک گیت چھیڑ دیا:

یہ بنجر اور بانجھ زمین ہے، یہ رہنے لائق نہیں ہے

وہ مرثیہ کے انداز میں گائے جارہا تھا، گانے میں وہ ایسا مشغول تھا کہ اسے آس پاس کے لوگوں کا خیال بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنا گانا جاری رکھا۔

یہ دنیا سوکھے جھاڑ جھاڑی کی مانند ہے، جسے جلاؤ اور راکھ کرو

شانتا خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ اس کی نظر جلتی ارتھی اور اگنی کی طرف چلی گئی اور وہ زار و قطار رونے لگی۔ نابینا گلوکار اچانک رک گیا اور کہنے لگا، "کیا تم رو رہی ہو؟"

"ہاں بابا! مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے"۔

"بے وقوف لڑکی! یہ وقت بلکنے کا ہے یا شادمانی کا ہے؟ بہت سے سنت فقیر تو اس وقت صدقہ کر رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں کیونکہ دو روحیں آج کے دن آپس میں مل گئی ہیں۔ مجھے غور سے سنو۔ آج جو آہ وزاری کرے گا کل مسکرائے گا اور آج جو ہنسے گا کل ضرور روئے گا۔ یہ قدرت کا فیصلہ ہے اور اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ پھر تم کیوں روتی ہو؟ یہ وقت آہ

www.urduchannel.in

وبکاہ کا نہیں ہے، جشن منانے کا ہے"۔ اس نے پھر گانا شروع کر دیا۔

دل جب خوشی سے جھوم رہا ہو تو زباں پھر کیوں بولے ؟
تمہیں جب ہیرا میسّر ہو اور تم نے اسے محفوظ رکھ لیا ہو
تو اس کی نمائش بار بار کیا ضرور ہے ؟
راج ہنس مان سرور کے پاس خود آپہنچا ہے
پھر وہ گندے حوض اور گندے گڑھے میں کیوں جائے ؟
اس لئے اے شریف انسانو، سنو کبیر کیا کہتا ہے۔
تمہیں جب بادشاہوں کا بادشاہ مل گیا ہے۔
پھر کوئی چھوٹی مچھلیوں کے پیچھے کیوں بھاگے ؟
دل جب خوشی سے جھوم رہا ہو تو زباں پھر کیوں بولے ؟

شانتا اور اس کے ساتھیوں نے نابینا فقیر کا حب الوطنی سے بھرا گیت سنا تو انہیں بڑا سکون محسوس ہوا۔ چتا اب مکمل جل چکی تھی اور اب ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

شانتا اٹھی اور چتا کے قریب پہنچی اس نے وہاں سے ایک چٹکی راکھ اٹھائی اور اپنے ماتھے پر لگالی۔ پھر وہ چتا کے آگے سجدہ ریز ہو گئی اور بولی۔

"اے ہندوستان کی آزادی کے وفادار پرستاروں! سلام ہو تم پر! آفرین ہو تم پر! خدا کرے کہ تمھارے خواب جلد شرمندہ تعبیر ہو جائیں"۔

دین بندھو اور رضا کار نے بھی شانتا کی طرح سجدہ تعظیم پیش کیا۔

اس رات انگریز ڈی آئی جی پولس نے اپنی بیوی سے کھانے کے ٹیبل پر تسلیم کیا کہ اب ہندوستان کو زیادہ دنوں تک غلام بنا کر نہیں رکھا جا سکتا۔

www.urduchannel.in

گورنمنٹ کے حلقوں میں بھی ابھئے کمار اور اس کی بیوی کی عظیم قربانی کے چرچے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ان کا زخم جلدی بھرنے والا نہیں ہے۔ مقامی اخباروں نے موت کے المیہ کی خبریں، جلوسِ جنازہ کی تفصیلات اور پولس کی رخنہ اندازی اور پھر آخر کار چتا کو اگنی دینے کی ساری خبروں کو تفصیل سے شائع کیا۔

اخباروں کے آخری صفحات پر ایک سنسنی خیز خبر شائع ہوئی تھی کہ اسپیشل مجسٹریٹ مسٹر چودھری اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

www.urduchannel.in

باب(۵۴)

ماں کی زندگی کا سارا مزہ جاتا رہا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اب وہ اپنی زندگی کے آخری ایام گنگا کے کنارے گذار دے گی۔ شانتا نے خوب منت سماجت کی کہ ماں نہ جائے وہ خود اس کی دیکھ بھال کرلے گی۔ لیکن ماں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے کہا، ''میری بچی مجھے مت روک! بھگوان نے میرے سارے بندھن کھول دئے ہیں، مجھے لگتا ہے کہ اس کی مرضی یہی ہے کہ میں بھی دنیا چھوڑ دوں۔ مجھے کاشی جانے دے، مجھے وہاں سکون ملے گا، مجھے مجبور مت کر میری بیٹی!''

ماں کو جو کچھ سہنا پڑا تھا اس کا خیال کرتے ہوئے شانتا اس کا راستہ نہ روک سکی۔

ماں نے گھر کا پورا سامان شانتا کے سپرد کر دیا اور اپنے پاس بھگوان کی تصویر، کچھ مذہبی کتابیں اور پوجا کا سامان رکھ لیا۔

www.urduchannel.in

باب(۵۵)

کاشی میں وششو میگھ گھاٹ پر کئی لوگوں نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا کہ وہ گیتا اور رامائن پڑھتی اور درمیان میں وہ چرخہ بھی چلاتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ دنیا سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ صرف گنگا میں اشنان کرنا، پوجا کرنا اور گیان دھیان میں لگا رہنا یہی اس کا معمول تھا۔ وہ کسی سے بات کرتی اور نہ ہی وہ کہیں جاتی تھی۔ وہ ایک شکستہ حال مندر کے چبوترے پر بیٹھی رہتی اور اپنے روزمرہ کے معمولات میں مشغول رہتی تھی۔

کبھی کبھی وہ ہاتھ سے بُنا کپڑا بیچ دیتی تھی جس سے اسے کچھ آمدنی ہوجاتی تھی۔ بعض اوقات کچھ لوگ اسے خیرات دے دیتے یا پھر کبھی کوئی کھانے کے لئے دے دیتا تھا۔ اس طرح اس کی زندگی کے شب وروز گذر رہے تھے۔ کبھی کبھار وہ اُپاس بھی رکھ لیتی تھی۔ اسے یہاں کوئی تکلیف نہیں تھی بلکہ انتہائی ذہنی سکون اور اطمینان اسے یہاں میسّر تھا۔

دن، مہینوں اور مہینے برس میں تبدیل ہورہے تھے۔ لیکن اس بوڑھی عورت کے معمولات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اپنے معمولات میں ایسی محو تھی کہ اسے باہر کی دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایک دن کسی نے اس سے کہا انگریز ہندوستان چھوڑ دیں گے اور ہمارا وطن اب آزاد ہوگا۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو وطن عزیز ہندوستان اپنا پرچم لہرائے گا۔

اس کے جھرّیوں بھرے چہرے پر مسکراہٹ کِھل گئی اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑے۔ یہ آنسو دکھ کے نہیں بلکہ خوشی کے آنسو تھے۔ اس نے اپنا سر جھکا دیا اور بھگوان کا شکر ادا کیا۔

www.urduchannel.in

۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء

اس دن بوڑھی عورت صبح سویرے جاگ گئی۔ اس نے غسل کیا اور اپنے معمول کے مطابق پوجا کی، رامائن اور گیتا کے کچھ شلوک پڑھے اور ان کتابوں کو احترام سے کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا۔ کچھ دیر کے لئے اس نے چرخہ بُنا اور اسے بھی احتیاط سے بند کر کے رکھ دیا۔

پھر بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ وہ گنگا کنارے پہنچ گئی۔ سورج طلوع ہوا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی ساڑی کو سمیٹا اور آہستہ آہستہ بہتے پانی میں اترنے لگی۔ اس نے مشرق کی طرف اپنا رخ کیا اور پانی میں ہی طلوع آفتاب کے درشن کئے۔

"اے سورج! تم آزاد ہندوستان میں پہلی مرتبہ طلوع ہو رہے ہو۔ میں تمھارا بہت ہی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتی ہوں۔ صدیوں کے بعد آج تم بے داغ نمودار ہو رہے ہو۔ میں تمھارا دیدار کرنے کے لئے برسوں سے انتظار کرتی رہی۔ میں تمہیں بار بار اور سیکڑوں بار سلام کرتی ہوں"۔

اس نے جیسے ہی اپنی پوجا ختم کی اسے دور سے آواز آئی، لوگ جوش و خروش کے ساتھ نعرے لگا رہے تھے اور آزادی کی پہلی صبح کا گرم جوشی کے ساتھ جشن منا رہے تھے۔ "ہندوستان زندہ باد!"، "آزادی پائندہ باد!" کے نعروں سے آسمان گونج رہا تھا۔

بوڑھی عورت جیسے ہی پلٹی تو اس نے دیکھا قریب ہی قومی پرچم جو سخت محنتوں کا پھل تھا شاندار انداز میں لہرا رہا تھا۔ قابل فخر لوگوں کا قابلِ ناز پرچم! اس کا دل جذبات سے لبریز ہو گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ مبارک دن آخر آن پہنچا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ احترام اور شکر کے طور پر جوڑ لئے اور قومی جھنڈے کو سلام کیا۔ اس کے چہرے پر ایک

www.urduchannel.in

الوہی چمک تھی۔ جس پر خوشی و شادمانی اور اطمینان کی تحریر نمایاں تھی۔ وہ وجد اور سرمستی کے عالم میں تھی۔

پھر وہ گنگا کے گہرے پانی کی طرف پلٹی اور گہری کھائی میں غوطہ زن ہو گئی۔

"گنگا ماں! مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ اسے تیرنا نہیں آتا تھا۔ کچھ ہی ساعتوں میں وہ گنگا کی لہروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سما گئی۔

گھاٹ سے کچھ لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ چلّائے، "دیکھو بڑھیا ڈوب رہی ہے، دیکھو وہ ڈوب رہی ہے"۔ وہ اسے بچانے دوڑے لیکن ساری محنتیں بے سود ثابت ہوئیں اور اسے بچایا نہ جاسکا۔ نئی آزادی کے موقع پر کچھ برہمن مندر میں خوشی سے گیت گا رہے تھے اور پوجا میں مصروف تھے۔

ہر چیز برہمن کے لئے ہے۔ برہمن نذر و نیاز ہے۔ برہمن وہ ذریعہ ہے جس کو نذر و نیاز دی جاتی ہے۔ برہمن ایسی آگ ہے جس کی سب پوجا کرتے ہیں اور پوجا خود برہمن ہے۔ برہمن ہی برہما تک جانے کا مارگ بتاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی لوگ اپنے کرم کا صدقہ کرتے ہیں۔

دوسرے دن کے اخبار کے ایک کونے میں ایک خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی۔

"سورج کے طلوع ہوتے ہی ایک بوڑھی فقیر نے دَشَشْوَمیگھ گھاٹ کے سامنے گنگا میں کود کر خودکشی کرلی۔ خودکشی کی وجوہات کا علم نہ ہوسکا"۔

☆☆☆

www.urduchannel.in

مترجم کا شناس نامہ

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر ریشما تزئین

نام : محمد اظہر حیات ابن محمد سعید حیات (ایڈوکیٹ)

پیدائش : ۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۴ء ناگپور، مہاراشٹر

تعلیم:

☆پی ایچ ڈی (اردو) ۱۹۹۷ء ناگپور یونیورسٹی نگراں: پروفیسر ڈاکٹر عبدالرب عرفان (مرحوم)
(موضوع: مولوی نذیر احمد کے ناولوں میں تعلیمی تصورات کا تنقیدی جائزہ)

☆بی۔ایڈ ۱۹۸۸ء ریجنل کالج آف ایجوکیشن، بھوپال

☆ایم۔اے (اردو) ۱۹۸۰ء ناگپور یونیورسٹی

☆ایم۔اے (عربی) ۱۹۷۸ء ناگپور یونیورسٹی

ملازمت:

☆ انجمن گرلز ڈگری کالج آف آرٹس صدر ناگپور میں بحیثیت پرنسپل ۲۰۱۵ء سے تاحال خدمات جاری ہے۔

☆ آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی میں اردو شعبہ کے قیام کے بعد گیسٹ لیکچرار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، ۲۰۱۳ء تا ۲۰۱۵ء

☆ اسوسی ایٹ پروفیسر صدر شعبۂ اردو، یشوداگرلز آرٹس اینڈ کامرس کالج، اسنہہ نگر، وردھا روڈ، ناگپور، ۲۹/ نومبر ۱۹۹۲ء تا ۳۱/ اکتوبر ۲۰۱۴ء

☆ اسی کالج میں بحیثیت پرنسپل بھی ۵ سال تک خدمات انجام دیں۔

☆ ریسرچ فیلو، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ فار انڈین لنگویجز، میسور، کرناٹک، ۱۹۹۲ء

www.urduchannel.in

☆ لکچرار (اردو) ڈیپارٹمنٹ آف لنگوِسٹک انڈین اینڈ فارین لنگویجز، ناگپور یونیورسٹی ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۲ء

☆ لکچرار شعبۂ عربی، وسنت راؤ نائیک گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز ناگپور، ۸ / دسمبر ۱۹۸۸ء تا ۲۹ / نومبر ۱۹۹۰ء

☆ عربین امریکن آئیل کمپنی (آرمکو) الظھران، سعودی عربیہ میں بحیثیت کمپیوٹر آپریٹر، ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۶ء

☆ **افراد خانہ:** اہلیہ: شمشاد بیگم، بہو بیٹا: عظمیٰ تحسین محمد ارشد حیات، پوتی: ثانیہ الماس، بیٹی داماد: حمیرہ جبین محمد پرویز، بیٹا: محمد شاہد حیات

تصانیف و تالیفات:

(۱) احمد شوقی۔ ایک مطالعہ، ۱۹۹۲ء (عربی ادب کے موضوع پر ودربھ کی اوّلین تصنیف)
(مہاراشٹر اردو اکادیمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی)

(۲) حافظ ولایت اللہ حافظ۔ حیات و خدمات، ۱۹۹۵ء
(مہاراشٹر اردو اکادیمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی)

(۳) سفرنامۂ حج 'لبیک' (حج رپورتاژ) ۲۰۰۲ء

(۴) مولوی نذیر احمد۔ توبۃ النصوح۔ ایک مطالعہ، ۲۰۱۱ء

(۵) ودربھ میں جدید اردو شاعری۔ ایک مطالعہ ۲۰۱۲ء (ISBN 978-81-924458-0-9)

(۶) مرتب شعور ادب، ۲۰۱۲ء (ISBN 978-81-924458-0-10)

(۷) مرتب شعور ادب (حصہ دوم)، ۲۰۱۳ء (ISBN 978-81-924458-1-6)

(۸) جدید نظمیں، ۲۰۱۳ء، ناگپور یونیورسٹی میں بی اے نصاب کے مطابق

(۹) قومی نظمیں، ۲۰۱۳ء، آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی میں بی اے نصاب کے مطابق

(۱۰) مرتب قومی یک جہتی اور اردو شاعری ۲۰۱۱ء (ISBN 978-81-920781-0-6)

(۱۱) مرتب غیر مسلم اردو شعرا کی شعری خدمات ۲۰۱۴ء (ISBN 978-81-920781-0-6)

(۱۲) مرتب سالنامہ 'یشودھن'، ۲۰۱۴ء (ISBN 978-81-920781-4-4)

www.urduchannel.in

(۱۳)مرتب حضرت شاطر حکیمی فن اور شخصیت ۲۰۱۵ء(ISBN 978-81-924458-3-0)

(۱۴)آتش فشاں (ناول)،(ISBN 978-81-924458-5-4)

(۱۵)روشنی طبع۔ تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ(ISBN 978-81-924458-2-3)(زیر طبع)

پیش لفظ: ۵ ہندی اردو کتابوں پر پیش لفظ تحریر کیے۔

تبصرے: ۱۲ مختلف تصانیف پر تبصرے شائع ہوئے، زیادہ تر تبصرے ماہنام قرطاس، ناگپور میں شائع ہوئے۔

نثری نگارشات:

تقریباً ۵۰ سے زائد ادبی، علمی و ثقافتی موضوعات پر مضامین اردو کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

منی افسانے: ۲۵ منی افسانے جو ہندی اور اردو میں شائع ہوئے۔

طنز و مزاح: ۲۰ مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

مراٹھی: ۳۸ مضامین کا مراٹھی ترجمہ ڈاکٹر کرن دھوڑ نے کیا جو روزنامہ دیش انتی، ناگپور میں "उर्दू शायरीच्या इतिहास" اس عنوان کے تحت قسط وار شائع ہوئے۔

۶/ اگست ۲۰۰۶ء تا اپریل ۲۰۰۷ء

ہندی: ''آؤ اردو سیکھیں'' روزنامہ دیش انتی ناگپور میں ۳۰ قسطیں شائع ہوئیں۔

۱۸/ مارچ ۲۰۰۵ء تا ۲۱/ اکتوبر ۲۰۰۵ء

تین منی افسانے (۱) پچھتاوا (۲) کھیل اور آدر ہندی لگو کتھا ''ورتیکا'' میں و شو ہندی ساہتیہ پریشد، دہلی نے شائع کی۔ ۲۰۱۳ء تین کہانیاں پنجابی زبان میں شائع ہوئیں اور ماہنامہ 'ملی' پنجاب کے شمارے نمبر ۱۰۳ میں ۲۰۱۴ء کو شائع ہوئیں۔

صحافت:

☆ مدیر ہفت روزہ آرینج سٹی ناگپور ۲۰۰۲ء

☆ مدیر یگ دھرم ویکلی۔ اردو ایڈیشن ۹۳۔۹۹۲ء

www.urduchannel.in

☆ جوائنٹ ایڈیٹر: ہفت روزہ سنگ میل ۱۹۹۲ء

نصاب میں شمولیت:

☆ آپ کی تصنیف ''ودربھ میں جدید اردو شاعری۔ایک مطالعہ'' آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی نے ۲۰۱۳ء کو ایم۔اے فائنل اردو کے چوتھے پیپر کے لیے نصاب میں شامل کی۔

☆ آپ کی مرتب کردہ کتاب ''شعور ادب'' حصہ اوّل آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی میں بی ایس سی سال اوّل اردو کے نصاب میں بطور ٹیکسٹ بک ۲۰۱۳ء تا حال شامل ہے۔

☆ آپ کی مرتب کردہ کتاب ''شعور ادب'' حصہ اوّل آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی میں بی اے اوّل اردو کمپلسری کے نصاب میں بطور ٹیکسٹ بک ۲۰۱۳ء تا ۲۰۱۶ء شامل۔

☆ آپ کی مرتب کردہ کتاب شعور ادب حصہ دوم آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی میں بی اے اوّل اردو لٹریچر کے نصاب میں بطور ٹیکسٹ بک ۲۰۱۴ء تا ۲۰۱۶ء شامل۔

☆ احمد شوقی۔ایک مطالعہ، پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔اے (عربی) کے نصاب میں شامل۔

☆ ڈاکٹر حاجرہ بانو کی تحقیقی و تنقیدی تصنیف ''اردو انشائیہ اور بیسویں صدی کے اہم انشائیہ نگار'' میں صفحہ ۲۱۹ پر بحیثیت انشائیہ نگار آپ کا تذکرہ شامل ہے۔ ۲۰۱۴ء

تحقیقی سرگرمیاں:

پی ایچ ڈی سپروائزر گائیڈ۔آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی ناگپور ۲۰۰۲ء تا حال درج ذیل ریسرچ اسکالرز کو موصوف کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔

☆ ڈاکٹر محمد اسعد حیات: ودربھ میں نعت گوئی کا آغاز وارتقاد

☆ ڈاکٹر شاہینہ تبسم: مولانا عبدالکریم پاریکھ۔حیات و خدمات

☆ ڈاکٹر شمیم اختر: ودربھ میں بچوں کا نثری ادب اور وکیل نجیب

☆ ڈاکٹر نسیم اختر: اردو کے فروغ میں کامٹی کا حصّہ

☆ ڈاکٹر شکیل احمد: حفیظ میرٹھی۔سیرت و فن

☆ ڈاکٹر ریشما تزئین: اردو شاعری میں سیاسی رجحانات

www.urduchannel.in

☆ ڈاکٹر نیّر پروین پٹھان: احمد فراز۔ شخصیت اور فن

☆ ڈاکٹر شیخ ریحانہ بیگم: عمیق حنفی، قاضی سلیم اور ندا فاضلی کی نظموں کا تنقیدی مطالعہ

☆ ڈاکٹر ناصر خان داؤد خان: اردو شعر و ادب میں اچل پور کا حصہ

☆ ڈاکٹر سمیرہ مومن: بانو سرتاج۔ حیات، شخصیت اور خدمات

☆ ڈاکٹر مہر عبدالسلیم فاروقی: قمر رئیس۔ حیات و خدمات

☆ ڈاکٹر مہہ جبین: ناگپور میں لقمان الدین اردو نظم نگاری کا ارتقائی سفر

علاوہ ازیں ۴ طلبہ نے تحقیقی مقالے یونیورسٹی میں داخل کر دیئے ہیں نیز ۴ طلبہ زیر نگرانی تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

یونیورسٹی سطح پر سرگرمیاں:

☆ چیئرمین بورڈ آف اسٹڈیز (اردو) آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی ۲۰۰۵ء

☆ چیئرمین بورڈ آف اسٹڈیز (اردو) آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۵

☆ ممبر اکیڈمک کونسل ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۴ء

☆ ممبر ناگپور یونیورسٹی لائبریری کمیٹی ۲۰۱۲ء تا ۲۰۱۵ء

☆ ممبر ناگپور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو قیام کمیٹی

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ناگپور یونیورسٹی میں اردو شعبے کے قیام کے حوالے سے ڈاکٹر اظہر حیات نے کلیدی اور اہم رول ادا کیا تھا۔

سرکاری و غیر سرکاری اداروں سے تعلق:

☆ امراؤتی، اورنگ آباد، جل گاؤں، ناندیڑ، ساگر، کوٹہ، آرا، بہار اور مدراس یونیورسٹیز میں ایم اے اردو پیپر سیٹر یا ممتحن برائے پی ایچ ڈی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆ سبجیکٹ ایکسپرٹ۔ مہاراشٹر بورڈ آف ایجوکیشن، پونا کے نویں اور گیارہویں کے عربی نصاب کمیٹی ۲۰۰۵ء میں شمولیت۔

☆ ممبر بورڈ آف اسٹڈیز اردو، عربی، فارسی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سکنڈری اینڈ ہائیر ایجوکیشن، پونا۔

www.urduchannel.in

۲۰۱۲ء تا ۲۰۱۴ء

☆ ممبر مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی۔ ۱۹۹۶ء تا ۲۰۰۱ء

☆ سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، شاخ ناگپور

☆ سکریٹری ادبی مجلس ناگپور

☆ سرپرست، انجمن ایکس اسٹوڈنٹس اسوسی ایشن ناگپور

☆ تاحیات ممبر، ناگپور یونیورسٹی ٹیچرز اسوسی ایشن، ۲۰۰۵ء تا حال

بحیثیت کنوینر اور ناظم سیمینار و مشاعرہ:

☆ کنوینر، کل ہند سیمینار و مشاعرہ بعنوان شاد عارفی۔ فن حیات و خدمات بتعاون این سی پی یو ایل دہلی، زیر اہتمام شعبۂ اردو آر ٹی ایم ناگپور یونیورسٹی۔ بتاریخ ۱۴/ مارچ ۲۰۱۵ء

☆ کنوینر، یو جی سی دہلی کے تعاون سے یک روزہ قومی سیمینار و مشاعرہ بعنوان غیر مسلم شعرا کی شعری خدمات، ۲۷/ ستمبر ۲۰۱۴ء، بمقام ناگپور

☆ کنوینر، یو جی سی دہلی کے تعاون سے یک روزہ قومی سیمینار و مشاعرہ بعنوان قومی یک جہتی اور اردو اور کل ہند مشاعرہ، ۲۲/ فروری ۲۰۱۱ء

☆ کنوینر، آل انڈیا اردو بک ایگزیبیشن زیر اہتمام مہاراشٹر راجیہ اردو اکاڈیمی ممبئی ۱۹۹۷ء

☆ کنوینر، مشاعرہ اِن سنٹرل جیل بتعاون انجمن ترقی اردو دہلی، شاخ ناگپور

☆ کنوینر کل ہند مشاعرہ ''شعراء اطفال'' اور سیمینار ۱۵، ۱۴/ نومبر ۱۹۹۸ء، بمقام ناگپور

☆ کنوینر، ''جشن غالب'' زیر اہتمام مہاراشٹر راجیہ اردو اکادیمی ممبئی، بمقام ناگپور بتاریخ ۲۷، ۲۸، ۲۹/ فروری ۱۹۹۹ء

بحیثیت ممبر مہاراشٹر راجیہ اردو اکیڈمی ممبئی تقریباً ۲۰ مختلف سیمینار اور مشاعروں کے کنونیر رہ چکے ہیں۔

علاوہ ازیں تقریباً ۵۰ سے زائد سیمینار مشاعرے اور مذاکروں میں خصوصی حیثیت سے شرکت کر چکے ہیں۔

www.urduchannel.in

نشریات:

دوردرشن ناگپور سے اب تک چھ پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوئے جس میں آپ کی شمولیت رہی۔

آکاش وانی ناگپور کے اردو پروگرام میں آپ پابندی سے شریک ہوتے ہیں۔ تقریباً ۵۰ سے زائد پروگرام نشر ہو چکے ہیں۔

انعامات واعزازات:

علمی ادبی اور تعلیمی خدمات کے پیش نظر آپ کو مختلف اداروں اور انجمنوں نے انعامات واعزازات سے نوازا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے؛

☆ "محسن اردو" خطاب ۲۰۱۴ء، حضرت شاطر حکیمی اکیڈمی، کامٹی

☆ یونیورسٹی بیسٹ ٹیچر ایوارڈ ۲۰۱۳ء راشٹر سنت تکڑوجی مہاراج ناگپور یونیورسٹی ناگپور

☆ مولانا آزاد تعلیمی خدمات ایوارڈ ۲۰۱۱ء لوک تنتر اُنتی سوسائٹی، ناگپور

☆ ادبی ایوارڈ ۲۰۱۱ء مرحوم ایس اے انصاری ملٹی پرپز سوسائٹی، کامٹی

☆ مولانا ابوالکلام آزاد "مثالی مدرس ایوارڈ" ۱۱۔۲۰۱۰ء نیشنل یوتھ اسوسی ایشن، ناگپور

☆ سماج رتن سمّان ۲۰۰۹ء مہاراشٹر دلت ترن سنگھٹن ناگپور

☆ فخر شعروادب ۲۰۰۶ء روزنامہ دیش انتی، مراٹھی روزنامہ، ناگپور

☆ "اسٹیٹ بیسٹ ٹیچر ایوارڈ" ۰۱۔۲۰۰۰ء یونائیٹڈ اسٹوڈینٹ اسوسی ایشن، ناگپور

www.urduchannel.in